جادۂ منزل

محمد فتح اللہ گولن

Marfat.com

Marfat.com

جادۂ منزل

اسلامی تہذیب وتمدن کے اصول مبادی

KENDİ DÜNYAMIZA DOĞRU

مؤلف

محمد فتح اللہ گولن

مترجم

محمد اسلام

HARMONY
PUBLICATIONS

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ ناشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس کتاب کا کوئی حصہ کسی شکل میں یا کسی بھی ذریعے سے خواہ وہ الیکٹرانک، مکینکل بشمول فوٹو کاپی، ریکارڈنگ یا کسی اطلاع کو محفوظ کرنے یا معلومات کے حصول اور اصلاح کی غرض سے دوبارہ شائع نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی منتقل کیا جاسکتا ہے۔

نام کتاب	:	جادۂ منزل
مصنف	:	محمد فتح اللہ گولن
ترجمہ	:	محمد اسلام
نظر ثانی	:	شازیہ یعقوب
ناشر	:	ہارمنی پبلی کیشنز ہاؤس نمبر 9، مین ڈبل روڈ۔ ایف ٹین ٹو اسلام آباد فون: 92-051-2212250 فیکس: 92-051-2212186
تعداد	:	3000
اشاعت	:	2011ء
قیمت	:	350 روپے

HARMONY
PUBLICATIONS

9, Main Double Road, F-10/2,
Islamabad - Pakistan.
Tel: +92-51-2212250, Fax: +92-51-2112186
www.harmonypublications.net
harmony.publications@gmail.com

Marfat.com

فہرستِ مضامین

.1	پیش لفظ	5
.2	کچھ مصنف کے بارے میں	11
.3	دل کی حکومت	23
.4	اسلامی تہذیب	30
.5	ہماری ثقافتی مشکل: شخصیت سازی	39
.6	پیغام زندگی	52
.7	اسلامی فکر کی بنیادی خصوصیات	64
.8	معقولیت اور عقل کے دورُخ	75
.9	ہمارے ثقافتی ورثے کے بنیادی سرچشمے	88
.10	اسلامی روح	105
.11	ایک مخصوص زاویے سے اسلامی نظام فکر کا جائزہ	113
.12	اللہ اور واقعات کے بارے میں نبوی موقف	119
.13	اسلام اور مستقبل کا راستہ	128
.14	رُخِ نبوت کی تجلّیات	137
.15	اللہ، کائنات، انسان اور نبوت	149
.16	غیب کی خبریں بتانے والی آخری ہستی	158
.17	ایمان اور حرکتِ عمل کا بلند ترین نمونہ	169

Marfat.com

18. اسلام پر ایک طائرانہ نظر 187

19. حواشی و حوالہ جات 206

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

شیخ محمد فتح اللہ گولن کی تصنیفات کی تعداد پچاس سے متجاوز ہے۔ان کے علاوہ آپ نے لاتعداد مضامین بھی لکھے، جن میں آپ نے ایسے موضوعات پر منفرد انداز میں قلم اٹھایا، جو ایک طرف عالم اسلام اور اس کے احیاء و نشاۃ ثانیہ سے گہرا تعلق رکھتے ہیں تو دوسری طرف اس لحاظ سے ساری دنیا سے متعلق ہیں کہ ان میں ساری انسانیت کے مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ آپ ایک ماہر طبیب کی مانند امتِ مسلمہ کی بیماریوں کا علاج کرتے اور انسانیت کی عقل، دل اور روح کو لگنے والے زخموں پر مرہم رکھتے ہیں، نیز آپ انسان کی دنیاوآخرت کی سعادت کی خاطر پہاڑ جیسے اس بوجھل وزن کو بخوشی اٹھانے کی اہلیت رکھنے والی نسل تیار کر کے ایک تجربہ کار اور مستقل مزاج مربی کی طرح انسانیت کو اس بخار سے نجات دلانے کو اپنا ہدف بنائے ہوئے ہیں، جس میں وہ مبتلا ہے۔

ہمارے محترم شیخ کے افکار سے عرب اور غیر عرب قارئین کو متعارف کرانے کی محمود کاوش کے سلسلے میں ان کی متعدد کتابوں کو عربی اور دیگر عالمی زبانوں کے قالب میں ڈھالا جا چکا ہے۔میں اللہ تعالی کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے زیر نظر کتاب اور اس سے پہلے ”ونحن نقیم صرح الروح“ (تعمیر شخصیت) کا عربی زبان میں ترجمہ کرنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ ”تعمیر شخصیت“ کو زیر نظر کتاب کا پہلا حصہ کہا جاسکتا ہے، کیونکہ دونوں کا موضوع ایک ہی ہے، یعنی امتِ مسلمہ کو اُس کی تاریخی پستی سے نکالنے والے وہ احیائی عوامل جو طوفانِ نوح کی طرح تہذیبی مسابقت کے تلاطم خیز سمندر میں سنجیدگی اور مستقل مزاجی کے ساتھ غوطہ زنی کے متقاضی ہیں، تاکہ امت مسلمہ سفینہ نوح میں سوار ہو کر انسانیت کو سلامتی، اطمینان اور سعادت کے جودی پہاڑ تک پہنچانے کے لیے ناخدائی کا فریضہ سرانجام دے سکے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان کتابوں کا اس انداز سے دقتِ نظر سے مطالعہ کیا جائے کہ ان کے مبہم مقامات کی تفصیل اوران کے معانی و مفاہیم کی تعیین فضیلۃ الشیخ کی دوسری کتابوں

Marfat.com

کی روشنی میں کی جائے تو اس سے قاری کے ہاتھ میں اُس ڈوری کا سرا بسہولت آجائے گا، جس کے ذریعے اس کے فکر واسلوب کو تقویت ملتی ہے۔

میں دوراندیش قاری سے ٹھہراؤ اور معانی پر اچھی طرح غور وفکر کرنے کی درخواست کرتا ہوں، کیونکہ شاید اسے اسلامی ثقافت سے متعلق ایسی اچھوتی تحریروں کا سامنا ہو، جو گہرے معانی اوراعلی مقاصد کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ ایسے مستحکم اور اعلیٰ طرزِ تحریر سے بھی متصف ہیں، جو عمدہ منظر کشی اوردوررس اثرات سے مالامال ہونے کہ وجہ سے تحریر کو نثر سے بلند کرکے نظم کے مقام تک پہنچا دیتا ہے۔ ہمیں ایسے عالی اور مستحکم افکار بہت کم پڑھنے کو ملتے ہیں، جنہیں مفاہیم کی تفصیلات اور بنیادی مقاصد کو قربان کیے بغیر اس طرح کے اعلیٰ ادبی اسلوب میں بیان کیا گیا ہو۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میں ترکی تحریر میں ان دونوں امور کے درمیان پائی جانے والی ہم آہنگی کو پوری طرح عربی ترجمے میں منتقل نہ کرسکا اور صائب الرائے قاری سے امید کرتا ہوں کہ وہ معانی کے مقاصد اور فکری دلالتوں پر غوروفکر کرتے ہوئے علم بیان کے اسالیب کا تصور کرکے اس خلا کو پُر کرے گا۔

استاد فتح اللہ گولن کا مکتبِ فکر انسانیت کے اعلیٰ ترین عقلی اور فکری نتائج کو چیلنج کرتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ محض عقلی اور وجدانی تسکین کی خاطر مناظرہ اور بحث و مباحثہ کو پسند کرتا ہے۔ یہ مکتبِ فکر حالات، انسان اور کائنات سے الگ تھلگ ذہنی مشق کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ یہ ایک فکری، تربیتی، عملی اور واقعیت پسندانہ تحریک ہے، جو ایمان کی نمائندگی کرنے والی ایک ایسی نسل تیار کرنا چاہتی ہے، جو پوری روئے زمین پر پھیل کر امتِ مسلمہ اور انسانیت کی انگلی پکڑ کر اسے مطلوبہ سعادت تک پہنچانے کا عزم رکھتی ہو اور امت کی امین، زمین کی وارث اور اسلام کی نمائندہ ہو۔ اسلام اور نبوت کا یہی راستہ ہے۔

اس بارے میں شیخ کے اسلوب کی انفرادیت کے چند اسباب ہیں، جن میں سے ایک اہم سبب یہ ہے کہ شیخ اپنی تحریروں میں عمومی اور خصوصی، علاقائی اور عالمی اورانفرادی اور اجتماعی امور کے درمیان بھرپور توازن قائم رکھتے ہیں، انسان کے مقصدِ تخلیق کو پیشِ نظر رکھتے

Marfat.com

ہوئے اس سے متعلق سوچتے ہیں اور کائنات کے اِس اہم ترین معاملے سے غیر متعلق نہیں رہتے، بلکہ اُسے بتدریج انسانی ترقی کے راستوں پر چلاتے ہوئے مرکز کے گرد گھومنے والے فلک کے مدار تک لے جاتے ہیں۔ یہی وہ منزل ہے، جو انسان کو حق تعالیٰ اور اس کی خوشنودی تک پہنچادیتی ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر آپ دیکھیں گے کہ ہر طرح کے مسائل کے حل کے لیے خاص کسی انتشار کا شکار ہوئے بغیر عام کی طرف بڑھتا ہے اور عام کسی قسم کی تنگی محسوس کیے بغیر خاص کی طرف رجوع کرتا ہے، تاہم وہ اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرتے کہ اہداف کے مطابق عام یا خاص کی حدود تنگ یا وسیع ہوتی رہتی ہیں۔ اس ملک کے مسلمانوں کے مسائل کا حل تلاش کرنا کسی بھی دوسرے مسلمان یا انسان کے مسائل کا حل تلاش کرنے کی مانند ہے، نیز اس وسیع وعریض دنیا کے کسی مسلمان یا انسان کے مسائل اس ملک کے مسلمان کے مسائل سے بہت مختلف نہیں ہوسکتے۔ عوام اور خواص سے برتاؤ کے اصول وقواعد بھی ایک جیسے ہوتے ہیں اور قریب ترین اور بعید ترین آفاق میں ایک ہی فکر کارفرما ہوتی ہے۔ فضیلۃ الشیخ کا اسلوب اور مفاہیم کی تقدیم حق کی پاسداری، درست فیصلے، ارادے کی گہرائی، موقع ومحل کی رعایت اور مختلف انسانی گروہوں اور طبقات سے گفتگو جیسے موضوع کے تقاضوں کے درمیان ہم آہنگی اور توازن قائم رکھتی ہے۔ میری قاری سے یہ درخواست ہے کہ وہ شیخ فتح اللہ گولن کی تحریروں کے اس خصوصی پہلو کو نظر انداز نہ کرے۔ ہم ایک ایسی آواز کی بازگشت سن رہے ہیں، جس کی مخاطب ساری دنیا اور امتِ مسلمہ بھی اسی قدر ہے، جس قدر خود ترکی۔

اسلوب کی اس قدر ندرت کو پیشِ نظر رکھیں تو یہ بات باعثِ تعجب نہ ہونی چاہیے کہ فاضل مصنّف اپنے الفاظ کے جامے میں مختلف پہلوؤں کے عامل ایسے ایسے معانی کو پنہاں کردیتے ہیں، جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ مختص اصطلاحات کی حیثیت اختیار کرلیتے ہیں۔ قاری کو ان کی ساری تحریروں میں ان کے معانی کا تتبع کرنا چاہیے، مثلاً انگریزی لفظ(Action) سے ماخوذ"العمل الحرکی"کی اصطلاح دعوت وتبلیغ اور "انبعاث بعد الموت" (احیائے نو) کی خاطر ثابت قدمی، منصوبہ بندی اور گہری اثر انگیزی سے متصف منہجی اور ارادی انداز سے کاز (Cause) اور پیغام کے معانی اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ "انبعاث

Marfat.com

بعدالموت" (احیائے نو) کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اور انسان کی رگوں میں خون کا دورانیہ دوبارہ شروع ہو جائے تاکہ اس میں بھی زندگی کی لہر دوڑ جائے، جبکہ اپنے مقصدِ تخلیق سے دور ہو جانے کی وجہ سے اس کی رگوں سے خون ختم ہو چکا ہے، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ عبادتِ خداوندی کو بنیادی مقام دیا جائے۔

حرکتِ عمل زندگی کے احیاء کے لیے انتھک محنت کرنے کا نام ہے، کیونکہ ایمان اور مقصدِ زیست کا احساس نہ ہو تو خود زندگی بھی موت اور فنا کے سوا کچھ نہیں۔

بیداری اور نشاۃ ثانیہ کے لیے شیخ کی زبان پر بکثرت جاری انبعاث بعد الموت (احیائے نو) اور احیائے حیات کے الفاظ میں پنہاں وسیع معانی پر غور کیجئے۔ کامل عبادت اور اچھی عادات کے ذریعے "نمائندگی" کے حقدار ٹھہرنے والے وارثین امانت کے بلند حوصلوں کو بھی دیکھئے۔ وہ تبدیلی کی خواہاں نسل، دعوت کے علمبردار اور دنیاوآخرت کی وراثت کی قرآنی خوشخبری اور بشارت کے بجاطور پر مستحق ہیں۔ وہ عشق کے جذبے سے سرشار ہو کر امانت کے بوجھ کو ایسے لوگوں کے ساتھ مل کر بخوشی اٹھالیتے ہیں، جو عشق کے ایسے حقائق کی بنیاد پر نبوت کی خصوصیات کی حامل تحریک سے وابستہ ہیں، جو محبت کرنے والے اللہ تعالی کی طرف محظ ایسے متوجہ ہونے سے عبارت نہیں کہ جس کی وجہ سے انسان ماسوا اللہ سے حتی کہ اللہ تعالی کی دنیوی واخروی نعمتوں سے بھی مستغنی ہو جائے، بلکہ یہ توجہ صرف اور صرف رضائے الٰہی کے حصول کی امید سے حرکتِ عمل کی "خدمت" (یعنی خدمتِ قرآن جو دعوت الیٰ اللہ سے عبارت ہے) کے سلسلے سے وابستہ ہو کر رضائے الٰہی کے حصول کے خالص شوق میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

خدمت کے جذبے سے سرشار اس انسان کی عقل، دل اور روح کے آفاق میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے اسے اتنی مسرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ جب تک اِن آفاق کو دوسروں کی طرف منتقل نہ کر دے اس وقت تک اسے آرام سے بیٹھنا اچھا نہیں لگتا۔ وہ ہمیشہ دوسروں کو زندگی بخشنے اور فنا کی وجہ سے تلخ فانی چیزوں کو ہمیشہ باقی رہنے والی ابدی چیزوں میں تبدیل کرنے کے لیے جیتے ہیں۔ فاضل مصنف کی تحریروں میں معانی سے بھرپور مختلف

Marfat.com

الفاظ باربار استعمال ہوتے ہیں، مثلاً متلقی یا متلقیات جو کسی متعین چیز کے تصورات اور ان تصورات سے جنم لینے والے طرزِ عمل، عادات اور تصرفات سے عبارت ہے۔ اخرویات جو صرف آخرت کے تصور تک ہی محدود نہیں جیسا کہ پہلی بار یہ لفظ سننے سے ذہن میں خیال پیدا ہوتا ہے، بلکہ اس کا مفہوم اس سے وسیع تر ہے، بلکہ وہ نہ صرف دنیا، برزخ اور آخرت کے متعدد عوالم پر مشتمل ہے، بلکہ مابعد الطبیعات، روحانیات اور مادے اور غیب کے پردے سے ماورا امور کو بھی شامل ہے۔ یہ دراصل ترکی زبان کے لفظ "اوتہ" سے ماخوذ ہے، جس کے حسبِ ذیل معانی ہیں: دوسرا، غیر، دور مگر بہت دور نہیں، بلکہ قریب سے کچھ دور۔

"واردات" کا لفظ بعض اوقات صوفیاء کے ہاں متعارف مفہوم سے وسیع تر مفہوم میں استعمال ہوتا ہے، کیونکہ جہاں اس سے الہام یا الہام کی درخواست مراد ہوتی ہے، وہیں اوپر ذکر کردہ لفظ "اخرویات" کے مفاہیم اور اعمال اور تجربات سے حاصل ہونے والے نتائج بھی اس میں شامل ہیں۔ "آفاق" کی طرح وسعت، کشادگی، مضبوطی اور گہرائی کا مفہوم ادا کرنے والے الفاظ عقل، دل، روح، عشق، شوق، وجدان اور فکر جیسی اصطلاحات کے ساتھ بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔ اس کی بہت سے مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ یہ الفاظ بالتبع یا زائد نہیں ہوتے، بلکہ بذاتِ خود مقصود ہوتے ہیں۔

ان دو کتابوں کو غور سے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کے پیشِ نظر درج ذیل مقاصد رہے ہیں:

اوّل: مسلمان کو اسلام اور ایمان کے مراتب طے کرا کے اور اس کی عقل، دل اور روح کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے اس کی عقل کو مخاطب بنا کر اپنی متعدد کتابوں میں بیان کردہ حقائق کے ذریعے اس کی مثالی انداز سے تربیت کرنا۔

دوم: قرآنِ کریم کی خدمت میں مصروف اور اس کی تمام تر توانائی کو زندگی کے احیاء کے لیے استعمال کرنے والی مسلم نسل کی ایسی تربیت کرنا کہ عشق کی کیفیت میں اسلام کے اصولوں کا التزام کیا جائے اور ساری انسانیت کے نظام زندگی میں مناسب مقام پانے

Marfat.com

کے لیے احیائے نو کے لیے کوشاں معاشرے میں بھلائی کی تمام قوتوں کو منظم و مربوط کرنے والی اسلامی ثقافت اور اس کے ذاتی تصورات سے بھرپور استفادہ کیا جائے۔

سوم: احیائے نو اور شخصیت سازی کے اہم ذرائع حسبِ ذیل ہیں:

الف: عقل، دل اور روح کے درمیان ہم آہنگی پیدا کر کے نسل نو کی درست تربیت کرنے والے مدارس اور تربیتی ادارے۔

ب: مؤمن کی روح کا خیال رکھنے والے اور اسے روحانیت کے اعلیٰ مراتب اور مقامات تک پہنچانے والے روحانی ادارے۔

ج: طاقت کے وہ مراکز جنہیں اپنی ذاتی ثقافت اور رعایا کی فلاح و بہبود پر قائم حکومت عالمی طاقتوں کے درمیان مناسب مقام پانے اور اپنی ثقافت پر استوار تہذیب پروان چڑھانے کے لیے قائم کرتی ہے۔

یہ تمام مقاصد تبدیلی اور بیداری کے میدان میں کثیر الجہت جہدِ مسلسل، تہذیبی ترقی اور مسلم معاشرے کے ہاتھ میں ساری انسانیت کی قیادت کے آنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

اپنی بات ختم کرنے سے پہلے میں ہر اس شخص کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں، جس نے اس کتاب کی تکمیل میں حصہ لیا، خصوصاً جلیل القدر اساتذہ ادیب ابراہیم دباغ اور نوزاد صواش کا میں انتہائی ممنون ہوں کہ انہوں نے میرے منتشر خیالات کو جمع کرنے، قابل اصلاح پہلوؤں کی درستگی اور کج رویوں کی اصلاح کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ میں اللہ تعالیٰ سے خلوصِ نیت، توفیق کے دوام اور حسن خاتمہ کے لیے دعا گو ہوں۔

مترجم

عونی عمر لطفی اوغلو

Marfat.com

کچھ مصنف کے بارے میں

شیخ محمد فتح اللہ گولن کی عظیم خدمات کی بدولت ایک نئے دور کا آغاز ہو رہا ہے اور ہر صاحب نظر آپ کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور ہے، لیکن اس کے باوجود آپ اپنی تعریف اور اپنی طرف قیادت کے انتساب کو پسند نہیں کرتے۔ آپ کی جائے پیدائش اناطولیہ میں واقع ایک چھوٹی سی بستی ہے، جس میں سال کے نو ماہ موسم سرما رہتا ہے۔ اس بستی کا نام کوروجک ہے، جو صوبہ ارضروم کے شہر حسن قلعہ کا ایک نواحی علاقہ ہے۔ اس بستی کی آبادی ساٹھ ستر گھرانوں سے زائد نہیں۔ آپ کے آباءواجداد "اخلاط" نامی تاریخی گاؤں سے ہجرت کر کے یہاں آئے تھے۔ "اخلاط" صوبہ بتلیس میں پہاڑوں کے دامن میں واقع ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی آل میں سے بعض حضرات امویوں اور عباسیوں کے ظلم و ستم سے بچنے کے لئے وادی بتلیس کے علاقے کی طرف آئے اور اس علاقے کے لوگوں کے روحانی پیشوا بن گئے، جس کے نتیجے میں اس علاقے کے ترک قبائل کے دلوں میں اسلامی روح جاگزیں ہو گئی۔

محمد فتح اللہ گولن نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی، جس کے اطراف میں اسلامی روح کی کرنیں پھیلی ہوئی تھیں۔ آپ کے والد اور والدہ دونوں دین کی گہری بصیرت کے حامل تھے۔ آپ کے دادا "شامل آغا" عزت و وقار اور دینی مضبوطی کا نمونہ تھے، جن کا اپنے پوتے کے ساتھ مضبوط روحانی اور قلبی تعلق تھا۔ آپ کے والد "رامز آفندی" اس مشکل اور بے ثمر دور میں بھی علم و ادب، دین داری اور ذہانت کے لحاظ سے معروف شخصیت تھے۔ وہ اپنا وقت صرف فائدہ مند کاموں میں صرف کرتے اور جود و سخا میں معروف تھے۔ آپ کی دادی "مونسہ خانم" دینی تشخص اور تعلق مع اللہ کی وجہ سے مشہور تھیں۔ ان کی پرہیز گاری کی جھلک ان کے مشاغل اور کاموں میں واضح طور پر نظر آتی تھی۔

آپ کی نانی "خدیجہ خانم" پاشا خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور وقار، رحم دلی اور ادب و احترام کا پیکر تھیں۔ آپ کی والدہ "رفیعہ خانم" بستی کی عورتوں کو قرآن کریم پڑھایا کرتیں اور رحمدلی، شفقت اور نیکی سے لگاؤ کی وجہ سے مشہور تھیں۔

Marfat.com

شیخ محمد فتح اللہ گولن نے ایسے عظیم گھرانے میں پرورش پائی، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے چار برس سے بھی کم عمر میں اپنی والدہ سے قرآن کریم سیکھنا شروع کر دیا تھا اور صرف ایک ماہ میں قرآن کریم ختم کر لیا۔ آپ کی والدہ آدھی رات کو اٹھتیں اور آپ کو بیدار کر کے قرآن کریم سکھاتیں۔ جس گھرانے میں آپ نے پرورش پائی وہ اس علاقے کے معروف علمائے کرام اور صوفیائے عظام کی زیارت وضیافت گاہ تھا۔ آپ کے والد "رامز آفندی" علماء اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کو بہت پسند فرماتے اور ان کی خواہش ہوتی کہ روزانہ کم از کم کسی نہ کسی عالم کی ضرور ضیافت کریں، اس طرح محمد فتح اللہ گولن کو بچپن ہی سے بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا موقع ملا اور انہوں نے اپنے آپ کو ابتدائے عمر ہی سے علم و تصوف کی آماجگاہ میں پایا۔ جن علمائے کرام سے آپ متاثر ہوئے ان میں سب سے نمایاں شخصیت شیخ محمد لطفی آلوارلی کی تھی۔ آپ ان سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کے منہ سے نکلنے والی ہر بات کو کسی دوسرے جہان سے وارد ہونے والے الہامات سمجھتے۔ آپ شیخ محمد لطفی آلوارلی کی شخصیت سے کس قدر متاثر ہوئے، اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اتنے سال گزر جانے کے باوجود آپ ہمیشہ ان کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں اور کہا کرتے ہیں: "میں اپنے جذبات، احساسات اور بصیرت میں بڑی حد تک ان سے سنی ہوئی باتوں کا احسان مند ہوں۔"

شیخ محمد فتح اللہ گولن نے عربی اور فارسی زبان سیکھنے کا آغاز اپنے والد ماجد سے کیا، جو کتب بینی میں مستغرق رہتے، ہر وقت چلتے پھرتے قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہتے اور عربی و فارسی کے اشعار گنگناتے رہتے تھے۔ آپ کے والد نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے عشق کی حد تک محبت کرتے تھے۔ وہ صحابہ کرام کے حالات زندگی سے متعلق کتابوں کا اس کثرت سے مطالعہ کرتے کہ وہ کثرتِ مطالعہ کی وجہ سے بالکل بوسیدہ ہو جاتیں۔ آپ کے والد کا ایک اہم کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت کا بیج اپنے بیٹے کے دل میں بو دیا۔ محمد فتح اللہ کے والد "رامز آفندی" نے آپ کو اپنی میراث میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے ساتھ جو محبت اور تعلق عطا کیا تھا، اسے سمجھے بغیر آپ کی شخصیت کو سمجھنا ممکن نہیں۔ اب یہ انتہائی دشوار ہے کہ آپ کی کوئی نظیر دیکھی جائے یا کسی ایسے شخص کا ذکر کیا جائے جسے نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ کرام کے ساتھ ایسا لگاؤ ہو کہ جب بھی اس کی زبان پر ان کا تذکرہ آئے تو اس کی آنکھیں اشک بار اور دل بے چین ہو جائے۔

Marfat.com

ابتدائی تعلیم اور نفسیاتی پس منظر

تقدیر نے محمد فتح اللہ گولن کی تمام باطنی صلاحیتوں کو اچھی طرح اجاگر کرنے کے لئے انہیں معتدل اور متوازن ماحول میں پروان چڑھایا۔ اگرچہ آپ کی فطری صلاحیتیں باطنی قوت، چاق وچوبند طبیعت، جرأت و شجاعت، عمدہ انتظامی لیاقت، تاریخ پر گہری نظر اور ولولے سے لبریز دل کی صورت میں خوب اجاگر ہو چکی تھیں اور ان کی نشو ونما ایک محبت و شفقت کے پیکر اور اپنے خاندان اور رشتہ داروں سے گہری وابستگی کے حامل شخص کی صورت میں ہوئی، تاہم آپ کو اپنی انتہائی حساس طبیعت اور اپنے عزیز واقارب کے ساتھ گہری وابستگی کی وجہ سے قلبی طور پر بہت سی تکالیف بھی اٹھانی پڑیں، کیونکہ آپ کے والد ماجد اپنے بعض دوستوں کی بے وفائی اور ظلم کا نشانہ بنے اور انہیں اپنے خاندان کی نقل مکانی کا دکھ جھیلنا پڑا پھر مختصر سے عرصے میں اپنے بھائی، دادا اور دادی کی وفات کی وجہ سے آپ کے دلِ ناتواں پر بے شمار غم آپڑے۔ ان سب مصائب اور صدموں نے آپ کے دل پر گہرا زخم لگایا، جس کی وجہ سے عین ممکن تھا کہ حالات کی ستم ظریفی آپ کو ایک صوفی درویش بناڈالتی، تاہم قدرت نے جہاں آپ کی دینی مدرسے (جہاں سے آپ نے دینی علوم حاصل کیے) کی طرف راہنمائی کی، وہیں آپ کو خانقاہ (جہاں آپ نے روحانی تربیت پائی) کا راستہ بھی دکھایا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے رسمی علوم اور فلسفے پر بھی توجہ دی، چنانچہ تعلیم کا جو سلسلہ آپ نے اپنے والد کے گھر میں شروع کیا تھا، وہ ارضروم شہر آکر بھی جاری رہا، نیز آپ نے جو روحانی تربیت سب سے پہلے اپنے گھر میں حاصل کی تھی، وہ محمد لطفی آفندی کی خانقاہ میں بھی جاری رہی، یہی وجہ ہے کہ آپ کا روحانی تربیت کے ساتھ تعلق کبھی منقطع نہیں ہوا، بلکہ اسلامی علوم کی تحصیل کے پہلو بہ پہلو عمر بھر جاری رہا۔ آپ نے اپنے علاقے کے مشہور علماء سے دینی علوم حاصل کیے، جن میں سب سے نمایاں شخصیت عثمان بکتاش کی ہے، جو اپنے وقت کے چوٹی کے فقہاء میں شمار ہوتے تھے۔ آپ نے ان سے نحو، بلاغت، فقہ، اصولِ فقہ اور عقائد کی کتابیں پڑھیں۔

زمانہ طالب علمی ہی میں آپ کی رسائل نور اور طلبۂ نور کی تحریک سے شناسائی ہو گئی تھی۔ یہ ایک ہمہ گیر احیائی اور تجدیدی تحریک تھی، جس کی بنیاد حضرت بدیع الزمان سعید نورسی نے بیسویں صدی کے دوسرے ربع میں رکھی تھی۔

Marfat.com

عمر میں پختگی، دینی مدارس اور خانقاہوں سے اپنے حصے کے علوم وفیوض حاصل کرنے اور رسائل نور جو بذات خود ایک ہمہ گیر معاصر دینی مکتب فکر کی حیثیت رکھتے ہیں، سے آشنائی کی وجہ سے آپ کی تمام خداداد صلاحیتیں اور قابلیتیں نکھر کر سامنے آگئیں۔

مزید برآں آپ نے ان رسمی علوم کو پڑھنے اور سیکھنے کا سلسلہ بھی جاری رکھا جو آپ نے سرکاری درسگاہوں سے حاصل کیے تھے، جس کے نتیجے میں آپ کو ان علوم کے اصول ومبادی کے بارے میں ٹھوس معلومات حاصل ہو گئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے نہ صرف البیغ کامو (Albert Camus) سارتر (Sartre) اور مارکوس (Marcos) وغیرہ وجودی فلاسفہ کی تصنیفات کا بغور مطالعہ کیا، بلکہ مشرق و مغرب کے دیگر فلسفیانہ افکار کے اصل سرچشموں سے بھی واقفیت حاصل کی۔ خلاصہ یہ کہ ان سب عوامل اور حالات نے مل کر شیخ فتح اللہ کی شخصیت کی تعمیر میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

شیخ فتح اللہ

ابھی محمد فتح اللہ کی عمر بیس سال بھی نہ ہوئی تھی کہ انہوں نے ترکی کے انتہائی مشرق میں واقع ارضروم شہر کو خیر آباد کہہ کر ادرنہ کا رخ کیا، جو ترکی کا مغربی دروازہ سمجھا جاتا ہے۔ یہاں انہیں جامع مسجد ''اُچ شرفلی'' کا امام مقرر کر دیا گیا۔ انہوں نے اڑھائی سال اسی مسجد میں انتہائی زہد اور مجاہدے سے گزارے۔ انہوں نے مسجد میں ہی مستقل قیام کو ترجیح دی اور وہ بغیر ضرورت کے باہر نہ نکلتے۔ مسجد میں رات گزارنے کا کوئی مناسب بندوبست نہ تھا، اس لئے انہیں مجبوراً مسجد کے صحن کے فرش پر ہی ایک کونے میں اپنا مختصر سا بستر بچھا کر رات گزارنی پڑتی تھی۔ پھر جب عسکری خدمات سرانجام دینے کا وقت آیا تو آپ نے ماماک اور اسکندرون کے مقام پر یہ خدمات سرانجام دیں اور پھر ادرنہ اور ادرنہ سے ''کرکلارآلی'' کی طرف لوٹ آئے۔ جب آپ ادرنہ میں مقیم تھے تو وہاں کے لوگ آپ کو ارضرومی شیخ کے نام سے پکارتے تھے، لیکن جب آپ ارضروم آئے تو لوگوں نے آپ کو ادرنلی شیخ کہنا شروع کر دیا، تاہم جب آپ نے ازمیر میں سکونت اختیار کی تو شیخ فتح اللہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔

Marfat.com

آپ نے اپنے کام کا آغاز ازمیر کی جامع مسجد "کستانہ بازاری" سے ملحق "مدرسہ تحفیظ القرآن" سے کیا اور پھر ایک چلتے پھرتے واعظ کے طور پر کام کرنے لگے، چنانچہ آپ نے مغربی اناطولیہ کے سارے گردونواح کا دورہ کیا اور پھر ۱۹۷۰ء کے آغاز میں تربیتی کیمپ لگانا شروع کیے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آپ نے لوگوں کی اطاعت وعبادت کے مطابق تربیت کر کے اپنے آپ کو اپنے پروردگار، دین، وطن اور انسانیت کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا، چنانچہ لوگوں کے ذہن، دل اور پوشیدہ باطنی احساسات یہاں آکر معرفت کے گہرے معانی سے آشنا ہوتے، گویا لوگ موت کی مدہوشی سے بیدار ہو رہے ہوں اور طویل ماضی کے بعد انہیں نئے سرے سے اٹھایا جا رہا ہو... آپ وہ شہسوار تھے جس کے کارناموں کی آپ کئی بار منظر کشی اور اس کے اعلیٰ اوصاف کا اپنے اشعار اور مقالات میں تذکرہ کر چکے تھے... وہ شہسوار کہ جس کے غم میں آپ نے مرثیے پڑھے اور آنسو بہائے... ایسا شہسوار جو تیز دکھ بھری نظر اور فکر مند وغمزدہ دل کا مالک تھا، جس کی منظر کشی آپ نے کچھ اس طرح کی تھی کہ وہ شدید تھکن کے باوجود اپنے سیاہی مائل گھوڑے پر سوار ہو کر دامن کوہ پر چڑھ رہا ہوتا ہے کہ اچانک شدتِ تکان سے اُس کے گھوڑے کے دل کی حرکت بند ہو جاتی ہے اور وہ اپنے گھوڑے سے زمین پر آگرتا ہے۔ لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اس پر کنکریوں اور پتھروں کا ڈھیر لگا دیتے ہیں تاکہ وہ وہاں سے کبھی نہ اٹھ سکے... آپ ایک ایسے شہسوار تھے جس کے سینے میں آتش فشاں ابل رہے تھے اور اس کی روح، دل اور نفس غموں، دکھوں اور گہرے جذبات کی وجہ سے مدہوش ہو چکا تھا... گویا وہی شہسوار لوٹ آیا ہے... لیکن اس مرتبہ اس نے فولادی تلوار اٹھا رکھی ہے اور نہ ہی کوئی پستول اس کے ہاتھ میں ہے... بلکہ اب تو وہ اس طرح آیا ہے کہ ایمانی حقائق کی الماسی تلوار اس کے ہاتھ میں ہے، علم کی یاقوتی تلوار سے مسلح ہے، عشق ومحبت کے زمرد، غور وفکر کے مرجان اور موتیوں سے آراستہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی لامتناہی بندگی اور عجز وفقر کے جذبات اس کے پیش نظر ہیں۔

۲۱ مارچ ۱۹۷۱ء کو اس وقت کی حکومت پر فوجی دباؤ کے نتیجے میں آپ کو اس الزام میں گرفتار کر لیا گیا کہ آپ ایک خفیہ تنظیم کے ذریعے لوگوں کے دینی جذبات کو غلط استعمال کر کے ملکی نظام کی اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی بنیادوں کو تبدیل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چھ ماہ

Marfat.com

تک آپ جیل میں رہے اور اس دوران آپ پر مقدمہ چلتا رہا، تاہم چھ ماہ کے بعد عام معافی کے قانون کے تحت آپ رہا ہو گئے اور پھر سے اپنے فرائضِ منصبی ادا کرنے لگے۔

اربابِ اختیار نے پہلے آپ کو ادرمیت بھیجا پھر مانیسا اور اس کے بعد ازمیر میں بورنوا کی طرف منتقل کر دیا، جہاں آپ دسمبر ۱۹۸۰ء تک اپنے کام میں مشغول رہے۔ اس تمام عرصے میں آپ مختلف شہروں میں گھومتے پھرتے اور اپنے علمی، دینی، معاشرتی، فلسفیانہ اور فکر انگیز بیانات سے لوگوں کو مستفید کرتے، نیز آپ مختلف علمی حلقوں اور سیمینارز کا انعقاد کرتے، جن میں نوجوان طبقے خصوصاً یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل حضرات کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے پریشان کن سوالات کے جوابات دیتے۔ ان مجالس میں بیان کردہ جوابات ہر طبقے کے لوگوں کے ذہنوں کو منور کرتے خواہ ان کا تعلق طلبہ سے ہوتا یا اساتذہ سے، تاجروں سے ہوتا یا صنعت کاروں سے، مزدوروں سے ہوتا یا ملازمین سے۔ اس کے نتیجے میں ان کے گرد ہر حلقے اور طبقے سے تعلق رکھنے والے حضرات کا ایک گروہ جمع ہو گیا، جس نے آپ کی ہدایات اور نصیحتوں کی روشنی میں دینی، انسانی اور قومی خدمات سرانجام دیں۔

یہ چھوٹی سی جماعت ہر قسم کی دنیوی یا مادی منفعت کو پس پشت ڈال کر ترکی میں رائج قوانین کے دائرے میں رہتے ہوئے اسکولوں، اکیڈمیوں اور ایسے مراکز کے قیام میں منہمک ہو گئی، جو مختلف یونیورسٹیوں میں داخلے کے لئے طلبہ کو تیار کرتے تھے۔ سویت یونین کی تحلیل کے بعد اس جماعت کا دائرہ کار پورے عالم اسلام میں بالعموم اور وسطی ایشیائی ریاستوں میں بالخصوص پھیل گیا۔ جب دوسرے لوگ مثبت خدمات کی بجائے غیر اہم فروعی مسائل مثلاً ترکی دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟ کی بحثوں میں الجھے ہوئے تھے اس وقت شیخ فتح اللہ نے یہ کہہ کر کہ ترکی دارالخدمت ہے اس بحث کو ہی ختم کر دیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ خدمت کا یہ جذبہ تقریباً ساری دنیا میں پھیلتا چلا گیا اور ایک ایسی نسل تیار ہو گئی جو بالکل خاموشی کے ساتھ لوگوں کی خدمت کرنے لگی۔ انہیں کسی معاوضے کی خواہش تھی اور نہ کسی دنیوی منفعت کی لالچ، بلکہ اخلاص میں کمی کے خوف سے وہ کسی روحانی مرتبے کی خواہش بھی نہ کرتے۔ محبت اور صبر ان کا طرۂ امتیاز تھا۔

Marfat.com

انہیں اختلافات میں پڑنے کی فرصت نہ تھی۔ انہیں بس باہمی تعاون اور تعمیری کام کی دھن لگی رہتی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے۔ جلد ہی ان کی خدمات کا دائرہ وسیع ہو کر زندگی کے دوسرے شعبوں تک پھیل گیا، چنانچہ انہوں نے پہلے اخبارات اور رسائل نکالنا شروع کیے اس کے بعد ریڈیو اسٹیشن اور پھر ٹیلی ویژن اسٹیشن بھی قائم کر لیے، جس کے نتیجے میں وہ فضل خداوندی سے لوگوں کی امیدوں کا مرکز بن گئے۔

محبت، افہام و تفہیم، نرم مزاجی اور گفت و شنید کی بادِ صبا

1991ء سے شیخ فتح اللہ نے باہمی گفت و شنید، افہام و تفہیم اور تعصب سے پاک ایک قائدانہ تحریک کا آغاز کیا۔ آہستہ آہستہ اس تحریک کی بازگشت نہ صرف ترکی بلکہ ترکی سے باہر بھی سنی جانے لگی۔ اس تحریک کی کامیابی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ شیخ محمد فتح اللہ نے پوپ کی دعوت پر ویٹی کن سٹی میں اس سے ملاقات کی، جس میں شیخ نے اس بات پر زور دیا کہ چونکہ ذرائع مواصلات کی حیرت انگیز ترقی کی بدولت پوری دنیا ایک عالمی گاؤں کی شکل اختیار کر چکی ہے، اس لئے تعصب، اختلافات اور نفرت پر مبنی کوئی بھی تحریک مثبت نتائج تک نہیں پہنچ سکتی، نیز چونکہ دنیا کے کسی بھی حصے میں رونما ہونے والے حادثے یا تبدیلی کا اثر پوری دنیا پر پڑ سکتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ کسی بھی عقیدے، فکر اور فلسفے سے تعلق رکھنے والے افراد سے فراخ دلی کا برتاؤ کیا جائے۔ سویت یونین کی شکست وریخت اور وارشو پیکٹ کی ناکامی کے بعد عالمی طاقتوں نے اسلام اور مسلمانوں کو آسان ہدف سمجھ کر ان کے خلاف جنگ کو ناگریز قرار دے دیا، جس کے نتیجے میں بعض اوقات انتہاء پسندی اور دہشت گردی کا بھی ظہور ہوا۔ یہ طاقتیں جہاد کو بغاوت، جنگ کو سلامتی، ظلم کو انصاف اور بغض کو محبت کا نام دیتی ہیں۔

مذکورہ بالا صورتِ حال کے پیش نظر شیخ فتح اللہ نے ترک معاشرے میں گفت و شنید اور رواداری کی دعوت کا آغاز کیا، کیونکہ بہت سی قوتیں نسلی، قومی، مذہبی، گروہی اور فکری اختلافات کو ہوا دے کر اس معاشرے کا شیرازہ بکھیرنے کی سر توڑ کوششیں کر رہی تھیں، تاہم آپ نے

Marfat.com

اسی پر اکتفانہ کیابلکہ گفت وشنید اوررواداری کی اس دعوت کوترکی سے باہر بھی جہاں کہیں ممکن ہوسکاپھیلانے کی کوشش کی۔

مؤلفات

بہت سے بلند پایہ لوگ نئے افکارو نظریات کے حامل ہوتے ہیں، لیکن جب وہ اپنے نظریات کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتے ہیں تو ناکام ہو جاتے ہیں۔ بہت سے حضرات فعال اور سر گرم داعی ہوتے ہیں، لیکن بقدرِ ضرورت علم اور گہری بصیرت سے محروم ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ صرف حکومت واقتدار کے مالک ہوتے ہیں یا پھر محض حکمت عملی اور سیاسی داؤپیچ کے ماہر۔ اسی طرح بعض حضرات زندگی کے کسی خاص شعبے میں امامت کا درجہ رکھتے ہیں، لیکن عمل کے دوسرے میدانوں میں ان کی کوئی خاص خدمات نہیں ہوتیں، چنانچہ بعض لوگ بڑے اچھے لکھاری یا شاعر یا فنونِ لطیفہ کے ماہر یا بہت بڑے عالم یا خطیب یا فلسفی تو ہوتے ہیں، لیکن معاشرے میں مثبت تبدیلی کا باعث بننے والی کوئی تحریک نہیں چلا پاتے۔

اسی طرح بعض لوگ اقتصادیات یا سیاسیات میں صفِ اول کے ماہر یا مایہ ناز عسکری قائد ہوتے ہیں، لیکن دین اور اخلاقیات کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ان کی زبانیں گنگ ہو جاتیں ہیں، جبکہ دوسری طرف بہت سے حضرات دینی مسائل اور روحانی واخلاقی امور میں اپنی تمام توانائی خرچ کر ڈالتے ہیں، لیکن انہیں اقتصادی اور معاشرتی مسائل پر دسترس حاصل نہیں ہوتی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس دنیا نے اپنی طویل عمر میں بے شمار بلند پایہ شخصیات کو دیکھا، لیکن ان میں سے ہر ایک کے اثرات کسی نہ کسی خاص میدان میں منحصر ہو کر رہ گئے اور وہ اپنی نافعیت کامل طور پر دوسروں کی طرف منتقل نہ کر سکیں، لیکن اس کے مقابلے میں جب شیخ فتح اللہ گولن کا ذکر آتا ہے تو نہ صرف ان کی کتابوں، مواعظ، بیانات اور آڈیو اور ویڈیو خطبات کی طرف ذہن جاتا ہے، بلکہ ایک اور چیز کی طرف بھی خیال جاتا ہے، جسے وہ "جیش النور" یا "جنود الحق" کا نام دیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں، جنہوں نے آپ سے استفادہ کیا اور آپ کے آثارِ جمیلہ میں شمار ہوئے، نیز آپ کے منتسبین کی خدمات کو ان اداروں اور تنظیموں سے علیحدہ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا، جن کا جال انہوں نے دنیا کے کونے کونے میں پھیلا دیا ہے۔

Marfat.com

آپ کی تحریر کردہ کتابوں کی تعداد 60 سے زائد ہے۔ جن کا 35 زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ہم ذیل کی سطور میں ان کے چند علمی آثار کا اختصار کے ساتھ ذکر کیے دیتے ہیں۔

۱۔ آپ کے خطبات، مواعظ، بیانات اور مجالس پر مشتمل ہزاروں کی تعداد میں آڈیو اور ویڈیو کیسٹیں موجود ہیں۔

۲۔ الأسئلة الحائرة التی أفرزها العصر (۴ حصے) یہ کتاب مختلف اوقات میں ان سے پوچھے گئے سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔

۳۔ الموازين أوأضواء على الطريق (۴ حصے) یہ کتاب معرکہ زندگی میں عقل وروح اور تصوف وحکمت کے پیمانوں پر مشتمل ہے۔

۴۔ العصروالجيل، الانسان فی تيارالازمات، نحوالجنة المفقودة، الصفحة الذهبية للزمن، أنفاس الربيع اورعندمانقيم معبدروحنا.

یہ پانچوں کتابیں آپ کے ان مضامین کا مجموعہ ہیں جو سالہا سال تک بعض ماہانہ اور سہ ماہی رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

۵۔ النورالخالد: محمد ﷺ مفخرة الانسانية (۲ جلدیں) یہ کتاب خاتم الانبیاء رحمت للعالمین حضرت محمد ﷺ کی سیرتِ مطہرہ پر آپ کے بیانات کا مجموعہ ہے۔

۶۔ فی ظلال الايمان (۲ جلدیں) یہ کتاب ایمانی حقائق کے بارے میں ناقابل تردید دلائل کا مجموعہ ہے۔

۷۔ تلال القلب الزمردية: اس کتاب میں سرچشمۂ اسلام سے پھوٹنے والی روحانی زندگی اور تصوف کی درست اصطلاحات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

۸۔ براعم الحقيقة فی جيل الألوان (۲ جلدیں) یہ آپ کے اشعار اور مقالات کا مجموعہ ہے۔

۹۔ تأملات فی سورة الفاتحة: یہ ان لیکچرز کا مجموعہ ہے، جو آپ نے علوم شرعیہ کے طلبہ کو دیئے تھے۔

Marfat.com

۱۰۔ المنشور(۲ جلدیں) یہ مختلف مواقع پر آپ سے پوچھے گئے سوالات کے جوابات اور مختلف مجالس کے دوران بیان کردہ احادیث کا مجموعہ ہے۔

۱۱۔ الجهاد أواعلاء كلمة الله: اس کتاب میں دورِ حاضر میں جہاد کے موضوع کے علمی و نظری پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۲۔ الحياة بعد الممات: اس کتاب میں اخروی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی گئی ہے۔

۱۳۔ القدر في ضوء الكتاب والسنة: اس کتاب میں مسئلہ تقدیر کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی گئی ہے۔

۱۴۔ محور الارشاد: اس کتاب میں دورِ حاضر میں فعال اور سرگرم طریقے سے دعوت و تبلیغ کے کام کو سرانجام دینے کے طریق کار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۵۔ البعد الميتافيزيقي للوجود(۲ جلدیں) اس کتاب میں علمی، عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ وجود کی حقیقت اور روح، جنات اور فرشتوں کی ماہیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۶۔ ريشة العازف المكسورة: یہ آپ کے اشعار کا مجموعہ ہے۔

آپ کی مذکورہ بالا تمام کتابیں ترکی میں ستر ستر ہزار کی تعداد میں شائع ہو چکی ہیں، نیز آپ کی بعض کتابوں کا دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ کیا جا چکا ہے۔

آپ کی درج ذیل کتب کو انگریزی زبان کے قالب میں ڈھالا جا چکا ہے:

النورالخالد، في ظلال الايمان، الحياة بعد الممات، الأسئلة الحائرة التي أفرزها العصر کی پہلی جلد، براعم الحقيقة کی پہلی جلد، الموازين کی پہلی جلد، تلال القلب الزمردية اور نحو الجنة المفقودة.

درج ذیل کتب کا جرمن زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے:

النورالخالد، في ظلال الايمان، الحياة بعد الممات، الموازين، الأسئلة الحائرة اور نحو الجنة المفقودة. ان میں سے ہر ایک کی صرف پہلی جلد کا ترجمہ ہوا ہے۔

Marfat.com

آپ کی کتاب فی ظلال الایمان کا ترجمہ بلغاروی زبان میں، آپ کے دیوان ریشة العازف المکسورة اور الأسئلة التی أفرزها العصر کے منتخب حصوں کا جاپانی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے، نیز آپ کی کتاب الأسئلة الحائرة کے پہلے حصے کا ترجمہ روسی زبان میں بھی ہو چکا ہے۔

درج ذیل کتب کا عربی میں ترجمہ ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے:

۱۔ القدر فی ضوء الکتاب والسنة

۲۔ الموازین أو أضواء علی الطریق

۳۔ مختارات من کتاب الأسئلة الحائرة التی أفرزها العصر

۴۔ الجهاد أو اعلاء کلمة الله.

جیسے جیسے ممکن ہو گا ان شاء اللہ آپ کی بقیہ کتب کو بھی عربی زبان کے قالب میں ڈھالا جاتا رہے گا۔

اردو زبان میں درج ذیل کتابیں ترجمہ ہو چکی ہیں:

۱۔ تقدیر کتاب و سنت کی روشنی میں

۲۔ المیزان یا چراغِ راہ

۳۔ روح جہاد اور اس کی حقیقت

۴۔ اسالیب دعوت اور مبلّغ کے اوصاف

۵۔ اضواءِ قرآن در فلکِ وجدان

۶۔ تخلیق کی حقیقت اور نظریۂ ارتقا

۷۔ نور سرمدی، فخر انسانیت حضرت محمد ﷺ (دو جلدیں)

۸۔ تعمیر شخصیت

Marfat.com

۹۔ ملاحظات فاتحہ

۱۰۔ جنت گمشدہ کی طرف

۱۱۔ اسلام کے بنیادی ارکان

۱۲۔ اسلام اور دورِ حاضر: جدید ذہنوں میں پیدا ہونے والے سوالات کے جوابات

۱۳۔ روح کے نغمے اور دل کے غم

آپ کی بقیہ کتب کا اردو ترجمہ بھی ان شاء اللہ جلد شائع ہو جائے گا۔

استاد فتح اللہ گولن کے بارے میں دیگر معلومات تقریباً 25 ویب سائٹس پر موجود ہیں۔ مندرجہ ذیل ویب سائٹس کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے:

English:http://:en.fgulen.com

Urdu:http://pk.fgulen.com

Arabic:http://ar.fgulen.com

Marfat.com

دل کی حکومت

زمانہ قدیم سے لے کر آج تک اس وسیع و عریض دنیا کے مختلف علاقوں میں مختلف اقوام نے ایک دوسرے پر حکمرانی کی ہے، جس کی وجہ سے بعض اوقات طاقت کا توازن برقرار رکھا جاتا رہا ہے اور یہ بات قابل تعجب نہیں ہونی چاہیے کہ ہم ان جیسی دوسری اقوام کو دنیا کے بارے میں اپنے نئے نقطہ نظر اور اپنی تہذیب کی نئی دلکشیوں کے ساتھ اپنی ثقافت کے نئے لبادے میں دیکھ رہے ہیں۔

روم، مصر، یونان، چین، ہندوستان اور ترکستان نے (مختلف تہذیبوں کا گہوارہ ہونے کی حیثیت سے) اس ہم آہنگ کپڑے کے نقش و نگار پر اپنے اپنے اثرات چھوڑے ہیں۔ اسلام نے مختلف براعظموں میں صدیوں تک طاقت کے توازن کو برقرار رکھنے میں جو گہرا اور منفرد کردار کیا ہے، اس کی اپنی خصوصیات ہیں۔

تاریخ میں جن عظمتوں اور رفعتوں کا ذکر ملتا ہے، وہ ایک ہی دور میں یکبارگی نہیں حاصل ہوئیں، بلکہ زمین کے جغرافیے کی طرح تاریخ میں بھی چوٹیوں اور بلندیوں کے ساتھ ساتھ میدان، نشیب اور ساحل اور بلند و بالا پہاڑوں کے پہلوؤں میں گہری کھائیاں پائی جاتی رہی ہیں۔

جو لوگ کسی خاص دور میں تاریخ کے اسٹیج پر نمودار ہوئے، وہ ایک ایک کر کے منتشر اور فنا ہو گئے اور پھر تاریخ کے دائمی چکر میں ان کے بعد آنے والے آئے۔ زمانہ اپنے دھارے میں بہتے ہوئے ایک گروہ کو ترقی کے پھولوں کا گلدستہ پیش کرتا ہے تو کسی دوسرے گروہ کے زوال پر مہر ثبت کرتا ہے۔ بعض اقوام ایک بلندی کے بعد دوسری بلندی حاصل کر لیتی ہیں، جبکہ بعض اقوام کسی گڑھے میں اپنا سر دے کر اسے روندھے جانے سے بچانے میں بھی ناکام ہو جاتی ہیں، حالانکہ وہ ساری اقوام ایک ہی دور میں رہ رہی ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح سائنس و ٹیکنالوجی کے جس دور میں ہم رہ رہے ہیں، وہ سارے معاشروں کے لیے نور اور روشنی کا دور نہیں ہے، اسی طرح قرونِ وسطیٰ کو بھی ساری اقوام کے لیے تاریک دور نہیں کہا جا سکتا۔

Marfat.com

تاریخ کا ہمیشہ گھومنے والا پہیہ ایک ہی ڈگر اور ایک جیسے معیاروں پر باربار گھومنے سے کبھی نہیں تھکا۔ مختلف مقامات اور مختلف ادوار میں ترقیاں ہوتی رہیں، لیکن کسی بھی براعظم یادور میں کلی طور پر ترقی یا پستی دیکھنے میں نہیں آئی۔ آج بھی یہی صورتحال قائم ہے۔ اکیسویں صدی کی دہلیز پر بعض اقوام زمانے سے مسابقت کررہی ہیں اور دوسروں سے حیرت انگیز حد تک آگے نکل چکی ہیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ ان کا ایک قدم چاند پر پڑتا ہے تو دوسرا کسی دوسرے سیارے پر، جبکہ بعض دوسرے ممالک کی کوششیں رائیگاں چلی گئیں، ان کا ستارہ مسلسل گردش میں ہے اور وہ ایک ہزار سال سے موروثی بدویت اور شقاوت کا شکار ہیں اور مستقبل میں بھی ان کی حالت کے سنورنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ دنیا میں تہذیب کا کتنا ہی دور دورہ ہو جائے اور ٹیکنالوجی کتنی ہی ترقی کرلے زمین کے بعض گوشے بعض اعلیٰ دماغوں کے وہاں منتقل ہونے کی وجہ سے ترقی کریں گے اور بعض اعلیٰ دماغوں کے وہاں سے فرار ہونے کی وجہ سے پستی کا شکار رہیں گے۔ زمین کے بعض حصے بین الاقوامی امور میں مرکزی کردار ادا اور انسانیت کے ہر معاملے میں مداخلت کرتے ہیں اور بعض دوسرے حصوں کو اپنے معاملات میں مداخلت کا سامنا کرنا پڑے گا اور وہ حیران وسرگرداں پھرتے رہیں گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر تباہ کن آندھیاں نہ چلیں اور اب تک حاصل کی گئی کامیابیاں کسی وجہ سے سبوتاژ نہ ہوئیں تو آنے والی تیسری میلینیم میں دورِ حاضر کے مسلمانوں اور خصوصاً ان کی نوجوان نسلوں کے افکار کو استحکام نصیب ہو گا، کیونکہ مابعد الطبیعات پر یقین رکھنے والی اور صدیوں سے پہنچنے والے ظلم واستبداد اور دھوکے سے بدلہ لینے کی بھرپور صلاحیت کی حامل اور اپنی منزل کی طرف گامزن آج کی نسلیں ابھی سے تیسری میلینیم کے آغاز میں تمام معاشرتی طبقات اور ادوار میں رونما ہونے والی بنیادی تبدیلیوں کا مژدہ سنا رہی ہیں۔ جب موسم آئے گا تو ایمان، عزم، ثابت قدمی، حقیقت سے عشق اور منظم فکر کے ثمرات ظاہر ہوں گے۔ (ہر قوت کی توانائی اس کی اپنی ذات میں ہی پنہاں ہوتی ہے۔) اس کے نتیجے میں ہمیں زندگی کی تمام اکائیوں سے وابستہ حیات بعد الممات نصیب ہو گی۔

معاصر انسانی فکر، اس کا ثقافتی مقام، انسانی گہرائی اور مابعد الطبیعاتی وسعت دورِ حاضر پر اور کسی حد تک مستقبل پر انسانی تاریخ جتنے قدیم اور اسی قدر روشن اور مبارک احیائے نو کے

Marfat.com

اثرات مرتب کرے گا۔اکیسویں صدی کی دہلیز پر پہنچ چکنے کے باوجود زمانہ مسلسل قلق واضطراب، زوال اور پستی کا شکار ہے، تاہم حالات نے جہاں بعض لوگوں کو شکستہ دل اور مایوس بنایاہے،وہیں تاریکیوں کے سامنے ہتھیار نہ ڈالنے والوں میں ان کے ضمیر کی آزادی اور فکری پاکیزگی کی بقدر ملی غیرت اوراخلاص کے جذبات بیدار کیے ہے۔چونکہ حالات نے انہیں بیدار کر دیاہے، اس لیے وہ اس میں فراست جیسی بہت سے اچھی صلاحیتوں کی پختگی کا ذریعہ بن گئے ہیں، خاص طور پر تیسری دنیا میں پے در پے اٹھنے والی احیائی تحریکوں پر ان حالات کے گہرے اثرات رونما ہوئے ہیں۔ شیطانی دور جو مفاسد کا اس قدر گہوارہ بن چکاہے کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے، امت مسلمہ اور اس جیسی دوسری اقوام کی عمودی ترقی، بیداری اور نشاۃ ثانیہ کے آفاق کی طرف سفر کا آغاز ثابت ہوا ہے۔

آج کرنے کا کام یہ ہے کہ ہم وقت ضائع کیے بغیر اپنی ذمہ داری اور اپنی شخصیت کا سنجیدگی کے ساتھ ادراک کرتے ہوئے بین الاقوامی توازن میں اپنا مناسب مقام پیدا کرنے کے لیے تیزی سے اقدامات کریں۔اگر ہم نے اس ہدف کے تعین میں کسی پس وپیش سے کام لیا تو ہم نہ صرف اپنے مستقبل کو روشن بنانے میں ناکام رہیں گے، بلکہ ہماری ترقی اور پیش رفت بھی رک جائے گی۔ آج ہمارے پاس دو ہی انتخاب ہیں: پر عزم انداز میں احیائے نو کے لیے بھرپور جدوجہد کریں یا راحت کوشی اور آرام طلبی کا مظاہرہ کر کے دائمی موت کو گلے لگالیں۔

قرآنِ کریم ہمارے وجود اور عدم کے مسئلے کو بار بار پیش کر کے ہماری شخصیت کی تجدید اور ہماری ذات کی تروتازگی کی حفاظت کرتا ہے:﴿إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ﴾ (ابراہیم: ۱۹-۱۸؛ فاطر:۱۷-۱۶)"اگر وہ چاہے تو تم کو نیست و نابود کردے اور تمہاری جگہ نئی مخلوق پیدا کردے۔"﴿وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ﴾ (محمد: ۳۸) "اور اگر تم پھر جاؤ گے تو وہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا پھر وہ تمہاری طرح کے نہیں ہوں گے۔"ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات نازل ہوئیں۔ہم اپنے مقصد کی ادائیگی کے لیے بطور نمونے کے اسی قدر آیات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

Marfat.com

اس بات کا قوی احتمال موجود ہے کہ گزشتہ آیات مبارکہ میں جس تبدیلی یا فنا کا ذکر ہے، اس سے تیسری دنیا کے وہ مردہ دل باشندے مراد ہوں، جنہوں نے اپنی ذات کی تجدید نہیں کی، جو اپنی تروتازگی کی حفاظت میں ناکام رہے اور جنہوں نے اپنے ایمان کے حق میں کوتاہی کی، جس کے نتیجے میں ان کا باطن سیاہ ہو گیا (گو ان کا ایمان باللہ محفوظ رہا)، جبکہ ان کے بعد آنے والوں کے بارے میں احتمال ہے کہ ان سے وہ نسل نو اور قدسیوں کا لشکر مراد ہو، جنہوں نے غمزدہ اور مغموم لوگوں کی دنیا میں تیاری اور مابعد الطبیعاتی تناؤ کی تکمیل کی اور ذلیل اور بے وقعت سمجھے جانے والے معاصر انسان کو اعلیٰ ترین اقدار کی بلندیوں تک لے جانے کے لیے نامزد ہوئے۔

اہل مغرب آج تک اپنی دینی اقدار اور حضرت مسیح علیہ السلام کی وصیتوں کو نظر انداز کرتے رہے ہیں، کیونکہ انہوں نے مختلف براعظموں میں جنگ کی آگ بھڑکائی اور وہ جہاں بھی گئے انہوں نے غلامی اور استحصال کو فروغ دے کر اور دنیا کو روسیاہی کا تحفہ دیا۔ آج مغربی دنیا اس روحانی عمارت کے ملبے تلے سسک رہی ہے، جسے اس نے خود اپنے ہاتھوں سے مسمار کیا اور لوگوں کے دلوں سے اس کی اہمیت نکالی۔ آج مغرب ہر جگہ عقل سلیم اور آزاد فکر کے سامنے حیرت واستعجاب کی تصویر بنا ہوا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر تکلیف دہ بات یہ ہے کہ وہ بے بسی اور شکست خوردگی کا شکار ہے اور رائے عامہ کے متوقع ردِ عمل کے تصور سے کانپ رہا ہے، کیونکہ اسے یقینی طور پر خرابی کا علم ہے اور نہ ہی اس کے حل کا، لیکن وہ اپنے گریبان میں جھانکنے کی بجائے انسانیت کو عیش پرستی، حماقت اور جسمانی لذتوں کے پیچھے دوڑنے کا راستہ دکھاتا اور اسے ایسا کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

مغربی دنیا سائنس و ٹیکنالوجی کی کامیابیوں کے ذریعے اپنے آپ کو قائل کرنے اور راحت اور ثروت کے ذریعے اپنی پریشانیوں کو دور کرنے کی کوشش کر رہی ہے، لیکن حق بات تو یہ ہے کہ اسے پائیدار خوشی و مسرت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی وہ انسان کے ابدی میلانات کو اپیل کرتی ہے، اسی لیے وہ جس بات کو بھی دوا اور علاج کے طور پر استعمال کرتی ہے، وہ انسانی امید کے افق کو مزید تاریک بنا کر اس کے روحانی افلاس میں مزید اضافہ کرتی ہے۔

ہمیں اُس دنیا کو خیر آباد کہنا ہو گا، جو غلط نقطہ آغاز کے نتیجے میں معاشرتی زندگی میں پیدا ہونے والے خلا اور بگاڑ کے عوض حاصل ہونے والی سائنس و ٹیکنالوجی پر اِترا رہی ہے،

Marfat.com

لذتوں اور خواہشوں میں منہمک ہو کر غفلت کا شکار ہے، اپنے دل میں کسی قسم کی روحانیت اور معنویت پیدا کیے بغیر دور فضا میں گھور رہی ہے اور ناموزوں جگہوں میں اپنی متاع گم گشتہ کی تلاش میں اپنی عمر ضائع کر رہی ہے۔ گزشتہ دو نسلوں سے ہم ماضی کی بہ نسبت تیز رفتاری اور بہتر انداز سے اپنی ذات کی طرف لوٹنے کی خوشی کی گرمائش محسوس کر رہے ہیں۔ معاصر انسان جو ابھی تک مادے اور ٹیکنالوجی سے مدد حاصل کرنے اور ہر چیز کو جسمانی معیاروں پر پرکھنے کا عادی رہا ہے، وہ ان توہمات کے مسلسل تھپیڑوں کی وجہ سے کسی حد تک بیدار ہو گیا ہے، جنہوں نے اسے گزشتہ دو صدیوں سے بے دام غلام بنا رکھا تھا۔ اسے اس بات کا احساس ہونے لگا ہے کہ تاریخی انقلابات کے دوران اسے بھینٹ چڑھایا گیا ہے اور اسے اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ زمینی حقائق اور اس کی شخصیت کے درمیان پائے جانے والے وسیع خلا کو ہمت، اخلاص، آنسوؤں، خود احتسابی کے شعور اور عزم و توکل اور ثابت قدمی کے توشے کے ساتھ راستے پر چل پڑنے کے ذریعے پُر کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ "السیاحة یارسول اللہ ﷺ" (۱) کہنے کے بعد گو راستے ختم اور مسدود ہو جائیں سفر کبھی ختم نہ ہو گا۔ اب اس کی منزل ابد الآباد ہے اور اپنے ایمان کی از سر نو دریافت، اپنے وجدان میں اس کا احساس، بندگی کے ذریعے اپنے ارادے کی تربیت، اچھے رجحانات کے لیے دائمی آمادگی، مقام احسان کے شعور میں روز بروز گہرائی پیدا کر کے اللہ کے حضور پیشی کا احساس، اخروی امور کے ساتھ دائمی ارتباط اور وسیع مابعد الطبیعاتی آفاق کی حامل شخصیت اس سفر میں اس کی روحانی طاقت کا ناگزیر سرچشمہ ہے۔

اگر ہم اس قسم کے روحانی سرمایے کا توشہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وقت آنے پر موسم بہار کے جلو میں عبادت کے کیف و سرور کے ساتھ ساری روئے زمین پر پھیلائے گئے بیجوں میں یقیناً زندگی پیدا ہو جائے گی اور متعدد بہاریں یکبارگی طور پر غمزدہ معاشرے میں نئی زندگی پیدا کر دیں گی۔

نسل نو کی شخصیت سازی میں سب سے مفید بات اس میں منظم انداز سے سوچنے کا عزم پیدا کر کے اور انفس و آفاق کا ایک کھلی کتاب کی طرح مطالعہ کرنے کی تربیت کے ذریعے ان کے دلوں میں ایمان، علم، پرکھنے اور غور و فکر کا شوق پیدا کر کے ان کے لیے کائنات اور

Marfat.com

اپنی اندرونی دنیاؤں کے درمیان آمدورفت کو آسان بنانا ہے۔ عنقریب اس بات کو "تشکیل جدید" کے پیغام جتنی اہمیت حاصل ہو جائے گی کہ ہم تمام سمعی، بصری اور لسانی وسائل کو بروئے کار لاکر اوپر ذکر کردہ نکات کو ان کے دل ودماغ میں جاگزیں کریں، انہیں جسم اور بدن کی تنگ قید سے نکال کر کشادہ اور وسیع تر عالموں تک پہنچنے میں ان کی مدد کریں، ان کی روحوں کو گدلاہٹ اور قساوت سے پاک کریں اور ان کے انسانی آفاق سے ماورا جانے کے مشتاق دلوں میں انتہائی محترم اور حسین انسانی آرزوئیں پیدا کریں۔ یہ بالکل واضح حقیقت ہے کہ جو روحیں ایمان، معرفت اور محبت کے ذریعے صفائے باطن حاصل کر کے اپنا بوجھ کم نہیں کرتیں وہ کبھی بھی آفاق سے پرے واقع آسمان کی بلندیوں میں پرواز نہیں کر سکتیں، بلکہ ایسی گرسنہ روحیں ہمیشہ دنیوی خواہشوں میں ملوث رہتی ہیں، جس کے نتیجے میں ان کے دل بغض اور کینے سے بھر جاتے ہیں، ان کے نفوس ان کے روحانی نظام پر حاوی ہو جاتے ہیں اور وہ جسم کے بے دام غلام بن کر کھانے، پینے، سونے اور نشست وبرخواست سے زیادہ کچھ نہیں کر پاتے۔

محبت وہ منفرد حقیقت ہے، جو ایمان، معرفت اور تعلق مع اللہ انسانی روح کو عطا کرتے ہیں، جبکہ بغض، نفرت اور خواہشات انسان کو اس سے محروم کر دیتی ہیں۔ ایمان، معرفت اور محبت کے حقائق انسان اور کائنات میں ہم آہنگی پیدا کرتے اور اسے کثرت کے عذاب اور آلام سے بچاتے ہیں، چنانچہ وہ اس کے باطن میں پائی جانے والی وحدت اور وحشت کو معیتِ الٰہیہ کی اکسیر میں تحلیل کر کے اسے ایسی زندگی کی شراب پیش کرتے ہیں، جس کے جام وہ مزے لے لے کر لُٹاتا ہے۔

اس تیاری اور توشے کی حامل مستقبل کی طرف گامزن نسلیں تمام بنی نوعِ انسان کو اعلیٰ ترین انسانی اقدار تک پہنچانے کے لیے کسی قسم کی کمائی یا منافع کے محرک کی بجائے محض گہری محبت اور وسیع شوق کے جذبات سے سرشار ہو کر چار دانگِ عالم میں ہجرت کی نیت سے پھیل جائیں گی، وہ شہرت اور خوشیوں کے دروازوں کو مضبوطی سے بند کر کے مشکل ترین حالات کا سامنا کریں گی اور بوجھل ترین کاموں کا بیڑہ اٹھائیں گی، لیکن پھر پیچھے دیکھے اور کسی تعریف کی پرواہ کیے بغیر اگلی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گی۔ ایسے لوگ جہاں بھی جاتے ہیں، وہاں احترام اور اپنے کاموں میں جھلکنے والی خشیتِ الٰہیہ کے رنگ میں ہر آنکھ اور دل کو رنگ دیتے ہیں، گو انہوں

Marfat.com

نے دین کے بارے میں ایک بات بھی نہ کہی ہو اور دینداری سے متعلق ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا ہو۔ جو لوگ بھی ان سے ملیں گے اور ان کے زیر سایہ تربیت پائیں گے وہ قصیر البعد اور اضافی مادی حقائق کی بجائے ''حقیقت'' کے وسیع آفاق سے روشناس ہوں گے، جس کے نتیجے میں وہ اس دنیا میں ناقابلِ تصور وسعت تک پہنچ کر ناقابلِ بیان اقتدار حاصل کر لیں گے۔

Marfat.com

اسلامی تہذیب

جن منصوبوں اور خاکوں کی مدد سے امّتِ مسلمہ مستقبل کی طرف بڑھے گی اور اِس سفر میں جن مراحل سے گزرے گی ہمیں ان سے ضرور واقفیت ہونی چاہیے۔ ماضی قریب میں ہمارے معاشرے کو ایسے المناک حادثات سے دوچار ہونا پڑا، جنہوں نے ہماری بنیادوں کو ہلا کے رکھ دیا اور ہماری آنکھ کہر آلود اور قیامت خیز حالات میں کھلی، فطری طور پر ایسے کہر آلود حالات کی کثافت اور زلزلوں کے دور میں یہ بات انتہائی مشکل تھی کہ امّتِ مسلمہ نشاۃ ثانیہ کے مقصود کو واضح طور پر دیکھ پاتی اور منزل تک پہنچانے والے درست اور مختصر ترین راستے کا انتخاب کر سکتی، بلکہ داخلی وخارجی حالات کے پیشِ نظر ایسا ہونا شاید محال تھا، لیکن اس کے مشکل اور محال ہونے کے باوجود انہی مشکل حالات میں اس معاشرے کی نشاۃ ثانیہ کا خواب حیرت انگیز طور پر شرمندہ تعبیر ہوا اور وہ اپنی ہر خصوصیت کے منہدم ہونے اور لُوٹے اور استعماری شکنجے میں جکڑے جانے کے بعد بھی اپنی ذاتی اقدار کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یہ سب کچھ معجزانہ طور پر پیش آیا، کیونکہ انفرادی شعور کی بنیادیں متزلزل تھیں، قوم ہولناک اور دل دہلا دینے والی مشکلات میں گھری ہوئی تھی اور انسانی معاشروں کی پیٹھ ایسے خوفناک مصائب کی وجہ سے ٹوٹ چکی تھی، جن کی مثال دنیا کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔

اجتماعی ضمیر اس گہری کہر اور دھوئیں میں اپنی تکمیل نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ایک دوسرے سے کٹے ہوئے ایسے افراد کا مجموعہ تھا، جو نانِ جویں اور سر چھپانے کی جگہ کے حصول کے محرک کے تحت مستقبل تک پہنچنے کے لیے جدوجہد کرتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں وہ اپنے مقصدِ زیست اور اپنی ان اعلیٰ اقدار سے غافل ہو کر اپنی جگہ پر آرام سے ٹھہرے رہنے کو ترقی اور پیش رفت سمجھے بیٹھے تھے، جو اس بات کی حقدار تھیں کہ ان کی خاطر موت کو بھی بخوشی گلے لگا لیا جاتا۔ افکار منتشر، حوصلے پست، ہمتیں شکستہ، آفاق تاریک اور دل ویران ہو چکے تھے، لیکن ان تمام حوصلہ شکن حالات کے باوجود معاشرہ ہر روز ایک نیا خواب دیکھتا، امیدوں سے اپنے آپ کو تسلی دیتا اور ہر روز بے فائدہ طور پر ایک نیا منصوبہ بناتا۔

Marfat.com

لیکن اس کے ارادے خواب میں بولنے والے کی باتوں کی طرح ہوتے اور اس کے محدود دائرہ کار کے حامل منصوبوں کو ایسے منحوس دور کا سامنا کرنا پڑا، جس میں اس پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور روحانی پستی کے عوامل یکے بعد دیگرے پیش آنے لگے۔ ابتدا میں یوں لگتا تھا جیسے یہ سب کچھ بے وقعت افکار، تحریف شدہ عقائد اور مردہ ضمیروں کے خلاف ردِ عمل ہے، پھر اس کے بعد باشعور اور سمجھ بوجھ رکھنے والی تحریکوں اور مستحکم حرکتِ عمل (Dynamism) کا آغاز ہوا۔ اس آغاز کو امّتِ مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کی حقیقی ولادت تصور کیا جاسکتا ہے۔ ماضی کی طرح حال میں بھی اس کے مدمقابل ایسے لوگوں کا پایا جانا ناگزیر ہے، جو اِن شعوری تحریکوں اور روحانی احیائے نو سے حاصل ہونے والی قوت کو دبانا اور انہیں اپنی مرضی ومنشا کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں، تاہم انسانی معاشرے اپنی ذات اور اپنے باطنی محرکات کا ادراک کرلینے کے بعد لُوٹے اور استحصال کیے جانے کے لیے تیار نہیں۔

لغزشوں اور ٹھوکروں کے ساتھ ساتھ اس احیائے نو کا سلسلہ جاری ہے، جسے معاشرہ اپنے باطن، دل اور روح کی گہرائیوں میں محسوس کرتا ہے۔ آج نہیں تو کل ساری انسانیت ایک نئے وجود کو پالے گی۔ یہ درست ہے کہ قدیم کہر اور دھوئیں جیسی رکاوٹیں معاشرے کے درست شعور اور صحیح نقطہ نظر کے راستے میں اب بھی حائل ہیں، لیکن کہر اور دھوئیں کی کثافت اور تاریکی اتنی گہری نہیں جتنی کہ ماضی میں تھی۔ کچھ ہمت کا مظاہرہ اور جدوجہد کرنے پر دل اس قابل ہوگئے کہ وہ اپنے ملی سرچشموں سے سیراب ہوسکیں اور اپنے تہذیبی تصورات پر غوروفکر اور ان کی تمنا کرسکیں۔

ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اس تہذیب کے تصورات کا دائرہ کار متعین کریں، اس کی حقیقت پر نظرثانی کریں اور اپنے ماضی کی حقیقت اور روح، اپنے حاضر کی توہّمیّت اور اپنے مستقبل کی حکمت عملیوں سے واقف ہوں، نیز اپنی اصالت اور شخصیت کو محفوظ رکھتے ہوئے عصرِ حاضر کی آواز کو پہچانیں اور عصری حکمت عملیوں اور توجیہات کو بھی اپنی صفوں میں شامل کریں۔ بلاشبہ یہ بہت مشکل کام ہے، لیکن جب ہم نے اس راستے پر قدم رکھ دیا تو ان شاء اللہ تائید خداوندی سے اس بوجھ کو اٹھالیں گے۔

انتھروپولوجی (Anthropology) کے نقطہ نظر اور فکری مسلمات، تصورات اور فلسفوں کی رو سے انسانی زندگی میں نظم وضبط پیدا کرنے والے نظاموں، قوم کے فکری،

Marfat.com

اعتقادی اور فنی تصورات اور کسی قوم کے مادی اور روحانی وجود کے خصوصی اوصاف جنہیں ہم تہذیب کا نام بھی دے سکتے ہیں، کے مفہوم کی توجیہہ میں بہت تنوع پایا جاتا ہے۔ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ درست تصور اس نوعیت اور طرزِ زندگی سے عبارت نہیں، جو استعماری دور میں نو آبادکاروں کی طرف سے ہم میں منتقل ہوا، جس کے پیچھے ہم سالہا سال تک بے سود دوڑ رہے ہیں اور جس کی خاطر ہم اپنی بہت سی ذاتی اقدار سے دستبردار ہو گئے ہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو غیر ملکی قبضے اور استحصال کے خلاف کی جانے والی عظیم جدوجہد اپنی ساری معنویت کھو بیٹھتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جدوجہد کا مقصد کامل آزادی تھا۔ اگر ہم اپنی شخصیت کی تعمیرِ نو کا ارادہ رکھتے ہیں اور ہمیں اپنے تہذیبی طرزِ زندگی کی جستجو ہے تو ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی تہذیب میں در آنے والے ان اجنبی افکار اور تصورات سے نجات حاصل کریں، جن کا مقصد ہماری روحانی اور معنوی جڑیں کاٹنا ہے اور ہم لازمی طور پر ایسے راستے پر چلیں، جو اپنی ذاتی فکر، ذاتی اعتقادی نظام اور ذاتی فلسفہ حیات کو اپنے مخصوص ملی انداز کے مطابق مزین کرنے میں ہماری مدد کرے۔ نیز ضروری ہے کہ ہم انتھروپولوجی کے جدید تجزیوں سے دور رہتے ہوئے حتی الوسع تمام جائز وسائل کو بروئے کار لا کر اپنی ملی فکر کی روشنی میں طے ہونے والے عظیم مقصد کو پانے کے لیے جغرافیائی اور عمرانی عوامل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے موجودہ بدامنی اور تباہی سے نجات دلانے والے متبادل حل تلاش کریں۔

اگر تہذیب ایسے تمام مادی اور روحانی حالات کا عنوان اور سرچشمہ ہے، جو معاشرے کے ہر فرد بچے، جوان، بوڑھے اور عمر رسیدہ شخص کے لیے زندگی کے ہر موڑ پر اور ارتقا کے ہر مرحلے میں اپنی تمناؤں کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے ناگزیر ہے تو میری رائے میں صحیح تر بات یہ ہو گی کہ ہم اپنے مسائل پر انتھروپولوجی کے نقطہ نظر کے ساتھ ساتھ عملی نقطہ نظر سے بھی ایسے طور پر دیکھیں کہ بعض اوقات وہ خالص علم انتھروپولوجی کی حدود سے خارج ہو جائیں۔ اس بارے میں غور وفکر کرتے ہوئے معاشرے کے ارتقائی پہلو کو ہرگز نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اگر ہم نے موجودہ صورتحال میں تہذیبی وسائل کے لحاظ سے اپنے سے بہت زیادہ ترقی یافتہ ممالک کی نقالی کی یا ایسی اقوام کے پیچھے چلے، جو وہ مسافت برق رفتاری سے طے کر لیتی ہیں، جو ہم گرتے پڑتے طے کرتے ہیں، جبکہ ہمارے ساتھ منزل تک پہنچنے کے لیے انہی ہدایات

Marfat.com

اور منصوبوں میں دوسرے لوگ بھی شریک ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں مقصد کے حصول میں ناکامی کے تھپیڑوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور ہم شکست وناکامی کے بوجھ تلے دب کر اپنے قدموں پر کھڑے نہ ہو سکیں گے۔

آج ترقی یافتہ کہلانے والے معاشرے ماضی میں ہماری طرح مشکلات اور غربت کا شکار تھے اور ہماری طرح وہ بھی تکلیفیں سہتے تھے، لیکن پھر تحقیق کے شوق، علم کے عشق اور کام کی لگن کی بدولت ان کے ہاں نشاۃ ثانیہ کے دور کا آغاز ہوا اور کامیابی کے حصول کے بعد عزم کی بلندی، شوق کی شدّت اور مکافاتِ عمل نے اس کامیابی کو چار چاند لگا دیئے، جس کے نتیجے میں معاشرہ ذہانت وفراست کی پنیریوں کی دیکھ بھال کرنے والی نرسریوں میں تبدیل ہو گیا، چنانچہ ایجادات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اسٹیم انجن ایجاد ہوئے، ٹیکسٹائل ملز تعمیر ہوئیں، تحقیقاتی تجربہ گاہیں وجود میں آئیں اور چھاپہ خانے بنے اور وہ کچھ ہی عرصے میں سائنس اور الیکٹرانک دماغوں کے دور میں پہنچ گئے۔

اس دور میں علم دوست حضرات نے ایجادات، دریافتوں اور عملی تحقیقات کی خوب قدردانی کی اور اس طرح وہ ہر جگہ اعلیٰ ترین صلاحیتوں کے فروغ کا ذریعہ بن گئے، تاکہ انہیں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا موقع مل سکے۔ اس دور میں یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ساری روئے زمین نابغہ روزگار دماغوں کی انتھک محنت کے عجائبات کا مظہر ہے۔

جس طرح عالم اسلام کے علماء نے ایسے ہی معاشرے اور ماحول میں ابن سینا، فارابی، خوارزمی، رازی اور زہراوی وغیرہ کی پیروی کی اسی طرح اہل مغرب نے بھی اپنی موروثی کامیابیوں سے حتی الامکان بہترین طریقے سے استفادہ کیا اور اس طرح وہ گزشتہ چند صدیوں پر اپنے گہرے اثرات چھوڑنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس لیے مغرب کی موجودہ صورتحال کو محض کوپرنیکس، گلیلیو، لیونارڈ، داوینسی، مائیکل انجیلو، دانتے، ایڈیسن، ماکس پلانک اور آئن اسٹائن جیسے لوگوں کی اعلیٰ صلاحیتوں کا نتیجہ سمجھنا غلط ہے۔ ہم ماضی کی سائنسی ترقی اور آج کی علمی اور ٹیکنالوجیکل اُٹھان کو صرف ان جیسے چند افراد کی طرف

Marfat.com

منسوب نہیں کرسکتے، ورنہ ہمیں تناسبِ علیت کے قاعدے کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے پیدا ہونے والی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ماضی اور حاضر میں محیر العقول کامیابی اور بین الاقوامی سطح کی بڑی بڑی ایجادات انفرادی عبقریت، عبقریت کو جنم دینے والے معاشرتی ڈھانچے، دریافت کی حوصلہ افزائی کرنے والے معاشرے اور صلاحیتوں کو پروان چڑھانے والے عمومی ماحول کے ساتھ مربوط ہیں، لہٰذا جب بھی اعلیٰ صلاحیتوں کی ہمت اور جدوجہد کا ذکر آئے گا تو عمومی ماحول اور معاشرے کا ذکر بھی ضرور آئے گا، بلکہ اکثر اوقات اعلیٰ صلاحیتوں اور عبقری شخصیتوں کا اسی قدر ظہور ہوتا ہے، جس قدر عمومی ماحول میں اس کی گنجائش ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف امید رکھنا بالکل فضول ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ کوئی بھی شخص "فطری شریعت" کو تبدیل نہیں کرسکتا۔ جو شخص قوانین فطرت سے ٹکر لیتا ہے وہ آج نہیں تو کل شکست خوردہ ہو کر گر پڑے گا۔ غیر موافق ماحول میں عبقریت کو ایسے ہی دیمک لگ جاتی ہے، جیسے ہوا، پانی اور زرخیزی سے محروم زمین میں بویا جانے والا بیج ختم ہو جاتا ہے۔

لہٰذا ہمیں مستقبل کی امیدوں کو اچھے ماحول، علم کے عشق، اولوالعزمی اور تحقیقی اندازِ فکر کے حسین امتزاج میں تلاش کرنا چاہیے۔ جب صالح معاشرے کو علمی عشق میں جوش پیدا کرنے میں کامیابی حاصل ہوگئی اور وہ اولوالعزمی کے ساتھ بلندیوں کو چھونے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تو حساس دل حیرت انگیز قوتِ جاذبہ کے ذریعے اسے اپنی تمام امنگوں میں محسوس کریں گے اور اس کی کماحقہ قدردانی کرتے ہوئے اسے مختلف نظاموں کے تحت عملی طور پر اپنی زندگی میں لائیں گے، جس کے نتیجے میں صالح دائرہ (2) نئے الہاموں، تقاضوں، ترکیبوں اور تجزیوں کے ذریعے ترقی کی راہیں کھولتا ہے، جس کے بعد واقعات کے مناسبِ حال جہدِ مسلسل اور ذاتی نظریے اور بنیادی واساسی حرکتِ عمل (Dynamism) سے ہم آہنگ نظاموں کا ایک تانتا بندھ جاتا ہے۔

لیکن ہم نے ماڈرن ازم اور اسلامی نشاۃ ثانیہ کے نام سے غیروں کے دیئے گئے پُرفریب افکار کو ہمیشہ سینے سے لگائے رکھا، باوجود اس کے کہ زیادہ تر ایسے افکار ہماری بنیادی حرکاتِ عمل (Dynamics) سے میل نہیں کھاتے تھے، جس کے نتیجے میں ہم جدّت اور نشاۃ ثانیہ کو ان کی اصل حرکیات (Dynamics) کے مطابق نہیں سمجھ سکے یا یوں کہیے کہ ہم سے یہ پہلو

Marfat.com

نظر انداز ہوتا رہا،لہذا عالم اسلام کے دیگر معاصر ممالک سے پیچھے رہ جانے اور جدوجہد کے باوجود مطلوبہ نشاۃ ثانیہ کے ہدف کو نہ پاسکنے کا سبب اسلامی ممالک کے جغرافیائی خدوخال، وسائل کی عدم دستیابی یا مسلمانوں کی صلاحیتوں کی کمی نہیں ہے، بلکہ اس کی اصل وجہ جدّت کی حقیقت کو نہ سمجھنا، فکری کوتاہی اور علم کی محبت اور حقیقت کے عشق کی جگہ ظاہر پرستی(3) کالے لینا ہے۔ میرے خیال میں ہم سے قریب واقع جرمنی اور مشرقِ بعید کے عظیم ملک جاپان کی مثال ہمارے بہت سے عیوب سے پردہ اٹھانے کے لیے کافی ہے۔

دوعالمی جنگوں نے جرمنی کو بالکل تباہ وبرباد کر دیا تھا۔ بیسویں صدی کے پہلے نصف میں جرمنی ملبے کا ڈھیر تھا، جہاں ہر طرف اُلّو بول رہے تھے اور محمد عاکف کا درج ذیل شعر اس کی حالت پر پوری طرح صادق آتا تھا:

"شہر برباد، صحراء ویران اور وحشت ناک، دن روزگار سے محروم اور راتیں صبح کے اجالے سے ناآشنا ہیں۔"

لیکن اس کے باوجود اس نے تھوڑے ہی عرصے میں اپنی رکاوٹوں پر قابو پالیا، اپنی حالت کی اصلاح کی، اپنی منتشر قوتوں کو یکجا کیااور اپنے آپ کو دنیا کا ایک مضبوط ملک ثابت کر دکھایا۔ جب ہم نے بیسویں صدی کے اوائل میں جدّت پسندی کے خواب دیکھنے شروع کیے تھے، اس وقت تک جرمنی نے جرمنی کے اتحاد کا نام تک نہ لیا تھا، لیکن اب جبکہ جرمنی اس ساری تباہی کو چیلنج کرنے کے بعد خوابوں کا ملک بن چکا ہے اور ہم جدّت پسندی کے صرف خواب ہی دیکھ رہے ہیں۔ بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ جرمنی اپنے کفن کو دومرتبہ خوبصورت لباس میں تبدیل کرنے میں صرف اس لیے کامیاب ہوا ہے کہ خوش قسمتی سے وہ ایک مغربی ملک ہے، اسی لیے بار بار تباہی کا شکار ہونے کے باوجود وہ اپنے فلسفہ حیات کا احیائے نو کرنے میں کامیاب ہوا ہے، گویا اگر تہذیبی اور دینی لحاظ سے اسے دیگر مغربی ممالک سے قربت حاصل نہ ہوتی تو وہ کبھی بھی دوبارہ اپنے قدموں پر نہ کھڑا ہو سکتا، تاہم اگر جرمنی کے حق میں مذکورہ بالا مفروضوں اور تخمینوں کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو مشرق اقصی میں واقع جاپان کی ترقی کی کیا توجیہہ کی جائے گی، جسے ایک عرصے تک مغربی دنیا کی طرف سے پابندیوں کا سامنا رہا ہے۔

Marfat.com

ہمارے ہاں تجدید کے منصوبے جاپان کی بہ نسبت آدھی صدی پہلے شروع ہوئے۔ جاپان نے تجدید کے راستے پر ہم سے پچاس ساٹھ سال بعد سعی پیہم کا آغاز کیا، لیکن ماضی قریب میں دومرتبہ تباہی کا شکار ہونے کے باوجود اس نے اپنی رکاوٹوں کو دور کیا، بین الاقوامی امور پر اثرانداز ہونے والی عالمی طاقتوں میں اہم مقام حاصل کیا اور آناًفاناً ہم سے آگے نکل گیا۔ آج ہم احیائے نو اور بیداری کے ترانوں سے اپنے آپ کو دلاسا اور تسلی دے رہے ہیں، لیکن جاپانی قوم اپنی نشاۃ ثانیہ کا پھل کھا رہی ہے۔ ہم ڈیڑھ صدی کے بعد بھی مقاصد سے زیادہ وسائل سے متعلق بحث ومباحثہ میں مصروف ہیں، لیکن جاپانیوں نے چالیس سال سے بھی کم عرصے کی قلیل مدّت میں اپنے اور مغرب کے درمیان موجود فاصلے کو ختم کرکے زمانے کے ساتھ برابری کی بنیاد پر معاملات طے کرنے کی قدرت حاصل کرلی ہے۔ آج جاپان اپنی معیشت، سرگرم کردار، بھرپور سرمایہ کاری اور دنیا بھر میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جانے کی وجہ سے ایک عظیم قوت بن چکا ہے، تاہم جاپان مسلسل نئی نئی کامیابیاں حاصل کرنے، اپنی قوم کو روشن مستقبل کی نوید سنانے اور بقیہ دنیا سے "خذماصفا ودع ماکدر" کے اصول کے مطابق استفادہ کرنے کے دوران بہت محتاط اور اپنے قومی تشخص سے مخلص رہا، چنانچہ اس نے اپنے تاریخ کا مذاق اڑایا، نہ اپنی ماضی کو برا بھلا کہا اور نہ ہی اپنے روحانی اور معنوی سرچشموں سے بے گانگی پیدا کی، بلکہ اس نے ہمیشہ اپنی موجودہ پسماندگی اور اپنے بلند مقاصد کے درمیان حائل گہری کھائیوں پر نظر رکھی، اپنی صورتحال کو عقل اور واقعیت پسندی کی کسوٹی پر پرکھا، باہم مربوط منصوبے تشکیل دیئے، اعلیٰ ترین اخلاقی اقدار پر قائم معاشرتی نظام کی مدد سے پسماندگی کی تمام مشکلات پر قابو پانے کے دعوے کو سچ کر دکھایا اور وسائل کی کمی اور ضروریات کی کثرت کی وجہ سے پیدا ہونے والے خلا کو قومی وملی افتخار، انتساب اور اولوالعزمی، منظم اور پرسکون پیش رفت اور سعی وکاوش کی بہتر تنظیم کے ذریعے پُر کیا، چنانچہ جاپانی قوم اپنے ذاتی تشخص کو قائم رکھنے میں کامیاب ہوئی اور وہ ایک ایسی مثالی قوم ثابت ہوئی، جسے تاریخ میں حیرت انگیز کارنامے سرانجام دینے والی قوم کی حیثیت سے یاد رکھا جائے گا۔

ہم نے ماضی قریب میں تہذیب کو اس کی نعمتوں اور فوائد پر استوار کرنے کی کوشش کی ہے، جبکہ جاپان اور دیگر ترقی یافتہ ممالک نے ہر چیز کو تہذیبی فکر، تصورات اور اقدامات پر استوار کیا ہے۔ اب تک ہمیں حاصل ہونے والی ترقی کی قدردانی اور احترام کے باوجود میرے خیال میں دنیا

Marfat.com

کے کامیابی پر کامیابی حاصل کرنے اور ہمارے اپنی جگہ پر ٹھہرے رہنے کا بنیادی سبب یہی منحرفانہ طرزِ فکر ہے۔ ہم تہذیبی آسائشوں اور ان کی تقسیم کے وسائل کے حصول کے آسان اور سستے ذرائع کی دریافت کے لیے جدوجہد کرتے ہیں، لیکن ترقی یافتہ اقوام نے ہر چیز کو انسانی، اخلاقی، تعلیمی اور ثقافتی بنیادوں پر استوار کر کے تیز رفتاری سے ترقی کی، لیکن ہم ایک ہی چیز میں اٹکے رہے، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ان بلندیوں تک جا پہنچے جن تک پہنچنے سے ہم قاصر رہے۔

آیئے! اس موضوع کو ایک دوسرے پہلو سے دیکھتے ہیں۔ کوئی بھی تہذیب اپنے نتائج اور تصورات سے عبارت ہوتی ہے۔ ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ تہذیب کا اہم ترین رکن باصلاحیت انسان ہے، اس کی سب سے زیادہ حیات افروز اور مستحکم بنیاد آزاد اور مستقل ریاست ہے اور اس کا سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ وقت ہے۔ بلاشبہ ترقی یافتہ ممالک نے ان حرکیات (Dynamics) سے نہ صرف بھرپور فائدہ اٹھایا ہے، بلکہ ذمہ داریوں کی تقسیم، اختصاصات کے احترام، انسان کی اہمیت، کامیابی کے صلہ اور اپنی خداداد صلاحیتوں کا درست اندازہ لگانے میں کبھی غفلت نہیں برتی۔ اس کے برعکس جن معاشروں نے اپنی سرگرمیوں کو اچھے طریقے سے منظم نہیں کیا، کاموں اور ذمہ داریوں کو درست طریقے سے تقسیم نہیں کیا، اپنی ظاہری و پوشیدہ دولت کے بھیدوں سے واقفیت حاصل نہ کی، انسان کی حقیقی قدر و منزلت کو نہ سمجھا اور وقت سے بھرپور فائدہ نہ اٹھایا ان کی مثال اس تاجر جیسی ہے، جس کے ہاتھ کوئی انمول خزانہ لگا، لیکن اس نے اس کی ناقدری کرتے ہوئے اسے چند ٹکوں میں فروخت کر دیا۔

جن قوموں نے تاریخ اور دنیا کے نقشے پر اپنی تہذیب کے اثرات چھوڑے انہوں نے قدر پیمائی، تنظیم، ترکیب و تجزیئے کی صلاحیت، مابعد الطبیعات سے آگاہی اور روحانی جوش کے بارے میں اسی طرح کی مستقل مزاجی کا مظاہرہ کر کے جلی حروف میں اپنی تاریخ رقم کی۔ ان اقوام نے ہندوازم سے بدھ مت اور یہودیت سے نصرانیت اور پھر اسلام کی طرف طویل سفر کے دوران مٹی، انسان اور وقت کو ایمان، عشق اور مابعد الطبیعاتی علم کے گہوارے میں محبت جیسی اقدار سے نوازا۔

لیکن حق بات یہ ہے کہ اسلام جدید و قدیم اور مذہبی و غیر مذہبی افکار اور نظاموں سے بہت سے پہلوؤں سے مختلف ہے۔ یہ بات شروع ہی سے مسلّم ہے کہ اسلام کے سوا ہر نظام میں

Marfat.com

ہونے والی تجدیدی کاوشیں مذہب کو حرکیت (Dynamism) کے مرکز سے دور کرنے کا باعث بنی ہیں، لیکن اس کے بالکل برعکس اسلام میں مذہب احیائی تحریک میں اہم ترین کردار ادا کرتا ہے اور مستقل طور پر اس سے باطنی اور روحانی غذا حاصل کر کے ہر کاوش روشن مستقبل کی نوید سنانے والی ہم آہنگی اور پختگی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

دورِ حاضر کا مسلمان سالہا سال سے جب بھی کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ دینی روح کی چنگاری کے بھڑکنے کا منتظر ہوتا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس طرح کے شعلے دور چمک رہے ہیں اور صدیوں سے کمزور اور مرجھائی ہوئی روحوں کو تروتازہ کر رہے ہیں۔ آپ کی خوشی کا اس وقت کیا حال ہو گا جب آپ اُن عظیم ہمتوں کے نتائج کو بالکل واضح طور پر محسوس کریں گے، جن کی آج پوری قدر نہیں کی جاتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ "احیائے نو" کی سنجیدگی سے امیدوں میں تناؤ اور کشیدگی اور ارادوں میں بلندی پیدا ہو گی اور دلوں میں ایمان کے چشمے ابلنے لگیں گے، جس کے نتیجے میں وہ ملی منصوبے یکے بعد دیگرے پایہ تکمیل کو پہنچنے لگیں گے، جن کا ہمیں صدیوں سے انتظار تھا، لیکن ایسا اسی وقت ہو گا جب ہم اپنے راستے میں حائل ہونے والی مصنوعی اور عارضی رکاوٹوں کے سامنے ہتھیار نہ ڈالیں اور اپنے کندھوں پر پڑنے والی ذمہ داریوں کے عوض کسی بھی قسم کے دنیوی یا اخروی صلے کی طرف متوجہ نہ ہوں، بلکہ اپنا مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی کے حصول کو بنائیں۔

جمہوریت اور آزادی کے تصورات نے ترکی کے موجودہ حالات میں بھی قوم کو غفلت کی نیند سے بیدار کر کے اسے تہذیبی ترقی کرنے کے شعور، فکر اور صلاحیت سے بہرہ مند کیا ہے۔ اگر ہم داخلی و خارجی حالات کا سامنا کرتے ہوئے توازن کو اپنی قومی مصالح کے خلاف جھکنے سے روکنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم ان شاء اللہ مستقبل قریب میں دنیا کے سامنے اپنے ذاتی افکار، احساسات، فلسفہ حیات اور تہذیب و ثقافت پیش کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

Marfat.com

ہماری ثقافتی مشکل: شخصیت سازی

شخصیت سازی سے ہماری مراد یہ ہے کہ ہم اپنی تہذیب و ثقافت میں گُندھی ہوئی اپنی باطنی شناخت کو پیش کر کے اسے ہر چیز کا مدار بنا دیں۔ ممکن ہے کہ بعض حلقے ''ذات'' سے ایسے معانی مراد لیتے ہوں، جن کا ہماری امّت کی روحانی و معنوی جڑوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو، مثلاً ثقافتی میلے، وہ سطحی خواہشات جنہیں انسانی معاشرے جسمانیت کے نام پر پورا کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور کھانے پینے، کھیل کود اور خوشی کے مواقع پر اختیار کی جانے والی ظاہری رسوم و رواج، لیکن ہمارے نزدیک ''ذات'' سے ماں کی گود میں ملنے والی پرورش سے لے کر ہماری ملی شخصیت پر اثر انداز ہونے والے ہمارے آباءواجداد کے کردار تک، ہمارے تعلیمی نظام کو ملی روح سے سرشار کرنے سے لے کر تربیت کرنے والوں کے اس روح کو اپنے اندر پوری طرح جذب کر لینے تک، ہمارے باورچی خانوں میں کھانے پکانے کی ترکیبوں سے لے کر کھیت اور باغ میں ہماری سرگرمیوں تک، دستر خوان کے گرد ہمارے اٹھنے بیٹھنے سے لے کر پیشوں میں ہماری کاروباری اخلاقیات تک اور ہماری گفتگو اور تحریر کے اسلوب سے لے کر دوسروں کے ساتھ ہمارے تعلقات تک، ہم جو کچھ محسوس کرتے، اس کے مطابق زندگی گزارتے اور اس کا پرتو اپنے ماحول اور اپنے اردگرد، اپنے ہر راستے، اپنی زندگی کی ہر اکائی پر اور اس کے ہر موڑ اور مرحلے پر ڈالتے ہیں، سب مراد ہے، کیونکہ معاشرے کے ہر طبقے پر ہر وقت ذات کے اثرات پڑتے رہتے ہیں۔ اس کا دوام امّت کی یاداشت اور اس کے شعور و وجدان سے زادِ راہ حاصل کرنے سے مربوط ہوتا ہے۔ وہ امّت کے شعوری، فکری، لسانی اور فنی تصورات میں اپنے آپ کو محسوس کراتی اور ان میں جلوہ گر ہوتی ہے اور عادات و روایات کی صورت میں ہماری زندگی کی گہرائیوں میں ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔

بعض اوقات ''ذاتی زندگی'' گزارنے کے عملی اور معاشرتی فوائد آغاز میں محسوس نہیں ہوتے، لیکن طویل عرصے تک اس پر ثابت قدم رہنے سے ترقی کے تمام مدارج میں اس کی حیات افروز اہمیت واضح طور پر سامنے آجائے گی۔ اس سلسلے میں ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم

Marfat.com

جدید اور معاصر توجیہات کو بھی پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی ملی زندگی کو دین، عرف، عادات، روایات اور تراث کے راستے پر ہمیشہ گامزن رکھیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے مخصوص ذاتی امور ہماری طبیعت کا جزو لاینفک بن جائیں گے اور ہم نے دوسروں سے جو اجنبی اقدار اختیار کی ہوں گی وہ بھی ہمارے رنگ میں رنگ جائیں گی اور اس طرح وہ ہمارے ملی نقشے کے نقش و نگار کو مزید خوشنما بنادیں گی۔ روم، ایتھنز، مصر اور بابل میں ثقافتی ورثے سے مالا مال حیرت انگیز تہذیبیں اچانک رونما نہیں ہوئی تھیں، بلکہ کسی بھی جگہ تہذیب افراد کی شعوری اور فکری دنیا میں اور انسانی ضمیر کی زرخیز سرزمین میں طویل عرصے تک پرورش پانے کے بعد ظہور پذیر ہوتی ہے۔ تہذیب اپنے داخلی سرچشموں سے براہ راست اور خارجی سرچشموں سے صفائی اور انتخاب کے مرحلے کے بعد سیراب ہوتی ہے اور ایک عرصے تک اس طرح پروان چڑھنے کے بعد قوم کے مزاج کا ایک گہرا پہلو اور ان کی زندگی کا واضح نظر آنے والا رنگ بن جاتی ہے۔ اس کے بعد اگرچہ زبانیں ہر وقت اس کے بارے میں گفتگو نہ بھی کریں وہ زندگی کے ہر شعبے مثلاً عبادت گاہ، اسکول، شاہراہ، گھر، قہوہ خانے اور بیڈ روم پر حاوی رہتی ہے، بلکہ اگر لوگ بخوشی اس کی اطاعت نہ کریں تو وہ اپنی مخفی طاقت کے ذریعے انہیں اپنی اطاعت پر مجبور کرتی ہے۔

اگر کوئی قوم اپنی ذات اور بنیادی نظریات کو درست ثقافتی بنیادوں پر مستحکم کرنے میں کامیاب ہو جائے تو وہ یقیناً جہالت، غربت، اختلافات، بدامنی، بیرونی دباؤ اور دیگر بہت سی مشکلات پر قابو پاسکتی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ فطری طور پر پختگی اور استحکام حاصل کر سکتی ہے۔ روم، ایتھنز، مصر اور سلطنتِ عثمانیہ قرونِ وسطی میں اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ ماضی قریب میں اگر جرمنی دوسری عالمگیر جنگ کی مہم جوئیوں میں اپنے آپ کو برباد نہ کر دیتا تو وہ اس سلسلے کی متوسط درجے کی مثال بنا سکتا تھا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد جرمنی کا نظام درہم برہم ہو گیا، اس کی معیشیت بالکل تباہ ہو گئی، اس کی ملکی و قومی قیادت پر غیروں کا قبضہ ہو گیا، اس کا معاشرہ شکست خوردگی اور بدحالی کے نفسیاتی اضطراب کی وجہ سے ایک دوسرے سے دست بگریباں عسکری گروہوں میں بٹ گیا

Marfat.com

اوروہ ملک آغاز سے اختتام تک قیدیوں کی چھاؤنی کا منظر پیش کرنے لگا، لیکن اس کے باوجود ان کے دل ولولے سے سرشار تھے، ان کے خوابوں سے عظیم جرمنی کی خوشبو مہکتی تھی اور اس مقصد کو پانے کے لیے انہیں اپنی اعصابی قوت اور فکر پر گہرا اعتماد تھا۔ ایسی صورتحال میں اگر جرمنی موت کے کنویں سے نکلنے میں کامیاب ہوا تو وہ اپنی حیات بخش ذاتی توانائی اور اپنی مضبوط و مستحکم ثقافت کی بدولت ایسا کرنے میں کامیاب ہوا، چنانچہ جرمن قوم نے یکجہتی کے ساتھ اپنی ثقافت اور اپنے ذاتی حقائق کی بنیادوں کی طرف رجوع کیا اور معاشرتی، نفسیاتی اور ثقافتی لحاظ سے اپنی اعلیٰ ترین عقلیت پسندی سے فائدہ اٹھاکر جرمنی کو بیسویں صدی کے دوسرے نصف کی بہترین توجیہہ بنادیا۔

اس مثال سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ سیاست، معیشیت اور انتظامی امور کی مشکلات کو صرف سیاسی، معاشی اور انتظامی مشکلات تک محدود سمجھنا گو ایک پہلو سے درست ہے، لیکن دوسرے بہت سے پہلوؤں سے ٹھیک نہیں ہے۔ ہر میدان اور شعبے میں اولوالعزمی کے ساتھ محنت کرنے، اس سے متعلق علم حاصل کرنے اور نئی نئی متبادل صورتیں ایجاد کرنے کے فوائد کا انکار نہیں کیا جاسکتا، تاہم میری نظر میں امّت کی ثقافت اور اس کی روحانی بنیادیں بھی ایک ایسا پہلو ہے، جس پر ضرور توجہ دی جانی چاہیے، کیونکہ امّت کو اپنی کسی بھی معاشرتی اور سیاسی سرگرمی میں اپنی روحانی بنیادوں سے صرف نظر نہیں کرنا چاہیے، نیز اگر وہ زمانے سے برابری کی بنیاد پر معاملات طے کرنا چاہتی ہے تو اسے اپنی ملی ثقافت کے نصب العین کا درجہ رکھنے والے امتیازی ہدف کو قطعاً نہیں بھولنا چاہیے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہر تبدیلی اور انقلاب کے وقت ہمارے ملک میں اپنی ذاتی ثقافت کے بارے میں غور و فکر کیا جاتا رہا ہے، تاہم اس سلسلے میں دوام اور منصوبہ بندی سے متصف تعلق اور وابستگی کبھی بھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ جن (روایتی) مدارس اور خانقاہوں نے ماضی میں ہمیں فکری اور روحانی معیار مہیا کئے تھے، وہ مستقبل کے تقاضوں کے مطابق منصوبہ بندی نہ کرسکے اور نتیجتاً اپنے ہی ملبے تلے دب کر فنا ہوگئے۔ یہ بات کہتے ہوئے درج ذیل اصول میرے حلق کو گھونٹ رہا ہے: "اپنی ماضی کی برائیوں کا تذکرہ نہ کرو۔" اس کے علاوہ بھی بعض موانع

Marfat.com

ہیں۔ ہمارے لیے یہ حقیقت کافی ہے کہ تاریخی واقعات میں کتنی ہی مماثلت کیوں نہ وہ ایک نہیں ہوتے۔ ہمارے لیے یہ دہرائی کا سبق نہیں بلکہ عبرت کا درس ہونے چاہیں، اسی لیے ہم ماضی سے متعلق سوالات کا رخ دورِ حاضر میں اپنی طرف موڑ کر کہتے ہیں: ”ماضی میں جو لوگ فنا ہوئے وہ اپنے وجود کے مقصد وغایت سے انحراف کرنے کی وجہ سے فنا ہوئے۔ آج ہم بھی اسی مقام پر کھڑے ہیں، لہٰذا اگر ان سے غلطیاں ہوئی بھی ہیں تب بھی ہمارے لیے بہتر یہ ہے کہ ہم ان کی غلطیوں کو دہرانے کی بجائے اپنی غلطیوں کی اصلاح پر توجہ دیں۔“

چلو تسلیم کر لیتے ہیں کہ جن سرچشموں سے وہ سیراب ہوتے تھے انہوں نے انہیں نظر انداز کر دیا، جس کے نتیجے میں وہ ہمارے قومی و ملی زوال کا سبب بن گئے، لیکن سوال یہ ہے کہ ہم نے کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں؟ کیا ہم یہ دعوی کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ ہم نے بحیثیت قوم اپنی ذمہ داریاں بخوبی ادا کی ہیں؟ کیا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ریاستی اداروں کا نظم ونسق چلایا ہے؟ کون یہ دعوی کر سکتا ہے کہ اس عرصے میں تعلیمی اداروں نے مطلوبہ نتائج برآمد کئے ہیں؟ بہت سے نوجوانوں نے پیرس، لندن، میونخ اور نیویارک وغیرہ میں اعلی تعلیم حاصل کی، لیکن جب ان میں سے اکثر مختلف قسم کے تخیلات اور خواب لے کر واپس لوٹے اور انہوں نے اینگلو سیکسن ازم، نازی ازم، سلاویت ازم، کیپٹلزم، لبرل ازم اور سوشلزم کے زیر اثر وطن عزیز کو شدید مشکلات میں دھکیل دیا تو وہ اپنے معاشرے کے مفید اعضا ثابت ہوئے یا مضر؟ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے پہلے سے موجود بے چینی میں مزید اضافہ کیا اور ”ذات“ سے مزید بے تعلقی پیدا کی، تاہم ابھی تک ہم پُرامید ہیں کہ یہ صورتحال زیادہ عرصہ جاری نہ رہے گی۔

ہماری اس امید اور نیک فالی کے متعدد اسباب ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس دوران ہمیں اس دھوکے اور ظلم کا احساس ہو گیا، جس کا ہمیں سامنا کرنا پڑا ہے۔ ممکن ہے کہ تلخ تصویروں کا یہ البم اب سے ہمارے دلوں میں پہلے سے مختلف نوعیت کی صورتیں الہام کرنے لگے۔ فرانس، جرمنی، برطانیہ اور امریکا کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھانے، آرزوؤں کے خاک میں ملنے، منصوبوں کے ناکام ہونے، سینکڑوں قسم کی خامیوں کو دور کرنے کی کاوش کے دوران

Marfat.com

حاصل ہونے والے تجربات اور مہارتوں نے ایک ایسے سنجیدہ مابعد الطبیعاتی تناؤ کو جنم دیا ہے، جو "مرکز" کے دروازے کو کھولنے کا سبب بن سکتا ہے، لیکن اس تناؤ سے پوری طرح فائدہ اٹھانا ہماری ذمہ داری ہے۔ اسکول نے اپنی اہمیت کے مطابق نتائج بر آمد کئے ہیں۔ اب وقت آچکا ہے کہ اسکول کے نتائج کو پیشِ نظر رکھ کر ان علوم اور تجربات کی اصلاح کی جائے، انہیں مسلسل اپنی ذاتی روح کے ساتھ ملا کر گوندھا جائے اور انہیں مسلسل اپنی ذاتی ثقافت کے توشے سے غذا فراہم کی جائے، کیونکہ اگر ہم اپنے مستقبل کو روشن بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے علمی اور تجرباتی ورثے سے اس کے مناسبِ حال بھرپور فائدہ اٹھا کر فراست، عقلی محاکمہ اور طرزِ عمل کے لحاظ سے ضرور شخصیت سازی کرنی ہوگی۔ اسکول انسان کو علمی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی مہارتیں فراہم کرتا ہے، لیکن معاشرے کے تمام طبقات کی طرف سے انہیں مسلسل قبول کیا جانا ان کے معاشرتی حقائق کی بنیادوں اور معاشرے کے فکری ڈھانچے کے ساتھ ہم آہنگ اور یکجہت ہونے پر موقوف ہے۔ اس نقطہ نظر سے ہماری طرح اور بھی مختلف ممالک کی مشکل یہ ہے کہ وہ اسکول کی روح اور معنویت کے مطابق اس کی حقیقت کا ادراک کرنے میں ناکام رہے ہیں، بلکہ در حقیقت یہ ایک ثقافتی مسئلہ ہے، جسے لازمی طور پر اس کی حقیقی صورتحال کا ادراک کرتے ہوئے حل کرنا چاہیے۔ اسکول کے مختلف مراحل میں ہم روحانی لحاظ سے بہت کچھ حاصل کرتے ہیں، تاہم ثقافت کی تاثیر اس سے بھی بڑھ کر ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ثقافت ماحول اور معاشرے کی پیداوار ہوتی ہے۔

یہ بات درست ہے کہ ماحول ماضی و حال کی تمام تہذیبوں میں ثقافتی اقدار کے سرچشمے کی حیثیت رکھتا ہے۔ عمومی ماحول احساسات، افکار، کردار، آوازوں، رنگوں، اسالیب اور امت کے مزاج پر حاوی دیگر خصوصیات پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس نقطہ نظر کی معقولیت کو ثابت کرنے کے لیے تفصیلی گفتگو کچھ مشکل نہیں ہے، لیکن اس موقع پر ہم اس بھی سے قوی تر حرکیت (Dynamism) پر تفصیلی گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ اس حرکیت سے ثقافت کی وہ عمومیت مراد ہے، جس کی فضا میں معاشرے کے تمام طبقات ہوا کی طرح سانس لیتے ہیں، جسے وہ پانی کی طرح گھونٹ گھونٹ کر کے پیتے ہیں، پھولوں کی طرح جس کی خوشبو سونگھتے ہیں اور فطرت کی طرح جس کی بات پر

Marfat.com

کان لگاتے ہیں۔ اس عمومیت کی وجہ سے ثقافت کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور اسے ہمیشہ پُر اثر رہنے کا موقع ملتا ہے۔ ثقافت کے ذکر کے وقت ذہن میں سب سے پہلے یہی مفہوم آنا چاہیے۔ اس کے اثرات ایک چرواہے پر بھی اسی قدر ظاہر ہوئے ہیں، جس قدر ایک تعلیم یافتہ اور صاحب علم شخصیت پر رونما ہوتے ہیں۔

ثقافت معاشرے کے حال و مستقبل کے لحاظ سے ایسے ہی اہم ہے، جیسے کسی بھی زندہ چیز کے لیے اپنے وجود کے ظہور اور دوام کے لحاظ سے پانی، مٹی، ہوا اور روشنی کے ملاپ کی اہمیت ہوتی ہے۔ ثقافت وہ اہم ترین توانائی ہے، جو فرد اور معاشرے کو نفسیاتی اور اخلاقی افق کے پہلو سے یکجہتی اور پختگی کے مقام تک پہنچاتی ہے۔

اسکول جس قدر اپنے ہدف کی طرف متوجہ ہو گا اور جس قدر اس میں گہرائی پائی جائے گی اسی قدر وہ امّت کے لیے بندر گاہ، ہوائی اڈّے یا مرکز کا کام دے گا، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس سے حاصل ہونے والے نتائج کو ملی ثقافت کے سانچے میں ڈھالا جائے، گو کہ اسکول منصوبہ سازی کا ادارہ اور منصوبوں کا مرکز ہونے کی حیثیت سے اسی قدر و منزلت کا حامل ہوتا ہے، جس قدر اجتماعی ضمیر اس کے عمومی اخلاق اور قومی ثقافت سے ہم آہنگ پروگراموں کی آواز پر کان لگاتا ہے، لیکن ایسی ایک بھی مثال ملنا بہت مشکل بلکہ محال ہے، جس میں اسکول نے اکیلے ہی اپنی تمام ذمہ داریاں سرانجام دی ہوں۔ اس لیے ہمیں اسکول کو زمینی حقائق پیش نظر رکھتے ہوئے قبول کرنا چاہیے اور اس سے ایسی امیدیں وابستہ نہیں کرنی چاہئیں، جو وہ پوری نہیں کر سکتا۔ علم کے حق کی حفاظت اور رعایت کے باوجود تمام امیدیں اسکول سے ہی وابستہ کر لینا ایک ایسا سطحی اور مبالغہ آمیز نقطہ نظر ہے، جو بہت سے بدیہی امور کی وضاحت کو اتنا مشکل بنا دیتا ہے، جتنا زمین کو بیل کے ایک سینگ پر کھڑا کرنا۔

روشن مستقبل کی نوید سنانے والا معاشرہ سلیم الطبع افراد پر ایسے ہی مشتمل ہوتا ہے، جیسے کل اپنے اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے، لیکن سلیم الطبع اور ممتاز افراد صرف درست معاشرے میں ہی پیدا ہو سکتے ہیں، کیونکہ ہماری ذاتی تراث سے معمور ماحول ہر لحظہ عالم و جاہل، پیر و جواں،

Marfat.com

شہری و دیہاتی اور مفکر اور خواہشات کے پیروکار سب پر اثرانداز ہوتا ہے اور آنکھیں کھولنے اور عمومی ماحول اور فضا کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے وقت ہمیشہ انہیں بہت سے باتوں کا الہام کرتا اور ان کے ساتھ معاملات اور گفتگو کرتا ہے اور اپنی پیداوار اور دولت یا اپنی غربت یا اپنے نفسیاتی اور مادی مرکز کے ذریعے کبھی تو انہیں غذا فراہم کرتا ہے اور ان کی تربیت کر کے انہیں آباد کرتا ہے اور کبھی ان کے جذبات اور انکار کو مسخ کر کے ہر چیز کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

بعض اوقات ملی روح سے سرشار ماحول کے معاشرے اور اس کے افراد پر پڑنے والے اثرات کے ابعاد کا احساس نہیں ہو پاتا، اس لیے ہمیں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ نفسیاتی اور مادی دنیا میں معمولی اور حقیر سمجھی جانے والی بہت سی تفصیلات و جزئیات بے پناہ اہمیت کی حامل دریافتوں اور انکشافات کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ ایک موقع پر ایک بلی کے مسلسل ایک چوہے کے بل کی نگرانی کرنے کا ملاحظہ کر کے وجدان کو بلندیوں تک رسائی ہوگئی اور شہد کی مکھیوں اور چیونٹیوں کے اعلیٰ ترین جمہوری معاشرے کی انوکھی ہم آہنگی پر غور و فکر کرنے والے اہل خرد کے سامنے وسیع آفاق کھل گئے۔ اسی طرح بسا اوقات مادی دنیا میں بھی معمولی سی بات غیر معمولی نتائج کا سبب بن جاتی ہے۔

کتنے ہی معمولی امور نے عظیم لوگوں کے سامنے الہام کے دروازے کھولے، مثلاً غسل خانے کے ٹب نے ارشمیدس، درخت سے گرنے والے سیب نے نیوٹن، عمومی ہم آہنگی کی دھنوں نے جین (Jean)، گھر کی چھت سے لڑھکنے والی ہنڈیا نے نصیر الدین طوسی، مجنونوں کی طبیعت میں سکون پیدا کرنے والی موسیقی کی سروں نے ابن الہیثم، سردیوں کی ایک صبح کے طلوعِ آفتاب نے میخائیل انجیلیو اور پانی کے ایک گھڑے نے دنیس بابن کے سامنے الہام کے دروازے کھولے تھے۔

یہ حقیقت ہے اور سرسری غور و فکر سے عقل بھی اسی نتیجے پر پہنچتی ہے کہ معاشرے کے اپنے افراد پر واضح طور پر مثبت یا منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ افراد معاشرے کی پیداوار ہوتے ہیں اور معاشرے کی ہر چیز کو محسوس اور قبول کر کے اس کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ اہل علم کی

Marfat.com

بالعموم اور مسئولین کی بالخصوص ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرے کو نقصان پہنچانے والے اور عقل، مشاہدے، تجربے اور دینی فکر سے متعارض اور اجنبی افکار سے پاک کریں۔ تاریخ میں تطہیر کا یہ فریضہ سرانجام دینے والے سب سے عظیم لوگ انبیائے کرام تھے۔ ان کے بعد چنیدہ اور الہام کو قبول کرنے کی صلاحیت سے بہرہ مند لوگوں، دل ودماغ کی ہم آہنگی کے حامل اصحابِ فکر اور طبیعیات (مادے) کے ساتھ ساتھ مابعد الطبیعات (روح)، عقلی محاکمے کے ساتھ ساتھ وجدانی احساس اور تجربے کے ساتھ ساتھ آسمانی وحی کا احترام کرنے والے اصحابِ علم کا مقام ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا وُدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کی عبادت کو جرم قرار دینا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں اور اپنے ماحول پر چھائی ہوئی بت پرستانہ فکر کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا توتمیت و مادہ پرستی کو مغلوب کرنا اور فخر انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ان برائیوں کے علاوہ جن کے خلاف انبیائے کرام اور ان کے بعد آنے والوں نے جہاد کیا تھا، جہالت، غربت اور اختلافات وغیرہ جیسی ان معاشرتی بیماریوں کے خلاف جنگ کرنا جنہوں نے انسانیت کو اپنے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا کامل مرشدوں اور مجددوں کی زندگی کی اللہ تعالیٰ کے اوامر، ارادے اور خوشنودی کے مطابق تفسیر وتوجیہہ کرنے سے عبارت ہے۔ یہ سب اسی تطہیر کے سلسلے میں جدوجہد کے مراحل ہیں۔

ثقافت کی تعمیر ودوام کے لیے معاشرے کے تمام طبقات کی طرف سے اس کے تمام عناصر کے پورے احساس اور شعور کے ساتھ ساتھ اجنبی، اوپرے اور مفسد افکار کے خلاف مشترکہ ردِ عمل کا مظاہرہ ہونا چاہیے، تاکہ ہم اپنی ذاتی خصوصیات کے ساتھ زندہ رہتے ہوئے باطل، خرافات اور نامانوسیت کے بھنور میں پھنسے بغیر مستقبل کی شاہراہ پر گامزن رہیں۔

مختلف ثقافتوں کے درمیان اثرات کا باہمی تبادلہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے، لیکن کسی ثقافت کی اصالت کو محفوظ رکھتے ہوئے اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ناممکن ہے۔ ثقافت اپنی اصالت کی ایسے ہی حفاظت کرتی ہے، جیسے کسی ماحول میں پرورش پانے والے جاندار اپنی حیاتیاتی خصوصیات کی حفاظت کرتے ہیں۔ جس معاشرے میں کوئی ثقافت پروان چڑھتی ہے وہ اس کے لیے

Marfat.com

ہوا اور سانس کی حیثیت رکھتی ہے، معاشرہ اس کی شراب گھونٹ گھونٹ کر کے پیتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس معاشرے کی زندگی کا ایک ایسا فعال پہلو بن جاتی ہے، جس کی ہر ممکن طریقے سے حفاظت کی جاتی ہے۔ اگر نئے ماحول کو نئی ثقافت کے وجود اور دوام کے تقاضوں کے مطابق تیار نہ کیا جائے تو اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے سے وہ مر جاتی ہے یا کم از کم اپنی ذاتی خصوصیات کھو بیٹھتی ہے، نتیجتاً اس میں اجنبی عناصر کی ملاوٹ ہو جاتی ہے، اس کی معنویت ختم ہو جاتی اور وہ ایک دوسرے ثقافتی دائرے میں داخل ہو جاتی ہے۔ جس طرح دوسرے لوگ ذاتی خصوصیات کو برقرار رکھتے ہوئے ہماری آواز، لہجے، رسم الخط، انداز اور طور طریقوں کی مکمل ادائیگی نہیں کر سکتے اسی طرح ہمارے لیے بھی دوسروں کی ثقافت کی خصوصیات کی مکمل ادائیگی مشکل ہے۔ چونکہ ہماری ثقافت کے مختلف رنگ ہیں، اس لیے جس طرح ہم اسے سمجھ سکتے ہیں کوئی اور ہرگز نہیں سمجھ سکتا، جس طرح وہ ہمارے دلوں میں ولولہ پیدا کرتی ہے دوسروں کے دلوں میں نہیں پیدا کر سکتی اور اگر وہ ان کو ایک حد تک متاثر کرے تب بھی اپنے ذاتی مزاج اور فطرت کے مطابق ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ یہی منفی صورتحال اس وقت بھی پیش آئے گی جب ہم دوسری اقوام کی ثقافتوں کو ان کی ذاتی خصوصیات کو قبول کیے بغیر اختیار کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ثقافت کسی تختی، تصویر، گراموفون یا کیسٹ کی قسم کا کوئی ایسا سامان نہیں ہے، جسے بازار سے خرید کر گھر لایا جا سکے، بلکہ یہ ایک ایسا "کُل" ہے، جو ماحول کے اُن زمانی و مکانی عناصر کے ساتھ ایک مرکز کے گرد جمع ہوتا ہے، جنہیں اس میں وجود اور نشوونما ملی ہوتی ہے اور جو اس ماحول کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں۔ ہمیں ثقافت کے پس منظر میں موجود عناصر پر ایک عمومی نظر ڈالنی چاہیے، تاکہ ہم اسے وجود اور غذا عطا کرنے والے عناصر کو انہیں یکجا اور متحد رکھنے والے فریم ورک میں ڈھال سکیں۔ اس جائزے کے دوران ہم سب سے پہلی بات یہ محسوس کرتے ہیں کہ ثقافت بھی قوم کے مخصوص طرزِ زندگی اور اس کے افراد کے مخصوص طرزِ عمل پر مبنی نظام سے عبارت ہے۔ بلاشبہ اس تجزیئے میں ہمارے سامنے سب سے پہلے یہ بات آتی ہے کہ معاشرے کے فلسفہ حیات اور اس کے طرز زندگی کے درمیان تاثیر و تاثر کا واضح تعلق ہوتا ہے اور جس قدر فلسفہ حیات معاشرے کے افراد کے دلوں میں مستحکم اور راسخ ہوتا ہے اسی قدر وہ دیرپا اور روشن مستقبل کا ضامن ہوتا ہے۔ جس طرح حیاتیاتی جانداروں میں "کُل" سیلز کو ایک متعین رخ پر ڈالتا ہے اور ایک متعین رخ کی طرف متوجہ

Marfat.com

"سیلز" "کُل" کی عمومی ہیئت کو مستقبل کی طرف منتقل کرنے کا فریضہ سر انجام دیتے ہیں، اسی طرح متبادل ذمہ داریوں کے فریم ورک میں کار فرما ان حرکات کا نظام ایک طرف قوتِ ارادی کی مالک موجودات سے تعلق کے وقت بتدریج ذمہ داریوں کا ایک نظم بناتا ہے تو دوسری طرف عقل سلیم، درست مشاہدے اور وجدانی حس کی مدد سے جانچ پرکھ اور تحقیق کے چشمے جاری کرتا ہے۔

اپنے فلسفہ حیات، ملی اسلوب اور تاریخی حرکت کے ساتھ ہم آہنگی کی وجہ سے یہ تسلسل اپنی ماضی و حال سے مضبوط تعلق رکھنے والے اور عقل، فکر اور وحی کے لیے اپنے دریچے کھولنے والے معاشرے کے لیے اعلیٰ ترین مثال ہے، لیکن جو معاشرے اس سے برعکس صورتحال کا شکار ہیں وہ ارتقائی لحاظ سے نہ صرف ناپختہ عادتوں، روایتوں، لہو و لعب، ذوقوں اور لذتوں بلکہ لوک کہانیوں اور متوہّمانہ عادات پر مبنی غیر ثقافتی نمونوں کے دھوکے کی ملاوٹ سے محفوظ نہیں رہ سکتے، تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مستحکم اقوام اور تہذیبوں کے مختلف معاشرتی طبقات کے درمیان تاثیر و تاثر اور لینے دینے کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے اور جمہوری اقدار پر عمل پیرا حلقوں میں بالخصوص تاثیر و تاثر کا تعلق پایا جاتا ہے۔ معاشرے کے اہرام کی چوٹیوں اور اس کے بنیادی عناصر کے درمیان عمل اور ردِ عمل اہم اور دائمی نوعیت کا ہوتا ہے، چنانچہ استاذ، واعظ، اخبار اور رسالے کا لکھاری، ٹیلی ویژن کا تجزیہ نگار، شاعر، نثر نگار اور وسیع تر مفہوم میں کائنات اور تنگ تر مفہوم میں اپنے گرد و پیش کو نمائشی تختیوں پر منتقل کرنے والا رسّام سب خطاب کے مخاطب بلاک کے ساتھ تاثیر و تاثر کے پس منظر میں ہمیشہ حرکت کرتے ہیں۔ جو بلندی پر ہوتے ہیں یعنی دینے اور پیداوار کی صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں وہ اپنے اردگرد کے لوگوں کو مسلسل پیغامات بھیج کر خطاب کے مخاطبین میں ولولہ اور تحریک پیدا کرتے ہیں اور ان کے مسلکی اور فنی تصورات کے آفاق کی طرف صلاحیتیں اور قابلیتیں منتقل کر کے دینے اور پیداواری صلاحیتوں کے حامل افراد کی تعداد میں اضافہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کے مسلسل وسعت پذیر آفاق کے حامل انسانوں میں تبدیل ہونے کی وجہ سے بتدریج پیغامات وصول کرنے والوں کا دائرہ تنگ ہوتا جاتا ہے۔

جب دینے اور پیداوار کی صلاحیت کے حامل افراد دیتے ہیں تو اسے وصول کرنے والے اپنے تک پہنچنے والی تمام معلومات کا جائزہ لے کر ان کی یا خود اپنی غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور

Marfat.com

اپنے سے اوپر والوں پر دباؤ ڈال کر انہیں متبادل حل پیش کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس طرح ہماری شناخت کی ہر خصوصیت کی تائید کی جاتی ہے، اسالیب کو فلٹر سے گزار کر ان کی خرابیوں کو دور کیا جاتا ہے اور خود احتسابی اور محاکے کے ذریعے طرزِ عمل کو غلطیوں سے پاک کیا جاتا ہے، تاہم اس قسم کے ٹکراؤ اور تبادلے معاشرے کے تمام طبقات کے درمیان مشترکہ اور موروثی ثقافت کے ذریعے ہی ممکن ہو سکتے ہیں۔

اگر قوم کے مختلف طبقات ایک دوسرے کے شانہ بشانہ ایسے کھڑے ہو جائیں جسے فخر انسانیت حضرت محمد ﷺ نے "بنیان مرصوص" (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) سے تعبیر کیا ہے اور اپنی تمام تر طاقت و قوت کو اپنی داخلی تعمیر اور اس کی ہم آہنگی کے لیے استعمال کریں تو پہاڑوں جیسی مشکلات بھی سہل ہو جائیں گی اور قوم بین الاقوامی توازن میں اپنے حسبِ حال مقام پالے گی، لیکن اس قدر مضبوط اور موثر معاشرتی رابطہ مستحکم بنیادوں پر قائم ایسی ملی ثقافت پر موقوف ہے، جس پر معاشرے کے تمام طبقات اس قدر عمل پیرا ہوتے ہیں کہ وہ اس معاشرے کا مزاج اور طبیعت بن جاتے ہیں۔ یہ ثقافت ایسی اخلاقی اقدار پر مبنی ہوتی ہے، جو اسے غذا اور ہوا مہیا کرتے ہیں۔ وہ دین کی زبردست قوت کے بل بوتے پر اجنبی عناصر پر غلبہ پالیتی ہے، ہمارے فنی تصورات کو تقویت دیتی ہے اور ہر جگہ ان کے لیے محفوظ پناہ گاہ ثابت ہوتی ہے، لیکن اگر ثقافت کے آثار اور فریم ورک ضائع ہو جائیں اور اسے معاشرے کے تمام طبقات قبول نہ کریں تو وہ قوم کو مالداری اور نشو و نما تو کیا دے گی، ثقافت کے معماروں اور تخلیق کرنے والوں کے درمیان اختلاف پیدا ہونے اور ان کے ایک دوسرے کو کمزور بنانے سے مفر ممکن نہ رہے گا۔ بعض اوقات یہ اختلافات اپنے پیچھے ایسے زخم چھوڑ جاتے ہیں جو کبھی مندمل نہیں ہوتے، نیز بسا اوقات کسی اخلاقی مسئلے میں افراط اور حد سے زیادہ باریک بینیاں جذبات اور افکار پر ایسے منفی اثرات مرتب کرتی ہیں کہ فرد اور معاشرہ کبھی تو مشکلات اور غربت کا شکار ہو جاتا ہے اور کبھی انوکھے اور عمدہ کاموں میں اخلاقی امور کی پامالی کا راستہ کھول کر چیزوں کے بدامن اور ناپسندیدہ اوصاف سے متصف ہونے کا باعث بنتی ہیں۔

ثقافتی مسئلے میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ روحانی اقدار کے لحاظ سے پسماندہ طبقات کو ان کے طرزِ زندگی کے حسبِ حال ذوق، صفائی اور لہو و لعب کی فضا فراہم کرنے کی بجائے ان میں حاضر

Marfat.com

و مستقبل کی مشکلات کا سامنا کرنے کے جذبے میں اضافہ کرنے اور انہیں مستحکم فکر کا طریقہ سُجھا کر ان میں بھلائی، جمال اور صحیح بات کو اختیار کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے پر اس کی بنیادوں کو اٹھانا چاہیے۔ اس طرح ہم عمومی ماحول کی جبری یا اختیاری راہنمائی اور رائے عامہ سے پیدا ہونے والے مواقع سے فائدہ اٹھا کر مفید اور صحیح تر انتخابات کو چننے اور علم کا ساتھ دینے کو یقینی بنا سکیں گے۔

اخلاق، علم اور کارناموں کے ملاپ کا مرکز ہمارے طرزِ زندگی کی نشوونما کرنے والی غذا اور ہماری سرگرمیوں اور مہموں میں ولولہ پیدا کرنے کا ذریعہ ثابت ہو گا، جس کے نتیجے میں ہمیں بھلائی اور جمال کے نام پر کامیابی کے کیف و سرور کی پے در پے لذتیں محسوس ہوں گی، لیکن اس کا اصل سبب اصولوں کی پابندی اور معاشرتی تعمیر کے لیے (حسب ضرورت) جبری یا اختیاری ذہن سازی ہے۔ یہاں بھی سب سے زیادہ اہمیت اخلاقی، ایمانی، فنی اور جمالیاتی تصورات کی توجیہہ و تفہیم کی نوعیت کی ہے۔ اخلاق کو چند جامد اور متعین اصولوں کے دائرے تک محدود کرنا، ایمان کو ایسی جبری تصدیق کی صورت میں سمجھنا کہ جس کا عقل، مشاہدے اور وجدان کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو، جمالیاتی تناسب کو اشیاء پر ایک سرسری نظر ڈال کر انہیں خالی اور بے حس صورتوں میں ڈھالنے سے تعبیر کرنا اور فن کو شعر، موسیقی اور اسٹیج کے بے لچک فریم میں محبوس کرنا جمال اور جمالیاتی ثقافت کو تنگی، سطحیت، تخیلات اور خوابوں میں بند کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ہماری اپنی ثقافت کی بدولت حاصل ہونے والا نشاۃ ثانیہ ایمان کے ذریعے آسمان کی بلندیوں کو چھونے والے عظیم اہل دل، اپنے فکری افق کے ذریعے مستقبل کی سیر کرنے والے فکری معماروں، اپنے فنی تصورات کے ذریعے کائنات اور واقعات کی توجیہہ کرنے والوں اور اپنی تحقیق و جستجو کے ذریعے ہمارے آفاق سے بہت دور اپنی فکری جولان گاہ کے نئے افلاک کا خاکہ بنانے والوں کا منتظر ہے۔ حسن کے تناسب کے دلدادہ لوگوں کی نئے آفاق دریافت کرنے اور جمالیات میں نئے نقوش بنانے کے سلسلے میں نمایاں کد و کاوش، اچھوتے کام اور خیالات پیش کرنے کے سلسلے میں ماہر فنکاروں اور غیرت مند کاریگروں کے قابلِ قدر حوصلے، عمدہ یادگاریں، روح کی موسیقی کی تلاش کے دوران درد بھری آوازوں سے پیدا ہونے والی پُر مغز دھنیں اور کلاسیکل شعراء کی تقلید کی بجائے ادبی ذوق کی خوشبو سے آغاز کرنے والوں اور زبان کے عاشق

Marfat.com

نثر نگاروں کی مساعی ہماری شخصیت سازی کے راستے میں صبح صادق کی علامات ہیں۔ اگر یہ صبح کاذب کی کرنیں بھی ہوئیں تو بھی ان کے بعد صبح صادق طلوع ہونے والی ہے۔

اگر ہم نے اس سمت سفر جاری رکھا تو آنے والے دور میں ہماری مستحکم ثقافت، ہماری معنوی اور روحانی بنیادیں اور ہماری شخصیت عالمی ثقافت کا ناگزیر حصہ بن جائیں گی، لیکن اگر ہم ماضی اور حال کی طرح دوسروں کے ثقافتی سرچشموں سے غذا حاصل کرتے رہے اور کوئی بھی تخلیقی کام کرتے ہوئے تقلید کا شکار ہوگئے تو امّتِ مسلمہ کبھی بھی دوسروں کی پیروی کرنے کی ذلت سے چھٹکارہ نہ پا سکے گی، ہم شعر، موسیقی، رسم الخط اور دیگر فنون میں غیروں کی سرپرستی سے کبھی بھی آزاد نہ ہو سکیں گے، ہم اپنی ذاتی خصوصیات کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے وجود کو کبھی بھی دوام نہ بخش سکیں گے اور دوسروں کو دینے اور ایجاد کرنے کے مقام تک کبھی بھی نہ پہنچ سکیں گے۔

جی ہاں، اگر ہم نے اپنی نئی نسل کو اپنی ذاتی ثقافت کے شعائر سے فوری طور پر آشنا کرانا شروع نہ کیا اور جن باتوں سے ہم انہیں روشناس کرا چکے ہیں ان کا احیائے نو نہ کیا تو ہم اپنے بعد آنے والی نسلوں کے اپنے بُرے نصیب کے نتائج بھگتنے کا سبب بنیں گے، لہٰذا ہر متعلقہ شخص خصوصاً ہمارے فکری معماروں کو خوفناک چیلنجوں کا مقابلہ کرنے اور وطن عزیز کے چپے چپے کو اپنی ذاتی ثقافت کی مشعلوں، اپنے ذاتی فلسفہ حیات اور اپنی ذاتی منطق و عقلی محاکمے کی ترکیب و تحلیل کی تجربہ گاہوں میں تبدیل کرنے کے لیے پُرجوش نفیرِ عام کرنا ہوگی، کیونکہ ذاتی خصوصیات کے ساتھ ہماری بقا ہماری ذاتی نشاۃ ثانیہ پر موقوف ہے۔

Marfat.com

پیغام زندگی

ہم آج تک کسی ایسے نظریے سے واقف نہیں جو طویل عرصے تک انسانیت کو اپنے سائے تلے اکھٹا رکھ سکا ہو، بلکہ ہمیں کسی ایسے نظریے کا بھی علم نہیں، جس نے ان تمام ضروری لوازم کی نشاندہی کی ہو، جو انسانیت کو ایک چھت کے نیچے جمع کرنے کا تقاضا ہیں، بلند بانگ دعوؤں کے باوجود ماضی قریب میں کرہ ارض کے وسیع حصے پر حکمرانی کرنے والے مغربی ممالک، مشرق کی اشتراکی اور سوشلسٹ اقوام اور غیر جانبدار (Neutrals) جن کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے یا جمال مرتیج کے بقول "اصحاب الاعراف" میں سے کوئی بھی دنیا کو امن اور دائمی خوشی نہ دے سکا۔ وعدوں کے ایفا میں ناکامی نے اُن لوگوں کے اعتماد کو شدید نقصان پہنچایا، جو خود کچھ نہیں کرتے، بلکہ ہر معاملے میں دوسروں کے محتاج ہوتے ہیں اور ان کی مدد کے منتظر رہتے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر نتائج کے عالمگیر نہ ہوسکنے، تمام انسانیت کو اپنے دائرے میں شامل نہ کرسکنے اور انسانی مزاج کے خلاف ہونے نے نہ صرف ساری انسانیت کو بے اعتمادی کی کیفیت کا شکار بنا دیا ہے، بلکہ آئندہ کسی بھی وعدے کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھنے پر اسے مجبور کر دیا ہے، چنانچہ آج انسانیت ہر اس نظام کو قبول کر لیتی ہے، جو شک، قلق اور استہزاء کا موقف اختیار کرتا ہے، کیونکہ انسانیت کو یہ یقین ہو چکا ہے کہ موجودہ کوئی بھی نظام کماحقہ کارکردگی نہیں دکھا سکا، بلکہ انہیں اس مقصد میں بری طرح ناکامی ہوئی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ سارے نظاموں میں گڑبڑ ہے۔ یہ سوچ ان نظاموں میں پائی جانے والی چند ایک خوبیوں پر بھی پانی پھیر دیتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسانیت کی یاداشت میں بُرے خیالات اور پریشان خوابوں کے سوا کچھ نہیں رہتا۔

کسی باہم مربوط میکانکی نظام کے ایک چھوٹے سے پرزے کی خرابی سے سارا نظام معطل اور بے کار ہو جاتا ہے۔ یہ نظریات بھی خوشنما دعوے لے کر میدانِ عمل میں نکلے تھے، لیکن ان میں کچھ سنگین نوعیت کی خامیاں موجود تھیں، مثلاً انسانی مزاج کی مخالفت، تمام طبقات کو اپنی آغوش میں لینے، اپنے وعدوں کے ایفا اور انسانی ضروریات کی تکمیل میں ناکامی اور سب سے بڑھ کر بعض انسانی اقدار سے غفلت، بلکہ انسانوں کے دلوں میں کینے، بغض اور غیظ وغضب کی

Marfat.com

آبیاری۔ ان تمام خامیوں نے مل کر ان نظریوں کی بنیادیں ہلا دیں اور انہیں فکری ملبے کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ ان نظریات کے بارے میں معاشروں کے اسی قسم کے تاثرات ہیں، یہی وجہ ہے کہ چند ایک جماعتوں کے سوا تمام لوگ ٹوٹ پھوٹ اور مایوسی کا شکار ہیں اور حالات کی درستگی کے لیے کسی مافوق الفطرت مسیحا کے منتظر ہیں۔

اسی لیے نہ صرف امّتِ مسلمہ بلکہ ساری انسانیت کو ایسی عالی فکر کی ضرورت ہے، جو ہمارے ارادوں کو ضیاء، ہماری آنکھوں کو نور اور ہمارے دلوں کو امید سے بھر دے اور ہمیں لغزش اور شکستگی سے محفوظ رکھے۔ ہمیں خیال کی آخری حد تک ایسی بلند فکر اور مقصد کی شدید ضرورت ہے، جو عقلی، منطقی اور شعوری خلاؤں سے پاک، ابھی اوپر ذکر کردہ خامیوں سے محفوظ اور حالات کے مطابق زیادہ سے زیادہ قابلِ عمل ہو۔ ہم ایک ایسے دور سے گزر رہے ہیں، جس میں زمین پر فکری دنیاؤں کا مرکز تبدیل ہو رہا ہے، بنیادی اور دائمی نوعیت کے تعلقات شخصی دنیاؤں سے فکری دنیاؤں کی طرف منتقل ہو رہے ہیں اور انسانیت ناکام تجربات کے بعد جانچ پرکھ میں بہت حساسیت کا مظاہرہ کرنے پر مجبور ہو رہی ہے۔ اگر ہم مستحکم حکمت عملی اور معاشرے میں پائے جانے والے مابعد الطبیعاتی تناؤ اور صدیوں سے ایک فکر کے گرد جمع ہونے والی فعال سرگرمی کی تنظیم کے ذریعے اس عمومی صورتحال سے بھرپور فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہو گئے تو آج نہیں تو کل انسانیت کا غالب حصہ اس پرکشش مرکز کے گرد گھومنے لگے گا۔

لیکن سب سے پہلے ہمیں خیال کی آخری حدوں میں چمکنے والی منزل کا تعین کرنا ہو گا۔ ماضی اور حال میں بہت سی اقوام کو اپنی معلوم اور بالفعل موجود حکمت عملیوں کو فکر سلیم کے ساتھ مربوط نہ کرنے اور انسانیت کے دلوں تک رسائی حاصل نہ کر سکنے کی وجہ سے شدید دھچکوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ یہ درست ہے کہ یہ صورتحال ان ممالک میں زیادہ واضح ہے جہاں تہذیب اور جمہوریت کو پورے طور پر استحکام نہیں ملا، لیکن جو اقوام تہذیب اور جمہوریت میں دوسری اقوام کی استاذ ہونے کی دعویدار ہیں ان کی حالت بھی اس بارے میں کچھ زیادہ بہتر نہیں ہے۔ ظاہری چمک دمک اور بلند بانگ دعوؤں کے باوجود آسودہ حالی، عظمت اور شان و شوکت کے لحاظ سے ترقی یافتہ نظر آنے والے کئی ممالک پریگمٹ ازم (Pragmatism) کے مدار میں گردش

Marfat.com

کرنے کی وجہ سے غفلت میں ڈوبے لوگوں کی فوج ظفر موج کو وقتی چالوں کے ذریعے بہلائے رکھتے ہیں اور جب مستقبل کے بارے میں بات کرنے کا موقع آتا ہے تو بہرے بن جاتے ہیں، کیونکہ وہ یہ فرض کیے بیٹھے ہیں کہ ان کا مستقبل اور آنے والی زندگی ہر حال میں پُر مسرت اور ترقی یافتہ ہوگی۔ اس سے بھی بڑھ کر تشویشناک بات یہ ہے کہ وہ دل، روح اور ضمیر کو مردہ کرنے میں حد سے بڑھتے چلے جارہے ہیں۔

اب ہمارے لیے ضروری ہے کہ اوپر ذکر کردہ منفی پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہم مستقبل کی حکمت عملیاں اور منصوبے وضع کرنے کے لیے اپنی ذاتی اقدار کو پہلے سے بڑھ کر بنیاد بنائیں اور خیال اور آرزو کی آخری حدوں تک پہنچنے والے بلند مقام کو اپنی منزل سمجھیں، یہاں تک کہ جب ہماری حکمت عملیوں میں ٹھہراؤ آجائے گا اور اُن میں استحکام پیدا ہو جائے گا تو ہم ان دونوں قوتوں کے درمیان تصادم سے بچتے ہوئے انہیں ایک ہی رخ پر ڈالنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ہم نے عدم تصادم کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ کوئی بھی سرگرمی یا مہم جوئی خواہ کتنے ہی اخلاص سے کیوں نہ کی جائے ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ تعمیری نوعیت کی ہو۔ نیت اسی قدر قابلِ قدر ہوتی ہے، جس قدر وہ درست اقدامات کے معنوی پہلو کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اگر وہ کسی غلط اقدام کا حصہ ہو تو اس میں یہ معنویت ہرگز نہ پائی جائے گی۔ بعض اوقات کوئی تحریک اپنے اوصاف کے لحاظ سے تعمیری یا تخریبی کہلاتی ہے۔ جہاں عقل، منطق اور شعور کسی بھی منصوبے یا پروگرام کی قدر و منزلت کو بڑھاتے ہیں، وہیں اس منصوبے کی درست اور مستحکم نمائندگی کی بھی بہت زیادہ اہمیت ہوتی ہے، نیز اس میں شعوری خلا بھی نہیں پائے جانے چاہئیں۔ بسا اوقات بعض کام انفرادی اور ذاتی طور پر اچھے ہونے کے باوصف باہمی تضاد کی وجہ سے ایک دوسرے کی تاثیر کو ختم کر دیتے ہیں۔ جس طرح جب کچھ چیونٹیاں کوئی چیز اپنے بل میں لے جانا چاہتی ہیں، لیکن عارضی حس کی لہروں کی وجہ سے یا اپنے مشترکہ منصوبے کے اہداف کے اختلاف کی وجہ سے کنفیوژن کا شکار ہو کر بعض چیونٹیاں اسے ایک طرف اور بعض دوسری طرف کھینچنے لگتی ہیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کی توانائی ضائع ہو جاتی ہے اور وہ اپنا ہدف حاصل نہیں کر پاتیں۔ اسی طرح جن معاشروں کے پاس کوئی پیغام یا کوئی بلند مقصد نہیں ہوتا یا اگر ہوتا ہے تو اس کے مناسبِ حال ذہنی تیاری نہیں ہوتی وہ مسلسل متحرک

Marfat.com

رہنے کے باوجود کوئی پیش رفت نہیں کر پاتے، کیونکہ پیش قدمی سب سے پہلے وجدان کی نظر میں ایسے قابلِ قدر اور اعلیٰ مقصد کی تعین کا تقاضا کرتی ہے، جسے طبیعت عبادت کے کیف و سرور کی طرح پسند کرتی ہو اور اس کے بعد خامیوں سے پاک حالات اور عمومی ماحول کے تقاضوں کے مطابق نظام کو بروئے کار لانے اور ایک دوسرے سے جدا حلقوں کی توانائیوں کو ایک متعین ہدف کی طرف مبذول کرانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ گویا عملی اور تجرباتی ذخیرے اور محفوظ توانائی کو اُس بلند اور منتظر مقصد کے حصول کے لیے بروئے کار لانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

جنگِ آزادی کے دوران تمام انفرادی کوششیں آزاد ترکی کے حصول پر مرتکز ہو گئی تھیں۔ یہ سادہ اور آسان لیکن مضبوط فکر تمام طبقات سے قبول عام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی، جس کے نتیجے میں اس نے تمام عقلی، منطقی اور شعوری خلاؤں کو پُر کر کے ساری جدوجہد کو ایک نقطے پر مرکوز کر دیا۔ اس قدر طوانائی عادی شرائط کے دائرے میں مطلوبہ ہدف کو پانے کے لیے کافی ہوتی ہے، تاہم ہر فتح و کامرانی کے بعد فاتحین میں کچھ نہ کچھ سستی اور ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے، کیونکہ فکر کے رنگ کی صفائی کو تبدیل ہونے سے محفوظ رکھنا اور اس کے وجود کو بمع اس کی مکمل تروتازگی کے دوام بخشنا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ یہ فیصلہ کرنا کہ ہمیں اس سلسلے میں کس قدر کامیاب ہوئی ہے، ہم تاریخ پر چھوڑتے ہیں، لیکن ہم یہ ضرور کہیں گے کہ اگر فتح و کامرانی سے ہمکنار ہونے والا معاشرہ بلند افکار اور اہداف کا جذبہ پیدا کرنے والے نئے اسباب سے مسلسل غذا حاصل نہ کرتا رہے تو وہ مابعد الطبیعاتی تناؤ میں اضمحلال اور سستی کے فاسد دائروں (Vicious Circles) میں گرنے سے نہیں بچ سکتا، تاہم یہ بھی درست نہیں کہ ہم فتح کے نشے میں عام طور پر پیدا ہونے والی سستی یا ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیلی کے وقت انسان میں پیدا ہونے والے انقباض اور اتار چڑھاؤ کو ہمیشہ اس تناؤ کے اضمحلال کا سبب قرار دیں۔ بعض دوسرے امور بھی ہماری فکری زندگی اور ہماری حرکتِ عمل میں وسیع خلا پیدا کرتے ہیں، مثلاً راہنماؤں اور مرشدوں کے تذبذب اور شکوک وشبہات کو جنم دینے والے اعتماد سے خالی اقدامات، ان میں اہلیت اور صلاحیتوں کا فقدان، امت کو آفاق سے ماورا لے جانے کے مواقع کو دیکھنا تو کجا بعض اوقات خود اپنے کھڑے ہونے کی جگہ کو بھی نہ دیکھ سکنے کی حد تک تعلیم یافتہ حضرات کی کوتاہ نظری، امّتِ مسلمہ کی حقیقی صورتحال کا

Marfat.com

ناکافی مشاہدہ اور اس کی منظر کشی میں کوتاہی یا مکاولی اور منفعت پرستانہ (Pragmatist) سوچ کی دینی اور ملی اقدار پر ترجیح وغیرہ۔ آج ہمیں اِن تمام برائیوں سے اٹے ہوئے ماحول سے پیدا ہونے والے بحرانوں کا سامنا ہے۔ ہماری صورتحال ذات کے بے مہار ہو کر چھوٹ جانے اور زوال اور اضمحلال تک پہنچانے والے انتشار اور لڑکھڑاہٹ کا شکار ہو جانے کی غمازی کر رہی ہے۔ بلاشبہ یہ صورتحال دشمنوں کے منہ میں رال ٹپکانے اور دوستوں کے حوصلے پست کرنے کا موجب بن رہی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر تشویش ناک بات یہ ہے کہ اگر ہم نے اپنی ملی زندگی میں پیدا ہونے والے وسعت پذیر، عقلی، منطقی اور شعوری خلاؤں کو پُر کرنے میں سستی کا مظاہرہ کیا تو خدانہ کرے ہمیں زوال اور شکست کا سامنا بھی ہو سکتا ہے۔ ہماری شکست کی صورت میں امّتِ مسلمہ کو یقینی طور پر پہنچنے والے صدموں سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم بے مقصدیت کی کیفیت میں سرگرداں پھرنے، استعمار اور استحصال کا نشانہ بننے اور غیروں کی سرپرستی میں زندگی گزارنے کی نفسیات سے اپنے آپ کو مکمل طور پر بچائیں۔ تیسری دنیا کے تمام ممالک ایسے حالات سے دوچار ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ کر انتھک محنت کریں، ملی یکجہتی اور ہم آہنگی کی کوشش کریں اور پھر اپنی شخصیت سازی پر توجہ مرکوز کر کے اپنے بلند مقاصد اور امنگوں کا تعاقب کریں۔

یہ بات بالکل بدیہی اور واضح ہے کہ ایک ایسے پُر آشوب دور میں کہ جس میں ہمیں پُر پیچ گہری کھائیوں، منہدم پلوں اور مسدود راستوں کا سامنا ہے، ہم عام سطح کے منصوبوں اور مختلف قسم کی نادر الوقوع آزمائشوں کی وجہ سے تھکی ماندی قوم کی مدد سے ان تمام منفی پہلوؤں پر ہرگز غلبہ نہیں پاسکتے۔ اس قسم کے غیر معمولی حالات مافوق الفطرت اور غیر معمولی عزم اور جذبے کے متقاضی ہیں۔ بسا اوقات اس قسم کے تاریک حالات اپنے منصوبوں، پالیسیوں، حکمت عملیوں، ان اہداف کو حاصل کرنے والے غیر معمولی دماغوں اور اپنی ذات کی بجائے دوسروں کی خاطر اپنی زندگیوں کو وقف کر دینے والے بہادرانِ قوم کی وجہ سے قوموں کے عروج کا سبب بھی بن جاتے ہیں۔

ایسے دور میں کہ جس میں ہم ایک عظیم قوم بننے کا خواب دیکھ رہے ہیں ہم فنی اور اختصاصی صلاحیتوں سے تیار کردہ راستے اور حکمت عملی کی ضرورت پر یقین رکھتے ہیں، بلکہ اس سے بھی پہلے ہمیں ایسی نسلیں تیار کرنے کی ضرورت کا احساس ہے، جو امّتِ مسلمہ کو بلندیوں کی

Marfat.com

طرف لے جانے والی فکر کی دلدادہ ہوں۔ اس فکر کا ایک خاص حد تک گوچھوٹے سے دائرے میں حاصل ہونا، اس کے نمونوں کا ان ہزاروں نفوس میں ظہور پذیر ہونا جو جنگِ آزادی کے جذبے سے اپنے گھربار اور وطن کو چھوڑ کر ہجرت کی موجوں کی طرح ساری روئے زمین پر پھیل گئے، ملی جذبے کی پنیریوں کو ہر جگہ لگانے کی ان کی جدوجہد، ان کا زمین کے مختلف حصوں پر مستقبل کے عظیم ترکی کا سنگ بنیاد رکھنا، جہاں کہیں بھی وہ جائیں وہاں ان کا اپنی ذاتی دنیا کی روح اور حقیقت کو پیش کرنا، ان کا امّتِ مسلمہ کے تاریخی اور موروثی وقار کو بحال کرنے کے لیے جدوجہد کرنا تاکہ وہ عالمی طاقتوں میں اپنی شان کے مطابق مقام حاصل کر سکے اور اُن کا اِن تمام اہداف میں کسی حد تک کامیاب ہونا وہ اہم اور واضح علامات ہیں، جو ہمیں بلند فکر کے لیے اپنے آپ کو وقف کرنے والی مستقبل کی نسلوں کے ممکنہ کارنامے دکھا رہی ہیں۔

ان نیک نیت جماعتوں نے جو بھوک پیاس سے بے نیاز ہو کر ہر وقت ایمان، امید اور حوصلے سے سرشار رہتی ہیں، جیسے محمد عاکف نے انہی کے بارے میں کہا ہے: ”وہ اللہ سے مدد کے طالب، جہدِ مسلسل کرنے والے اور فتح و کامیابی کے مشتاق ہیں۔“ انتہائی مختصر وقت میں ایسی ایسی مشکلات کو حل کر دکھایا ہے، جنہیں بڑے بڑے ملک اپنی لابیز کی مدد سے اور اعلانات پر لاکھوں ڈالرز خرچ کر کے بھی حل نہیں کر سکے۔ اس خیرہ کن سیٹ اپ کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے، نہ اسے ایک اتفاقی واقعہ قرار دیا جانا چاہیے اور نہ ہی اسے ان ممالک کی معاونت کا مرہونِ منت سمجھا جانا چاہیے، جن کی طرف یہ لوگ ہجرت کر کے گئے ہیں، بلکہ اس خوشنما تحریک کا راز مخلص اہل دل کی توجہ الی اللہ اور اللہ تعالیٰ کا اس امّت پر خصوصی احسان ہے، جو تاریخ کے اوراق سے مدد حاصل کرتی ہے، بلکہ دیگر تمام کامیابیوں کی طرح اس تحریک کی کامیابی بھی دھڑکتے ہوئے پُرخلوص دلوں کے حوصلے اور جذبے، امت کے ساتھ جذبہ وفاداری اور توفیق خداوندی کے ساتھ مربوط ہے۔ اس وفاشعار قوم کے لائق اور جانثار سپوت تاریخ کے کٹھن ترین حالات میں بھی ناامیدی اور کمزوری کو چیلنج کرنے والوں، غربت و فقر کے باوجود جودوسخا کا مظاہرہ کرنے اور اچانک اٹھنے والی خیرہ کن تحریکوں اور دورِ حاضر میں پیش آنے والی ہر قسم کی تنگیوں اور اپنے اوپر لگائے جانے والے الزاموں کے باوجود ملی و عسکری ترانوں کی دھنوں سے سرشار ہو کر مسکراتے ہوئے بخوشی موت کو گلے لگا لینے والوں کی طرح اپنے ہاتھوں میں علم و عرفان کی مشعلیں اٹھائے

Marfat.com

مستقبل کے عظیم وطن کی خاطر غریب الوطنی، حسرت اور محرومی کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ یہ لوگ سالہاسال سے انتھک محنت کرتے ہوئے اپنی امت، قوم اور وطن کی طرف سے ایک اہم پیغام کی ادائیگی کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کی طاقت کا نہ ختم ہونے والا سرچشمہ ان کا ''ایمان'' اوران کے عشق وولولے کی مشعلوں کا نہ بجھنے والا ایندھن ان کی ''ملی فکر'' ہے۔

جولوگ ان دوحیات افروز حرکیات (Dynamics) کی اہمیت سے ناواقف ہیں اور ایمان اور فکر کی وجہ سے انسان میں پیدا ہونے والی قوت کو سمجھنے سے قاصر ہیں وہ بعض اوقات بغض اور کینے سے بھرے ہوئے شکیہ انداز سے اور کبھی غصے سے بھرے ہوئے ہذیان آمیز انکار سے پوچھتے ہیں: ''یہ سب کچھ کیسے ہورہاہے؟ اوراس میں ان کے کیا اہداف ہیں؟'' دراصل اس قسم کے سوالات اٹھاکر وہ اپنی بے مقصدیت کا اظہار کررہے ہوتے ہیں۔

یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ اعلیٰ فکر نئی نسلوں میں تحریک پیدا کرنے والا ترانہ، ان کی دائمی طاقت کو چارج رکھنے والا ڈائنمو، ان کے عشق اور جذبے کو مہمیز دینے والا جوش مارتا ہوا سرچشمہ اور ان کی قسمت کی صدا کو آسمان کی بلندیوں تک اٹھانے والا جذبہ ہے، اسی فکر کے نتیجے میں مسلسل وسعت پذیر مساعی عمومی تحریک، بنیادوں، مختلف سطحوں اور فطری طور پر ایک نئے نظام کا روپ دھار لیتی ہیں اور ان کے لیے ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے لیے راستہ ہموار کریں، بلکہ اگر اس مقصد کے لیے انہیں پہاڑ کو توڑنا پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کریں۔

انسان کے تاریکیوں میں سرگرداں پھرنے کے ادوار میں صحراء سے اٹھنے والے ابتدائی مجاہدین کی اس جماعت کی طاقت کا اہم ترین سرچشمہ ان کا ایمان اور اپنے دلوں میں ابلتے ہوئے ایمانی الہامات کو دوسروں تک پہنچانے کا ہدف تھا، چنانچہ انہوں نے ایک ہی حملے میں دنیا کی منحوس قسمت کو خوشی ومسرت میں تبدیل کردیا اور انتہائی مختصر وقت میں تین براعظموں کے لوگوں کی امیدوں کا مرکز بن گئے۔ عثمانیوں کی اعلیٰ امنگوں کے پیچھے بھی یہی حرکت عمل کارفرما تھی، جس نے ایشیا کے سرسبز علاقوں سے ایک خاندان کو ایک عظیم سلطنت کی داغ بیل ڈالنے کے لیے اناطولیہ لایا، نیز جنگِ آزادی کے سپوتوں کے پس منظر میں یہی محرک کارفرما تھا۔ اسی طرح بیسویں صدی کے نصف تک جس ہندوستانی معاشرے میں زندگی کے آثار تک دکھائی نہ دیتے تھے اس میں ایک

Marfat.com

ایسے عظیم الشان جذبے نے آزادی کی تحریک پیدا کر دی، جس کی بنیاد اس قوم کا ایمان اور امنگ اور یہ سوچ تھی کہ انہیں اپنی شخصیت اور تہذیب کے مطابق زندگی گزارنی ہے۔

تاہم لوگوں کے دلوں میں جذبے کی آگ بھڑکانے اور ان میں تحریک پیدا کرنے والے اعلیٰ ترین ہدف کو متعین اصول وضوابط کا پابند اور کسی مخصوص نظام سے مربوط ہونا چاہیے۔ اگر آپ انجینئر ہیں تو کیا آپ کوئی عمارت بنانے سے پہلے تیاری نہ کریں گے، مثلاً آپ تعمیری سامان کی مضبوطی، معیار، ہم آہنگی اور عمارت کے ڈیزائن اور جمالیاتی پہلو کے ساتھ اس کی موافقت کو جانچیں پرکھیں گے۔ کسی بھی چیز کے تمام اجزاء کے درمیان ہم آہنگی، یکجہتی اور موافقت کے بغیر کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔ انفرادی عزائم اور مہم جوئیوں کو اگر مشترکہ نظام تعلیم کے ساتھ مربوط کر کے اچھی تنظیم نہ بنائی جائے تو اس کا انجام یقیناً افراد کے درمیان تصادم کی صورت میں نکلے گا، جس کے نتیجے میں نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور ہر تحریک کے دوسری تحریک کے خلاف ہونے کی وجہ سے ان کی کارکردگی کم ہو کر صفر کے برابر ہو جاتی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے، جیسے ریاضی میں تکسیری اعداد کو ایک دوسرے سے ضرب دینے سے حاصل ضرب صفر آتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں بعض اوقات نقصان کا باعث بننے کے باوجود انفرادی طاقت کی چنگاری کو بجھنے نہیں دینا چاہیے، بلکہ اس طاقت کے ایک ایک ذرے کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے خصوصی اہتمام کرنا چاہیے، اسے معلوم اہداف کے حصول کی طرف متوجہ کرنا چاہیے اور دلوں کو تصادم کے جذبے سے پاک کر کے اس کی جگہ ہم آہنگی کی ذہنیت کو رکھنا چاہیے، بلکہ ہر انسان کی اس کے مزاج کے مطابق تربیت کی جانی چاہیے۔

اگر ہم یہ کہیں تو شاید غلط نہ ہو گا کہ تمام مذاہب اپنی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں کے ضمن میں اسی فہم کو راسخ کرنے کی غرض سے آئے ہیں، چنانچہ ہر دین نے انفرادی صلاحیتوں کو کچھ اصول وضوابط کا پابند بنایا اور وہ نئی تہذیب وتمدن کی طرف لے جانے والی طاقتور تحریک کی اہم حرکتِ عمل (Dynamism) ثابت ہوا۔ دین کی راہنمائی میں ہر فرد اپنی آزادی اور ذاتی افعال کا معاشرے کی حرکت اور سرگرمیوں کے ساتھ متوازن رشتہ قائم کرتا ہے، جس کے نتیجے میں ایک طرف وہ اپنے ارادے کی آزادی کا حق ادا کرتے ہوئے آزادانہ تصرفات کرتا ہے تو دوسری طرف

Marfat.com

اس بات کا بھی پورا لحاظ رکھتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ ہم آہنگی کیسے پیدا کرنی ہے، چنانچہ وہ ان دونوں مقصدوں میں اس ستارے کی مانند کامیاب ہو جاتا ہے، جو ایک طرف اپنے مدار میں مرکزِ کشش کے گرد گھومتا ہے تو دوسری طرف اسی وقت خود اپنے گرد بھی گھوم رہا ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص کی سرگرمیاں متوازن اور ہم آہنگ اجزاء کی مانند کسی مضبوط اور محکم نظام سے مربوط نہ ہوں تو اسے اپنی سرگرمیوں کی توانائی اور فعالیت کی وجہ سے انہیں ایک مستقل "کُل" سمجھنے کی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی سرگرمیاں عمومی مقصد کو حاصل کرنے میں ایک دوسرے کی معاون ثابت نہ ہوں، بلکہ بسا اوقات شاید ان کے جمود اور خمود سے بھی برے نتائج برآمد ہوں۔ درحقیقت جمود اور خمود اور حرکت میں بد انتظامی دونوں ہی موت ہیں، گو ان کی نوعیت میں فرق ہے۔ جن زوال پذیر قوموں کے افراد اس قسم کی موت کا شکار ہو جاتے ہیں وہ لازمی طور پر مغلوب ہو کر تاریخ کے اکھاڑے سے باہر پھینک دیئے جاتے ہیں۔

انسان میں انفرادیت پسندی کی طرف میلان کے محرکات میں انا پرستی، اپنی صلاحیتوں کی حدبندیوں (limitations) کو نہ سمجھنے کی بنا پر اپنے اوپر حد سے زیادہ اعتماد (over-confidence) اور اتفاق و اتحاد اور متحدہ کوششوں کی روح کی بلند آواز کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرانے کی صلاحیت کا فتور شامل ہے۔ اسی طرح بعض اوقات شہرت، رفعت، بلند خواہشات اور دیگر میلانات بھی انفرادی خیالات کو مہمیز دیتے ہیں اور بسا اوقات اس قسم کے تاثرات ان نامسعود لوگوں میں پیدا ہوتے ہیں، جو دعوت کے راستے کی طرف لوگوں کو بلانے والے اور رضائے الٰہی کے طالب اہل خدمت (دعوت) میں شامل ہونے کے باوجود اپنے مقاصد اور ماحول کو مکمل طور پر فراموش کر کے کھانے، پینے اور سونے کی خواہشات کے غلام بن جاتے ہیں۔ جو شخص بھی اپنے مقصد اور اعلیٰ ترین ہدف کو فراموش کرے گا وہ خود سری کے جال میں پھنس جائے گا، اس کی بدنی خواہشات اس کے خدمت (دعوت) کے شوق اور عشق کو ختم کر دیں گی اور اس کے دل میں دوسروں کی خاطر جینے کے جذبات بجھ جائیں گے۔

اس پہلو سے دیکھیں تو کہا جا سکتا ہے کہ دیگر مسائل کے مقابلے میں ہمارا سب سے بڑا مسئلہ امت کے افراد کے دلوں میں دوسروں کو نئی زندگی دینے کی خواہش کی چنگاری لگانا، امت

Marfat.com

اور اس کے مقصدِ اعلیٰ کو اجنبی اثرات سے پاک کرنا، اس کی خوابیدہ طاقت میں تحریک پیدا کرنا اور منظم و مربوط سرگرمیوں اور نئے ولولے کے ذریعے اسے از سرِ نو اپنی تاریخی فکر کی طرف لوٹنے کی ترغیب دینا ہے، لیکن اس قسم کی تحریک کے لیے معاشرے کے تمام طبقات خواہ ان کا تعلق دیہاتیوں سے ہو یا شہریوں سے، تعلیم یافتہ لوگوں سے ہو یا صنعت پیشہ لوگوں سے، اساتذہ سے ہو طلبہ سے، خطباء سے ہو یا مخاطبین کی جماعت سے، کے ہاں یکساں طور پر قابلِ قبول اور مرکزی اہمیت دیئے جانے والے مقاصد کی نئے سرے سے نشاندہی کرنا ضروری ہے۔ ان میں سے چند عمومی مقاصد حسبِ ذیل ہو سکتے ہیں: اپنی امت کو بین الاقوامی توازن میں کلیدی حیثیت دلوانے کے لیے جدوجہد کرنا، ہر قسم کی قربانی پیش کر کے بغیر کسی سستی کے اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے پر عزم رہنا، فکر کی اولویت اور ملی جذبات کے ساتھ اس کی ہم آہنگی پر توجہ مرکوز کرنا، اس تحریک میں عقلی، منطقی اور شعوری خلاؤں کے ظہور پذیر ہونے کا سدِّ باب کرنا، حقیقت کے ساتھ عشق اور علم و تحقیق کے شوق کو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ سمجھنا اور معاشرے میں اس قسم کی سوچ کو عام کرنا وغیرہ۔

لہٰذا ہمیں یقین ہے کہ اس اعلیٰ مقصد پر متفق لوگ اپنے جذبے اور ولولے کی حفاظت کریں گے، پوری ہم آہنگی اور اتحاد سے اجتماعی سرگرمیاں اور اقدامات کیے جائیں گے، وقت اور وسائل سے ہر ممکنہ طریقے سے فائدہ اٹھایا جائے گا اور وسعت خیالی کی گنجائش کی وجہ سے احیائے نو کے دروازے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔

لیکن اس مقصد کے حصول کے لیے مسلمان کو اسلام کے کسی نئے فہم کی تلقین کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی مسلمانوں کو اسلام کی دوبارہ تعلیم دینے کی ضرورت ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اسلام کے بارے میں مسلمان پہلے سے جو کچھ جانتا ہے اسے اس کی فعالیت، قوتِ تاثیر اور ابدیت کا احساس دلایا جائے، لیکن یہ بہت افسوس ناک بات ہے کہ اس بارے میں لوگوں کے درمیان حماقت کی حد تک اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ خواہشاتِ نفس عقل سے آگے بڑھ کر خدائی دائرہ کار میں داخل ہو جاتی ہیں اور حسّ منطق کے مقام پر فائز ہو کر احکام جاری کرتی ہے۔ یہ گمراہی روائتی منکرین خدا اور ہمیشہ دین پر دشنام طرازی کرتے رہنے والے کافروں میں

Marfat.com

تو پائی ہی جاتی ہے، لیکن بعض اوقات دینداری کے دعویدار مگر قلبی اور روحانی زندگی سے محروم متشوش لوگوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہ دونوں قسم کے لوگ اگرچہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن امت، وطن اور دین کو نقصان پہنچانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دونوں قسمیں دین کی توقیر نہیں کرتیں، دونوں حریت فکر کی اجازت نہیں دیتیں اور دونوں کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہے، جس کی وجہ سے وہ باہمی تعاون سے عاجز نہیں آتیں۔ اُن کا قیمتی ترین سرمایہ افترا پردازی، جھوٹ اور غلط بیانی ہے اور اُن کا بہترین ہنر ان لوگوں کی چغل خوری اور آنکھوں سے اُن لوگوں کے بارے میں اشارے کرنا ہے، جنہیں وہ اپنے میں سے نہیں سمجھتے۔ انہیں اس سے غرض نہیں ہوتی کہ وہ کس کی پناہ اور سہارے میں آرہے ہیں۔ ان کا مقصد صرف ان لوگوں کو شکست دینا ہے، جنہیں وہ آسانی سے شکست نہیں دے سکتے۔ در حقیقت اس سلسلے میں وہ اس قدر شوق اور جدوجہد کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ اگر وہ اسے صحیح مصرف پر خرچ کرتے تو ساری دنیا کو آباد کر دیتے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایسے تاریک اور حوصلہ شکن حالات میں اور سوچنے، دیکھنے اور جاننے کی صلاحیتوں سے عاری معاشرے میں فکری زندگی، حقیقت سے عشق اور علم و تحقیق کا رجحان ختم ہو جاتا ہے، اگر ختم نہ بھی ہو تو اس میں نمو اور اضافہ نہیں ہوتا اور اگر اس میں نمو اور اضافہ بھی ہو تو وہ خوابوں اور تخیلات سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ہماری موجودہ ناگفتہ بہ حالت ہمارے اس دعوے کی کھلی دلیل ہے۔

لیکن حقیقی صورتحال ہماری قوم کی ذہنیت کے تعمیری اور مثبت ہونے اور فکری افلاس کے شکنجے اور فکری عقیدے کی عدم موجودگی سے نجات حاصل کرنے کی متقاضی ہے۔ آج ہمیں ایک اعلیٰ ہدف یعنی اپنی ذاتی تہذیب و ثقافت کے تصورات کے ذریعے نشاۃ ثانیہ کی شدید ضرورت ہے۔ اپنی قوم کی تاریخی اقدار پر استوار عظیم الشان محل کی طرح کی بلندیوں کو چھونے کے لیے ہمیں ہر قسم کے مصائب و آلام سہنے ہوں گے۔ واقعات کے ان کی فطرت کے مطابق وقوع پذیر ہونے کی رعایت اس فطرت کے بارے میں آگاہی کی وسعت کے ساتھ مربوط ہے۔ قرآنِ کریم

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے: ﴿لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَاتَّبَعُوكَ وَلَكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ﴾ (التوبۃ:۴۲) "اگر مالِ غنیمت آسانی سے حاصل ہونے والا اور سفر بھی ہلکا ہوتا تو یہ تمہارے ساتھ شوق سے چل دیتے لیکن مسافت ان کو دور دراز نظر آئی تو عذر کریں گے۔" اور اس طرح آپ ﷺ کو تسلّی دیتا اور راستے میں پیچھے رہ جانے والوں کو ڈانٹ پلاتا ہے۔

اسلام کی نظر میں ہر حرکت و سکون کے ذریعے حاصل ہونے والے بدیہی ہدف یعنی رضائے الٰہی کے حصول کو مقصود کا حصول سمجھا جاتا ہے۔ اس ہدف کے حصول کے بعد بین الاقوامی توازن میں وطن عزیز کو مناسب مفاہم دلانے کی جدوجہد کے نتائج برآمد ہوں یا نہ ہوں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہر ایمانی خدمت اور دعوتی سرگرمی سے مومن کے پیشِ نظر صرف رضائے الٰہی ہوتی ہے۔ اس کے سوا دیگر مقاصد اضافی (Relative)[4] ہوتے ہیں جو حقیقی ہدف کے مقابلے میں وسائل کا درجہ رکھتے ہیں۔

Marfat.com

اسلامی فکر کی بنیادی خصوصیات

اسلام کی جڑیں زمان و مکان کی حدود سے ماورا اور لا محدود ہیں۔ اسلام کا مخاطب انسانی دل ہے، جو اپنی معنوی وسعت سے زمین و آسمان کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس کی منزل دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔

اسلام ازل سے لے کر ابد تک پھیلے ہوئے سیدھے راستے کا نام اور اس آسمانی نظام سے عبارت ہے، جسے اشرف العباد ﷺ سے آغاز کرتے ہوئے تمام دلوں کو کھولنے اور ہر ایک کے دل میں ابدیت کا شوق پیدا کرنے کے لیے نازل کیا گیا ہے۔

جب سے اسلام نے زمین پر اپنا خیمہ گاڑا، اس نے دلوں پر بھرپور توجہ دی، دلوں کو جیتنے کی کوشش کی اور ہر ضمیر میں اپنی صورت کا نقش جما کر زندگی کی تمام اکائیوں کی طرف متوجہ ہوا، یہی وجہ ہے کہ اسلام کی دلوں میں پیوستگی اور حیاتِ انسانی کے مختلف شعبوں میں اس کی اثر انگیزی کے درمیان ہمیشہ ایک تناسب ہوتا ہے۔ جس قدر گہرائی کے ساتھ دل اسے قبول کر کے اسے اپنے اندر جاگزیں کرتے ہیں، اسی قدر ہماری زندگی پر اس کی اثر اندازی اور ہمارے ماحول پر اس کی چھاپ کا فیض جھلکتا ہے، بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ امیدیں اور دلچسپیاں اور اسلام کے نام پر ہمارے ماحول میں بیدار ہونے والی قبولیت کی مسلّمات اِس باطنی صورت کی گہرائی اور اس کے احاطے کی وسعت کے تناسب سے پوری ہوتی ہیں۔ جب بھی انسان کے اندر یہ ابتدائی قبول گہرا ہوتا ہے اس کی تاثیر اردگرد کے ماحول پر بڑھ جاتی ہے اور وہ جہت متعین ہو جاتی ہے، جس کی طرف معاشرہ اپنی اخلاقی، معاشی، سیاسی، انتظامی اور ثقافتی زندگی میں متوجہ ہوتا ہے۔ باطنی یقین کے تناسب سے ایسا ہر زمانے میں ہوتا ہے۔ جی ہاں، معاشرے کی ہیئت میں اس کے اہم خدوخال ہر اعتبار سے نمایاں ہوتے ہیں اور فن و ادب اس کے چہرے پر اِس اندرونی کیفیت اور اس کی زینت کے رنگوں کا غازہ ملتا ہے۔ اس داخلی مفہوم اور اس کی سانس اور کارکردگی کی مغموم آواز کو کائنات اور اشیاء کی گہرائیوں میں سنا اور محسوس کیا جا سکتا ہے الا یہ کہ

Marfat.com

ہمارے کان اِس خاموش باطنی کیفیت کی زبانِ حال سے بغیر آواز اور الفاظ کے دھیرے دھیرے گنگنائے جانے والے خوشگوار نغموں سے خوف کھاتے ہوں۔

لہذا ایمان کے گرویدہ دلوں کے دہانے کھلنے پر ابدی وجود کے نغمے سنائی دینے میں کوئی تعجب کی بات نہیں، نیز اس پر بھی تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ جب یہ لوگ اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینے کے لیے آنکھیں کھولتے ہیں تو اپنے آپ کو جنت کے دامن تک لے جانے والی راہوں پر چلتے ہوئے تصور کرتے ہیں اور سفر کے اختتام پر راستے کی صعوبت اور تھکاوٹ کو سعادت کے سمندر کی موجوں کے حوالے کرتے ہوئے ہائے! ہائے! کی بجائے واہ! واہ! کہتے ہیں۔

دلوں کو جیتنے کے لیے کلمۃ السر ''لا الہ الا اللہ محمّد رسول اللہ'' ہے۔ یہ مختصر جملہ ایک حقیقت کے دو رُخوں یعنی منزلِ مقصود اور اس تک پہنچانے والے راستے پر مشتمل ہے۔ یہ اسلام کی تمام ایمانی خصوصیات کی اساس ہے۔ اسی بیج سے ایمان کا شجر طوبیٰ پھوٹتا ہے، اسی کی معرفت کے ثمرات سے انسان کی حس، شعور اور ادراک کا افق بھرتا ہے اور پھر سب علوم و معارف اندرونی مہم، شعور اور باطنی حس کی وجہ سے عشق اور شوق و اشتیاق میں تبدیل ہو جاتے ہیں، تاکہ انسان کو ہر جہت سے کچھ حدود کا پابند کر کے اسے ایک ایسا نیا انسان بنا دیا جائے، جس کی زندگی کا دائرہ وجدان کے گرد گھومتا ہے۔ یہ کیفیت اُس عاشق و مشتاق انسان کے ہر طرزِ عمل پر غالب آجاتی ہے، اُس کی عبادت و طاعت اِس رشتہ و تعلق اور اِس عشق و اشتیاق کے خطوط سے تیار کردہ نقوش کی حامل ہوتی ہے، اُس کے بشری تعلقات اِس لدُنّی تعلق کا پرتو ہوتے ہیں اور اُس کی تمام معاشرتی، اقتصادی، سیاسی اور انتظامی سرگرمیاں اسی مرکز کی جانب کھینچنے والی قوت کے گرد گھومتی اور گردش کرتی ہیں۔ اسی داخلی حرکیت (Dynamism) سے اُس کی فنی کارکردگی اور ثقافتی سرگرمیوں کی صورت گری ہوتی ہے، اُن میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور وہ دل کے رنگوں اور اُس کی حسن کارکردگی کے ساتھ پوری طرح جلوہ گر ہوتی ہیں۔ جس طرح کسی فنی شاہپارے، کتاب، نقش، شاعری یا موسیقی کی صورت میں کوئی شاہکار باطن کے ترجمان اور ذات کے توشے سے غذا حاصل کرنے والے دل کے جذبات و احساسات اور اُس شاہکار کے خالق کی قلبی کیفیات، اُس کے عشق اور ہجر و وصال کی غمازی کرتا ہے، اسی طرح ایمان، معرفت، محبت

Marfat.com

اور روحانی ذوق سے سرشار روح بھی فن، ثقافت اور دوسری سرگرمیوں پر اپنی اندرونی صورت کا پرتو ڈالتی ہے، انسان، کائنات اور خدا سے متعلق اپنی گہرائیوں میں خوشگوار عرق اور سَت کی صورت اختیار کرنے والے تصورات کو بیان کرتی ہے اور ہمیشہ اپنی باطنی گہرائیوں میں پائے جانے والے معانی کو مرتب کرنے کی سعی کرتی ہے۔

انسان تمام حالات میں اس ارادے اور جستجو میں نہیں رہتا، لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس کے دل میں نظم ایمانی کی تحریک اس کے تمام ارادی اور غیر ارادی افعال کی ایک متعین ہدف کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور یہ بالکل فطری بات ہے کہ اس کی داخلی حرکیت (Dynamism) کے رنگ اور اس کی کارکردگی کا عکس نہ صرف اُس کے طرزِ زندگی، چال چلن، شخصیت اور معاشرتی رویوں پر پڑتا ہے، بلکہ اُس کے فنی مشاغل اور ثقافتی سرگرمیوں میں بھی ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ کائنات میں انسان کا مقام، اس کی تخلیق کی غایت، اس کی صلاحیتوں کا مقصد، اِس غایت و مقصد کے فکری اثرات اور اُس کا فرضِ منصبی اور ذمہ داریاں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُس کے وجود کا احاطہ کر لیتی ہیں اور اسے ہر لمحہ وسیع تر اور بلند تر وجود کے مقابلے میں ممتاز اور برتر حیثیت حاصل کرنے کی طرف توانائی اور تاثیر کے اعتبار سے شدید تر احساسات کے ساتھ متوجہ کرتی ہیں۔

یہ پہلی واضح فکر اُس کی ذہنی، فکری اور عملی سرگرمیوں پر اپنی تاثیر میں اضافہ کرتی رہتی ہے یہاں تک کہ کچھ عرصہ بعد وہ اس کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ یہ فطرتِ ثانیہ اس کی زندگی کے تمام پہلوؤں، عقائد و عبادات، اخلاق و معاشرت، تعلق مع اللہ اور کردار میں اپنی موجودگی کا احساس دلاتی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ انسان اپنی اس پہلی خداداد امتیازی صلاحیت کی وسعت کے تناسب سے اپنی ذاتی حقیقی دنیا کی حدود متعین کرتا ہے۔

قلب و روح کی زندگی کی بلندیوں کی طرف متوجہ شخص کا اندازِ فکر، اس کی حرکت و مصروفیت کی کیفیت، عبادت میں اس کی حساس مزاجی کا نقطۂ آغاز و اختتام، اخلاق کے بارے میں اس کا گہرا فہم، مراقبہ و محاسبہ میں اس کی طبیعت کی بشاشت اور دائمی نگرانی میں اُس کا گناہوں کے خوف کا احساس تو سب کو معلوم ہے۔ جس انسان کا شعور اور فکر اس قدر پختہ اور مستحکم ہو وہ

Marfat.com

زندگی کو اُس کی تمام اکائیوں سمیت ایک ایسی یک دھاری آبشار سمجھتا ہے، جو سمندر میں جا گرنے کے لئے چھینٹے اڑاتے ہوئے بہتی چلی جاتی ہے اور وہ خود اِس آبشار میں عشق و وصال کے نشے میں مخمور ہو کر زندگی بسر کرتا ہے۔ ایمان انسان کے لیے اپنی گہرائی و گیرائی کی بقدر توانائی پیدا کرنے والا ایک ڈائنمو (Dynamo) ہے۔ عبادت اس کی قوّت اور سہارا ہے۔ اخلاق اور تمام انسانی رویے اس کی وجہِ امتیاز اور علامتِ فارقہ ہیں۔ ثقافت اس کے مزاج کا اہم ترین پہلو ہے اور فن اس کی جستجو، گریز، داخلی احساس اور باطنی مشاہدات کا پرتو ہے۔

میں یہاں ایک اور موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں، جس کا اگرچہ یہ محل نہیں، لیکن اس سے متعلق گفتگو فائدے سے خالی بھی نہیں۔ تنزیہ باری تعالی پر خصوصی زور دینے کے باوجود اسلام میں بہت وسعت پائی جاتی ہے، چنانچہ اسلام توحید پر زور دینے کے ساتھ ساتھ تشبیہ اور تجسیم کے خلاف واضح موقف اختیار کرتا ہے اور تاویل کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھ کر سمندر کو ایک قطرے، آفتاب کو ایک ذرے اور مکمل کتاب کو ایک لفظ میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اس مرکزی ڈائنمو (Dynamo) اور بنیادی حرکتِ عمل (Dynamism) کے زیر اثر اسلامی ثقافت انسانی حالات سے متعلق تمام ذہنی اور فکری سرگرمیوں کے لیے وا اور ان سرگرمیوں کے مجموعے کا لب لباب ہے۔ ہم اس میں اپنے ماضی و حال کی ہر ذاتی چیز کو اس کی پوری فعالیت کے ساتھ محسوس کرتے، اس کے مطابق زندگی گزارتے اور اسے ترقی دیتے ہیں اور پھر اس امانت کو ایسے اجتماعی وجدان کے سپرد کر دیتے ہیں، جو جن چیزوں کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے نہ صرف ان سے آگاہ ہوتا ہے، بلکہ انہیں اپنی زندگی میں بھی ڈھالتا ہے۔

لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم صرف اور صرف اپنے اعتقادی اور فکری نظام سے وابستہ رہیں۔ اپنی ثقافت اور اس کے نتائج پر توجہ دیں، اپنی شخصیت کی بقا کے لیے جدوجہد کریں اور حسب ضرورت اپنے فکری نقشے پر نئے فکری اور عرفانی خطوط کا اضافہ کریں۔ ہمیں ہمیشہ اپنے ذاتی مآخذ سے وابستگی، اپنے ملی راستے سے منزل تک پہنچنے کے لیے ذہن کو استعمال کرنے اور

Marfat.com

اپنے آسمان کے گنبد کے نیچے سے کائنات سے آگاہی، کتاب کی طرح اس کے مطالعہ، مطالعہ کے دوران اس کی تفسیر اوراس سے نئے نئے مطالب کے استنباط کی خاطر پوری جدوجہد کرنی چاہیے۔

یہ بات سب جانتے ہیں کہ اسلام دوسری اقوام کی اچھی اقدار کو قبول کرنے کے لیے تیار رہتاہے اورزمین کے کسی بھی حصے میں پائے جانے والے فائدے اور مصلحت کی تلاش وجستجو میں رہتاہے۔ جس طرح اس نے ماضی میں کسی بھی جگہ پائے جانے والے علم طبیعیات، کیمیا، ریاضیات، فلکیات، ہندسہ، طب، زراعت، صنعت اوردیگر مہارتوں سے فائدہ اٹھایا، ان میں اصلاحات کیں اورانہیں ترقی دے کر آنے والی نسلوں کے حوالے کردیا، اسی طرح وہ آج بھی جہاں کہیں بھی قابلِ استفادہ چیزپاتاہے، اسے محفوظ کرلیتاہے، اگرہوسکے تواسے وسعت اورترقی دیتاہے اور پھراس امانت کونئے وارثوں کے سپرد کردیتاہے۔

زمین پرانسان کی خلافتِ الٰہیہ مسلمان سے حقیقت کاعاشق، علم کادلدادہ، باعمل اور بحث وتحقیق میں ماہر ہونے کاتقاضا کرتی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ مومن کواعتقادی اور فکری امور، کتاب وسنت اوررسول اللہ ﷺ سے متعلق موضوعات اورسیَر، اسلامی تاریخ اور فن وادب وغیرہ جیسے امورکے تجزیہ و تحلیل کے سلسلے میں دوسرے مآخذ پراعتماد کرنے سے بچنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام دشمنی پراپنی فکری عمارت کواستوار کرنے والوں، دہریوں، لامذہبوں اوراسلام کو آسمانی وحی کے دائرے سے خارج سمجھنے والوں یااِس حیثیت سے اُسے پیش کرنے والوں سے حسن نیت سے کوئی کام کرنے یامسلمانوں کی خیرخواہی یاان کی ترقی کی خواہش رکھنے کی توقع نہیں رکھی جاسکتی۔ جہاں تک سائنس وٹیکنالوجی کاتعلق ہے تویہ اوپر ذکر کردہ اصول کے دائرے سے خارج ہیں۔ ماضی میں سائنس وٹیکنالوجی مختلف قوموں کے ہاتھوں میں منتقل ہوتی رہی اور مستقبل میں بھی یہ سلسلہ جاری رہے گااوراس امانت کواہل ہاتھوں کے سپرد کر دیاجائے گا۔ سائنس وٹیکنالوجی پرکسی دین یاقوم کی اجارہ داری نہیں ہوتی۔ لہٰذا ہر درست فکر، شعور اور عقیدہ رکھنے والی اپنے قدموں پر مضبوطی سے کھڑی قوم ان خالص علوم کوروئی کے دُھننے کی طرح اپنی روح میں دُھن کرانہیں اپنے دل وجان کی آواز اورانسانیت کوحق تعالیٰ تک پہنچانے کاذریعہ بناسکتی ہے۔

Marfat.com

مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے فکری نظام کے برعکس یورپ میں علمی فلسفہ نے پورے مغرب کو مخصوص حالات اوروجوہات کے سبب دین اور سائنس کے درمیان بپا جنگ میں جھونک دیا ہے، جس کے نتیجے میں دل اوردماغ کے درمیان جدائی ہوگئی ہے۔ صدیوں سے تمام مغربی نظاموں میں پے درپے چلی آنے والی مشکلات کابنیادی سبب یہی ہے، بلکہ ابتدا میں کنیسہ کے بے بنیاد عقائد کے خلاف سائنس و فلسفہ کی جنگ کادائرہ وقت گزرنے کے ساتھ تمام دینی تصورات تک پھیل گیااور سائنس وفلسفہ الحاد کے حمایتی اور طرفدار بن گئے۔ بے داغ اسلامی فکر کو بھی اس دین مخالف رجحان کے کچھ اثرات پہنچے اورانہوں نے اسلام کواس جنگ کے اصل ہدف یعنی کنیسہ کی جگہ رکھ کراسے بدترین ظلم وستم کانشانہ بنایا۔

کنیسہ کے بے بنیاد عقائد کے خلاف سائنس اور فکری حریت کی بنیاد پر قائم یہ تحریک اللہ، دین اوردینداری کے خلاف جنگ میں تبدیل ہوگئی اور پھر اس نے ساری دنیامیں نہ صرف دینداروں کی آواز دبانے اوران پرزندگی کادائرہ تنگ کرنے بلکہ ان کانام ونشان تک مٹادینے کی کوشش شروع کردی۔ اسلام کوحریت فکر پر کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود بعض دشمنانِ اسلام نے اس حقیقت سے آنکھیں موند کرکنیسائی مسیحیت کی طرح اسلام کو بھی اپنے دین مخالفانہ اہداف کانشانہ بنایاہے۔

اسلام تو ہمیشہ سے پوری انسانیت کے لئے ایک نیااور منفرد ضابطہ حیات پیش کرتا رہا ہے۔ یہ ایک ایسانظام جس کی ماضی میں کوئی نظیر نہیں ملتی اور وہ آئندہ بھی کمال ویکتائی کی ایک زندہ علامت رہے گا، کیونکہ اس نے اپنے اصولوں کی روشنی میں بنی نوعِ انسان کے لیے ایک نیا دستورِ حیات پیش کیاہے۔ وہ دنیااور مابعد الدنیا کے عالموں اور طبیعیات و مابعد الطبیعات کی نئی تعبیر پیش کرتاہے اوراپنے مخصوص ظاہراتی(s) نقطہ نظر سے انوکھے اور امتیازی انداز میں انسان، کائنات اور خدا کے درمیان تعلقات قائم کرتا ہے، جس کے نتیجے میں الہیات کے باب میں سارے تضادات کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اس کی متعارف کردہ اقدار انسانیت کے تمام تقاضوں کو بھرپور طریقے سے پوراکرتی ہیں اور حیات وممات کے تعلقات کے ذریعے مخاطبین کے دل ودماغ میں پیداہونے والے تمام عقلی، منطقی، فکری اور حسّی خلا پُر ہو جاتے ہیں۔ اسلام ہمیشہ سے

Marfat.com

ایک حرکی (Dynamic) مذہب رہا ہے، اس میں ہمیشہ وسعت اور کشادگی پیدا ہوتی رہی ہے اور اس نے کسی بھی مشکل کے سامنے کی صورت میں اس پر غور و فکر کرنے میں تاخیر نہیں کی۔ وہ انفرادی، عائلی، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی اور ثقافتی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے معاملے تک سرایت کرتا ہے اور زندگی کی تمام اکائیوں میں زمانے کے تقاضوں کے مطابق کسی بھی عملی چیز سے زیادہ مستحکم صورت میں اپنی موجودگی کا احساس دلاتا ہے۔

اسلام مغرب میں معروف مثالی نظریے (Idealism) کی طرح نہیں کہ جس کا وجود محال ہو، کیونکہ یہ مفہوم تو کوہِ قاف کے پیچھے سے نامعلوم زمین پر طلوع ہونے والا تخیلاتی آفتاب ہے ... ایک ایسا آفتاب جس کی کرنیں ہماری عملی زندگی پر کبھی بھی نہیں پڑتیں اور نہ ہی اس کا ہماری زندگی کی چھوٹی سے چھوٹی اکائی میں ظہور ہوتا ہے، بلکہ اس کی غیر حقیقی کرنوں کا غیر واقعی مثالیت کی مانند محض تخیل کے ساتھ ٹکراؤ ہوتا ہے اور کسی خواب کی مانند دور افق سے حقیقی زندگی اور اس کے حقائق کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی ہیں۔ صرف اسے پیش کرنے والے لوگ ہی اسے لذت سے متصف کرتے ہیں۔

اسلام انسانیت کو ذاتی خصوصیات کے حاصل، زندگی کے ہر شعبے میں قابلِ عمل اور اپنے اوپر عمل درآمد کرانے کے متبادل ذرائع کے مالک نظام سے روشناس کراتا ہے، چنانچہ اس کی صدا پر لبیک کہنے والے لوگ اس میں ایک رنگین، نمو پذیر اور اپنی فطرت سے ہم آہنگ نظام کا کیف و سرور پاتے ہیں۔ ہر چیز اس کے دائرہ کار میں شامل ہے۔ ضمیر میں پہلی مرتبہ قبولیت سے لے کر زندگی کے انتہائی مراحل کے اخلاقی مسائل تک اور انفرادی اور عائلی زندگی کے لطیف ترین مسائل سے لے کر بڑی بڑی معاشرتی مشکلات تک کے لئے وہ منفرد حل پیش کرتا ہے اور کوئی شخص کتنا ہی پریشان اور بے حوصلہ کیوں نہ ہو اگر وہ اسلام کا دامن پکڑ لے تو مایوس نہیں لوٹتا۔ اسلام اپنی مہم کا آغاز فرد کے ضمیر سے کرتا ہے اور جب وہ اس میں مستحکم ہو جاتا ہے تو وہ اپنی غیر معمولی ذاتی خصوصیات کے ساتھ وہاں سے باہر نکلتا ہے، اپنے ماحول اور گردوپیش میں بہنے لگتا ہے، ہر جگہ کو پنیریوں کے کھیتوں میں تبدیل کر دیتا ہے، ہر چیز کو اپنی روح کے رنگ میں رنگ دیتا ہے، جہاں بھی اس کی جڑیں پہنچتی ہیں وہاں زندگی کا رنگ ڈھنگ بدل جاتا ہے اور وہ دلوں کو اپنی ابدیت کا

Marfat.com

نغمہ سناتا ہے۔ وہ ہمیشہ سے عالمی امن کا علمبر دار، اجتماعی ہم آہنگی کا ترانہ اور رواداری اور مکالمے کا حامی رہا ہے۔ باقی شور وشغب، وحشی پن، بغض اور کینہ بیرونی دشمنوں کی روحانی شخصیت سے منعکس ہونے والی متلی یا جاہل منتسبین کے سوئے ہضم کا نتیجہ ہے۔ جب ان دشمنوں میں سے کوئی ایک ہٹ جاتا ہے تو اِس آفتاب کی پوری آب وتاب نظر آنے لگتی ہے اور جب یہ دونوں مل کر اس پر تاریکی کے پردے ڈال دیتے تو اسے گہن لگ جاتا ہے۔

اگر دشمن ظلم میں کچھ کمی کرتے اور دوست کچھ وفاداری کا ثبوت دیتے تو اسلام آتش فشاں پہاڑ یا روشنی کی کرنوں کی مانند اپنے مرکز سے نکل کر بغض اور کینے جیسی ظلمتوں کا روئے زمین سے صفایا کر دیتا اور دنیا کو ایسے پر سکون باغات میں تبدیل کر دیتا جن کی سرحدیں جنت سے ملی ہوتیں، اس کے زیر سایہ جنگ وجدال اور دہشت واضطراب کو فراموش کر دیا جاتا اور ہر جگہ محبت، احترام، ہم آہنگی اور خوشیوں کی خوشبو مہکنے لگتی۔ جس دل میں اسلام گھر کر جاتا ہے وہ خالق کی خاطر مخلوقات اور صانع کی خاطر مصنوعات کے بارے میں محبت، احترام اور رواداری کے جذبات سے بھر جاتا ہے۔

دل میں ایمان اور تعلق مع اللہ بغض، کینے اور عداوت کے ساتھ کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ روزانہ، ہفتہ وار اور سالانہ بنیادوں پر مختلف قسم کی عبادات کے ذریعے ایمان اور حق کے ساتھ کئے گئے عہد اور انتساب کی تجدید کر کے اپنی روحانی رونق اور نورانیت کی حفاظت کرنے والے دل کا دروازہ عداوت کے لئے کھلا رہے، کیونکہ ہمارا ہر اسلامی طرزِ عمل ہمارے اندر مسلمان ہونے کا شعور پیدا کرتا اور ہمیں ایمانی زندگی کی طرف لے جاتا ہے۔ جب ہماری کیفیت کا پرتو ہماری وجدانی کامیابیوں، قلبی واردات اور ہمارے کردار پر پڑے گا تو یہ ہمارے اخلاق کی برکت ہوگی۔ ہماری کیفیت کا ہمارے تصرفات سے پیدا ہونے کا دوام ہماری ثقافت کا ثمرہ ہے، جس کے نتیجے میں ہماری ذات اور شخصیت کی ضمانت فراہم ہوتی ہے۔ اللہ تعالی سے مضبوط تعلق رکھنے والی انسانی یکجہتی، ایمان، اعتماد اور قلبی سکون معاشرے میں محبت،

Marfat.com

اہتمام، اخلاص اور مودت پھیلاتا ہے اور اس طرح مسلمان فرد اس قدوسی کشش کی برکت سے انفرادیت کے دائرے سے نکل کر پوری قوم وملت کا روپ دھار لیتا ہے۔

جس طرح فکر، فن اور حکمت عملی سے متعلق خیالات انسان کی ذات میں پیدا ہو کر مخصوص صورت اختیار کرتے ہیں اور اگر انہیں نشوونما کے لیے مناسب ماحول ملے تو پھلتے پھولتے ہیں، اسی طرح عبادات، اخلاق، روحانی زندگی، ثقافت اور تمام انسانی تعلقات سب سے پہلے ایمان و اذعان کی صورت میں انسان کے دل میں محسوس ہوتے ہیں اور پھر سارے دائرہ حیات پر محیط ہونے اور تمام انسانی تصرفات کو اپنے رنگ میں رنگنے کے لیے نشوونما پاکر ہر ارادے مہم، حرکت اور سرگرمی کی بنیادی اور امتیازی علامت بن جاتے ہیں اور ہر معاملے میں اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہیں۔

اسلام دوسرے تمام دینی اور فلسفیانہ نظامہائے حیات سے اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس نے انسانیت کو عالمگیریت کی حامل فکری اور حیات بخش صورت عطا کر کے اپنے پیروکاروں کو اس کے مطابق زندگی گزارنے کی ذمہ داری سونپی ہے (گو عالمگیریت کے باوصف یہ صورت اسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔) یہی وجہ ہے کہ اس حقیقت سے آشنا ہر مسلمان اپنی تمام سرگرمیوں اور انفرادی، عائلی اور معاشرتی تعلقات کو اس کے دائرے میں محدود رکھنے کی کوشش کرتا ہے، اس فہم کے مطابق اپنے مستقبل کی منصوبہ بندی کرتا ہے اور اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لیے حسبِ استطاعت کمربستہ رہتا ہے۔ بلاشبہ بلند افکار اور مقاصد اس وقت تک محض حسین خواب ہی رہتے ہیں جب تک حالات کے مطابق انہیں عملی جامہ پہنانے کے لیے جہدِ مسلسل نہ کی جائے۔ اگر ہم نے اس سلسلے میں کوتاہی کی تو حالات کی چکی ہمیں اپنے پاٹوں میں پیس کر رکھ دے گی۔

یہ درست ہے کہ ہمارے دلوں میں راسخ ایمانی حقیقت اسی قدر پائیدار اور دیرپا ہوتی ہے، جس قدر وہ ہماری عملی زندگی میں وسعت اور ترقی پاتی ہے۔ اگر دلوں میں بوئے جانے والے بیج نشوونما پاکر تصرفات میں استقلال اور خوداعتمادی، نماز میں وقار اور خشوع اور معاشرتی

Marfat.com

تعلقات میں حق پرستی اور انصاف کے محرک میں تبدیل ہو جائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے حالات میں انسان کے سامنے غیر محدود ترقی اور وسعت کے آفاق کھلے ہیں، جس طرح اس طرح کا ایمان انسان کے لیے طاقت اور توانائی کا ایک نہ ختم ہونے والا سرچشمہ ہے، اسی طرح وہ اسے خلافت کے نام سے معاملات میں مداخلت کرنے، ماحول کو اپنے جذبات اور افکار کے مطابق ڈھالنے اور جمالیاتی مشاہدے اور آرٹ کے جذبے سے توحید و تنزیہ کے محور میں گردش کرتے ہوئے لامحدودیت کو پانے کے مقام تک پہنچانے کا ایک معتبر زینہ بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان حیرت انگیز اور مسحور کن حسن و جمال کا مشاہدہ کرنے والی روحوں میں پائے جانے والے آرٹ کے جذبے کو مہمیز دیتا ہے ..... بلاشبہ صاحبِ ایمان ماہرِ فن لامحدود وجود کے منشور (Prism) کے ذریعے حقیقتِ مطلقہ تک رسائی حاصل کرلیتا ہے اور لوح پر بُرش کے ذریعے مختلف خطوط اور ڈیزائن بنا کر اس میں مسلسل ابدیت کے رنگ بھرتا ہے، یہاں تک کہ دیکھنے والا اپنے آپ کو فنی تختی میں ہر تامّل میں وجود کو گہنا دینے والے شاہکار کے سامنے پاتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ فن کی زبان سے توحید و تنزیہ کے ملاحظات کے تصور کے دائرے میں اور طلسماتی دنیا میں محدود معلومات میں لامحدودیت، قطرے میں دریا اور ذرے میں کائنات بھر کے مشاہدے کی مستی سے مخمور ہو جاتا ہے۔

ہم سارے اسلامی فن کو تاثیر و تاثر کے مخصوص عوامل کے انکار یا مہارتوں کے اعلان و تشہیر کے محدود دائرے کے تناظر میں نہیں سمجھنا چاہتے، بلکہ ہم اسے روح، حقیقت اور باطن سے تعلق رکھنے والے وجود اور واقعات میں دیکھے اور محسوس کیے یا سمجھے جانے والے تعلقات کے درمیان اور دل، شعور اور احساس کی زبان کے درمیان ہم آہنگی پیدا کر کے سمجھنا چاہتے ہیں، جس کے نتیجے میں اسلامی فن اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ خطِ مستقیم سے ہٹے بغیر واجب الفہم یکتا اور مستحکم حقیقت کا احساس دلانے والی لچک کے ذریعے مختلف انداز اور درجات سے اور اشارہ کر کے ہمیشہ ایک ایسی ہستی کی طرف راہنمائی کرتا رہے جس کی کوئی مثل نہیں، تاہم اس کا نقطہ نظر ہر لحاظ سے جدت کا حامل ہوتا ہے اور وہ اس دائرے سے اندر اور باہر طلسماتی لکیروں کے ذریعے کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت کا مظاہرہ کرتا ہے۔

Marfat.com

حاصل یہ کہ اسلام کتاب فطرت کی آواز، سانس اور تفسیر وتوضیح ہے، نیز وہ کائنات کے ماضی، حال اور مستقبل کا نقش، صورت اور خاکہ اور اس کے بسااوقات بند دکھائی دینے والے دروازوں کی خفیہ کلید ہے۔ اسلام ایک ایسا کُلّ ہے، جو تمام امور اور معاملات کی وضاحت کرتا ہے۔ اس کل کے اجزا کو علیحدہ علیحدہ کر کے ان سے جامع مفہوم کا استنباط کرنے کی کوشش کرنا غلط، بے فائدہ کام اور روحِ اسلام کی اہانت ہے۔ واعظانہ انداز میں چند آیات و احادیث کی روشنی میں اسلام کو سمجھنے یا اسے ان تک محدود کرنے والا شخص ان بہترین دھنوں کو سننے کی کتنی ہی کوشش کرے وہ، حقیقی نقص کے احساس کی وجہ سے شکستہ دل اور ہمیشہ روحانی پستی کا شکار رہتا ہے۔

اسلام ایمان، عبادت، اخلاق، فکر، علم وفن اور انسانی اقدار کو رفعت عطا کرنے والا نظام ہے۔ وہ زندگی کو ایک ہمہ جہت کل کی حیثیت سے دیکھتا ہے، اس کی توجیہہ پیش کرتا ہے، اپنی اقدار کے ذریعے اس کی اصلاح کرتا ہے اور اپنے پیروکاروں کے سامنے ہر نقص سے پاک آسمانی دستر خوان چنتا ہے۔ وہ ہمیشہ زندگی کی عملی توجیہہ پیش کرتا ہے اور کبھی بھی عملی زندگی سے کٹے ہوئے خیالی احکام کی دعوت نہیں دیتا، وہ اپنے احکام و اوامر کو زندگی کے زمینی حقائق سے مربوط رکھتا ہے اور کبھی بھی ان کی بنیادیں خوابوں پر استوار نہیں کرتا۔ اسلام عقائد سے لے کر فن وثقافت تک تمام پہلوؤں سے زندگی میں حرکیت (Dynamism) کا حامل ہے اور یہی اس کی توانائی اور لافانی عالمگیریت کی اہم ترین بنیاد اور علامت ہے۔

Marfat.com

معقولیت اور عقل کے دورُخ

عقل مادے سے پاک لیکن اس سے متصل جوہر اور مادے سے مابعد الطبیعات تک پھیلی ہوئی روشنی کی کرن ہے۔ وہ روح کا اہم ترین مدرسہ، انسانی ماہیت کی تیز ترین روشنی، حق و باطل میں امتیاز کرنے والا نظام اور وہ چیز ہے جسے پہلے لوگ ''نفس ناطقہ'' سے تعبیر کرتے تھے۔ تصوف کے نقطہ نظر سے النورالا عظم اور ''عرشِ محمد'' کی طرح یہ بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ایک نام ہے۔ بعض صوفیاء کے نزدیک یہ عقل جزئی یا عقل مجازی سے عبارت ہے اوراخروی اور مابعد الطبیعاتی نقطہ نظر سے یہ ''عقل معادی'' کہلانے والا انسانی جوہر ہے۔

عقل کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ وہ انسان کو غور و فکر، ادراک اور فہم کی طرف متوجہ کرنے اور برائیوں سے روکنے اور بھلائیوں کی ترغیب دینے کی حیثیت سے روح کا حفاظتی مرکز ہے۔ فلسفہ عقل پر بہت زور دیتا ہے۔ علم کلام بھی دین کے بہت سے بنیادی مسائل کو عقل سے مربوط کرتا ہے۔ بعض صوفیائے کرام خیر و شر اور نفع و نقصان کے لحاظ سے اسے عقل سماوی اور عقل ترابی میں تقسیم کرتے ہیں۔ یہاں ہم انہی اشاروں پر اکتفا کرتے ہیں، کیونکہ یہ ہمارے مضمون کے دائرے سے خارج ضمنی موضوعات ہیں، نیز ہم عقل کے حصولِ علم کا ایک ذریعہ ہونے کی حیثیت سے بھی صرف نظر کرتے ہیں، گو یہ بہت اہم موضوع ہے۔ اسی طرح عقل کا مدارِ تکلیف ہونا، غور و فکر کی بنیاد ہونا، محاکے کا پہلا جوہر ہونا، انسان کو حیوان سے جدا کرنے والا ہونا، اسے انسانی شخصیت تک پہنچانے والا ہونا اور خالق کی طرف سے انسانیت کے لیے بہترین تحفہ ہونا ہمارے اس مختصر مضمون کے لحاظ سے ضمنی موضوعات ہیں، جن کی طرف ہم صرف بعض پہلوؤں سے اشارہ کرنے پر اکتفا کریں گے۔

یہاں ہم اختصار کے ساتھ وحی، الہام اور وجدان کی حمایت یافتہ عقل مکوّن اور مابعد الطبیعی امور سے غافل، آسمانی تعلقات سے محروم اور محدود لچک کی حامل اس کی ضد ''تنگ عقل'' پر رسائل النور کے تصورات کے مطابق عقل کے وظائف کے دائرے میں رہتے ہوئے روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ اس دوران ہم بعض پہلوؤں سے مناسبت پائے جانے کے باوجود نظری اور عملی عقل

Marfat.com

کے بارے میں کانٹ کے پیش کردہ مفروضات اور ''عقل مکوِّن'' اور ''عقل مکوَّن'' کے بارے میں Lalande کے نظریات سے بحث نہیں کریں گے۔ اختصار کو پیشِ نظر رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ ان موضوعات پر سیر حاصل بحث کے لیے ہزاروں صفحات درکار ہوتے ہیں، لیکن عملی زندگی پر ان کے اثرات نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔

بدیع الزمان نورسی اور دیگر مسلم مفکرین کی رائے میں عقل اپنے مخفی پہلوؤں کے لحاظ سے کتابِ فطرت کو پڑھنے والی آنکھ اور متنوع قسم کی وسیع لہروں کو پکڑنے والا اندرونی کان ہے، کیونکہ وہ جن آوازوں اور دھنوں کو سنتا ہے، انہیں مختلف نئے معانی سے مربوط کر دیتا ہے۔ عقل اشیاء وواقعات سے متجاوز بحث و تحقیق کے ذریعے باخبر رہنے والے ماحول کے ادراک اور کائنات اور مابعد الطبیعاتی دنیاؤں کی سیر کرنے والی باطنی آنکھ سے عبارت ہے۔ انسان آنکھ اور کان کے ذریعے جو کچھ دیکھتا اور سنتا ہے عقل کے ذریعے اسے پرکھتا ہے، اس کی راہنمائی میں وجود کے پردوں کے پیچھے جھانکتا ہے، اس کے ذریعے اللہ جلّ جلالہ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرتا ہے، بہت سی اختیاری اور جبری ذمہ داریوں کو اٹھانے کا اہل قرار پاتا ہے، ساری کائنات اور سارے واقعات کے بارے میں جانچ پرکھ کر کے انہیں مستحکم بنیادوں پر استوار کرتا ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سفر جاری رکھتا ہے۔ خیر اور حسن کے معاملے میں عقل ہماری دانش اور محاکمے کو وحی اور الہام کی دولت سے مالا مال کر کے اخروی ابعاد سے آنے والی صداؤں کی بازگشت بن جاتی ہے، جہاں تک شر اور قبح کا تعلق ہے تو عقل حدود اللہ کی منطقی توجیہہ پیش کرتی ہے، نفسانی خواہشات کے منہ زور گھوڑے کو لگام دیتی ہے اور نفس کے حملوں کے خلاف دوررس اثرات کے حامل منصوبے تشکیل دیتی ہے۔ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ عقل شیطان کے مختلف جالوں کو تار تار کرنے کے لیے ہمیں فوری اور قصیر المدت حکمت عملیاں بنا کر دیتی ہے اور محاسبہ و مراقبہ کے سانچوں میں ڈھلے ہوئے افکار سے تیار کردہ بیڑیوں اور زنجیروں سے ہماری جسمانی خواہشات اور رغبتوں کو قابو کرتی ہے۔ جب تک عقل اپنے آسمانی وصف کی حفاظت کرتی ہے اس وقت تک وہ نفسانیت کو کچلتی اور اسے اس کی ذاتی خصوصیات سے پیدا ہونے والی دناءت سے یوں بچاتی ہے جیسے وہ انسانی اقدار کی محافظ و نگہبان ہو۔ یہ بالکل واضح حقیقت ہے کہ آسمانی یا اخروی عقل کی مذکورہ بالا خصوصیات عقل ترابی یا عقل معاش میں نہیں پائی جاتیں۔

Marfat.com

اگرچہ موقع و محل کا تقاضا یہ ہے کہ ہم عقل کی قدر و منزلت، مسئولیت میں اس کا مقام اور اسلام میں اس کی حجیت پر بھی روشنی ڈالیں، لیکن ہم چاہتے ہیں کہ ہم یہاں صرف قرآن کریم اور بدیع الزمان نورسی کے نقطہ نظر سے معقول سمجھنے والے امور تک اپنے آپ کو محدود رکھیں۔

قرآنی نقطہ نظر سے اسلام کے فکری نظام میں عاقل اور غیر عاقل، فطرت اور خلقت، ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب قوت تخلیق اور خود بخود پائے جانے اور ہر چیز پر محیط ارادے کے ذریعے وجود میں آنے دوسرے لفظوں میں توحید کے افق اور شرک کے انحراف کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ آفرینش انسان سے مفیسٹو اور فوسٹ (Mfystv and Faust) (6) کی ٹریجڈی جاری ہے۔(انسان کے وجود سے وابستہ زمانی قید خارجی توجیہہ کی خصوصی موجودگی کی وجہ سے لگائی گئی ہے، وگرنہ کائنات اور واقعات کی توجیہہ محض کا تقاضا یہ ہے کہ حضرتِ انسان کی تخلیق سے پہلے بھی یہی صورتحال موجود ہو اور اچھوں اور بروں کی جنگ اور شیطانی اور حق پرست روحوں کے درمیان مقابلہ ہمیشہ جاری رہے۔)

نامعقولیت کے نمائندے اور مادی تخلیق کی فکر اور کائنات اور واقعات میں مادی اسباب سے وابستگی رکھنے والے ہر دور میں اور ہر جگہ صف بندی کرتے رہے۔ وہ کبھی فطرت کے خود ساختہ معبودوں کے گرد جمع ہو جاتے اور کبھی اسباب کی موہوم قدرت کے گرد اکھٹے ہو جاتے، لیکن وہ معقولیت کی نمائندگی کرنے والے انبیاء، اصفیاء اور اہل ایمان سے جنگ کرنے سے باز نہ آتے۔ بسا اوقات اس محاذ کے لوگ زمان و مکان کے حسبِ حال اپنی حکمت عملی تبدیل کر لیتے، لیکن ان کے جنگی حوصلے اور جدوجہد کے سرچشمے میں کوئی تبدیلی نہ آتی، بلکہ وہ ایک ہی رہتا، جس کے نتیجے میں یا تو وہ تخلیق، عنایت، مارنے اور جلانے جیسے الوہیت کی حقیقت کے لوازم کو اسباب، اتفاقات اور فطرت جیسی ایسی چیز کی طرف منسوب کرتے، جس کا وجود وہم سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا یا پھر خدائی افعال کو ان امور کے ساتھ مربوط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پہلی قسم کے لوگوں کے الحاد میں تو کوئی شک نہیں ہے اور دوسری قسم کے لوگوں

Marfat.com

نے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء کو اس کے خدائی افعال میں شریک ٹھہرا کر شرک کا ارتکاب کیا ہے۔ توحید قادرِ مطلق، خالق، پیدا کرنے والے، زندگی اور موت دینے والے، رزق عطا کرنے والے، نظام دنیا چلانے والے، سننے اور دیکھنے والے اور ہر چیز کا احاطہ کرنے والے خدا کے ساتھ ادنیٰ درجے کے بھی مماثلت کا خاتمہ کر کے شرک اور نامعقولیت کا ازالہ کر دیتی ہے۔

اس نقطہ نظر سے قرآنِ کریم کا بنیادی موضوع توحید عقل کے موافق اور معقول بات ہے، جبکہ کائنات کو اسباب، فطرت یا دیگر اشیاء کے ساتھ مربوط کرنا خلاف عقل اور غیر معقول بات ہے۔ یہاں ہم موجودہ صورتحال کی طرف ایسے طور پر اشارہ کریں گے کہ جس سے معقول اور غیر معقول امور میں خود بخود فرق واضح ہو جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں ہم اشیاء کی وضاحت ان کی نقیضوں کے ذریعے کریں گے۔

اشیاء کو حقیقی توحید کے ساتھ مربوط نہ کرنے کی صورت میں لامحالہ طور پر ایسی بہت سی موثر ہستیوں کے وجود کو تسلیم کرنا پڑے گا، جو پیدا کرنے، موت وحیات بخشنے، دیکھنے اور اہتمام کرنے میں خدا جیسی قدرت کی مالک ہوں، لیکن اس قسم کے مفروضے کو تسلیم کرنے سے ناممکنات کے ایک لامتناہی سلسلے کو تسلیم کرنا پڑے گا جو کہ واضح طور پر خلاف عقل ہے۔ معقول اور غیر معقول کا مفہوم جسے علمائے کلام نے مختلف عنوانوں کے تحت بیان کیا ہے، بدیع الزمان نورسی کے ہاں مخصوص قرآنی آواز اور رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ قرآن کریم کی رُو سے معقول اور غیر معقول امور کے بارے میں تحقیق کرنے والا شخص ان دو مفاہیم سے تعلق رکھنے والے مختلف معانی سے متعارف ہوتا ہے۔ قرآن کریم بہت سے آیات میں ہمیں ہمیشہ محاکمے کی دعوت دیتا اور منطق کے سامنے نئے آفاق کھولتا ہے، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿أم اتّخذُوا آلهة مّن الْأرْض هُمْ يُنشرُون O لوْ كان فِيهما آلِهةٌ إلّا اللّهُ لفسدتا فسُبْحان اللّه ربِّ الْعرْش عمّا يصفُون﴾ (الأنبياء: ۲۱: ۲۲) ”بھلا لوگوں نے جو زمین کی چیزوں سے بعض کو معبود بنالیا ہے تو کیا وہ ان کو مرنے کے بعد اٹھا کھڑا کریں گے؟ اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا معبود ہوتے تو زمین اور آسمان درہم برہم ہو جاتے۔ جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں تو اللہ جو مالک عرش ہے ان باتوں سے پاک ہے۔)

Marfat.com

قرآنِ کریم تعبدی احکام کے سوا دیگر تمام مسائل میں عقل، منطق اور محاکے کا حوالہ دے کران میں کسی بھی قسم کے عقلی، قلبی یا روحانی خلا کی گنجائش نہیں چھوڑتا، بلکہ اپنے مخالفین کے غیر معقولیت پر مبنی مختلف قسم کے مغالطوں اور خیالوں کے خلاف فکر سلیم، اصولوں پر مبنی محاکے اور منظم طرزِ فکر کی آواز بن کر انہیں لاجواب کر دیتا ہے اور ان پر فتح پاکر اختلافات کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ ہمارے نزدیک قرآنِ کریم کی یہ فتح مبین انبیائے کرام اور عقل سلیم کی فتح وکامرانی بھی ہے۔

عروج وزوال کے لحاظ سے تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، کیونکہ کبھی وحی اور عقل کو نظر انداز کیا جانے لگتا ہے اور کبھی آسمانی روشنی اور عقلی سرگرمیوں کو اہمیت دی جانے لگتی ہے۔ جب دل ودماغ انبیائے کرام کی پھیلائی ہوئی روشنی سے جگمگا اٹھتے ہیں، مادہ پرستی کسی کونے میں سمٹ کر جا بیٹھتی ہے، طبیعیات اور مابعد الطبیعات کو ان کا حقیقی مقام مل جاتا ہے اور مولانا جلال الدین رومی کی اصطلاح میں ''عقل آسمانی'' اور امام غزالی کے الفاظ میں ''عقل معاد'' عقل معاش اور عقل ترابی پر غالب آجاتی ہے تو اس وقت دل ودماغ کے درمیان ایک نیا توازن قائم ہوتا ہے اور ایک نئی ولادت ہوتی ہے۔ یہ ولادت وجود کی نئی توجیہہ پیش کر کے زمانے کا صحیح ادراک کرتے ہوئے کائنات کو اس کے حقیقی مالک سے مربوط کرنے سے عبارت ہے۔ یہ انسان کے اندرونی تضادات سے نجات پانے کا نام ہے۔ جب بھی آنکھیں آسمانی انوار کو دیکھنے سے محروم ہو گئیں، عقل کو نظر انداز کیا گیا، غور وفکر کو چھوڑ دیا گیا اور ''معقول'' بات کو کلی طور پر طاقِ نسیان میں رکھ دیا گیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ زندگی کے ہر شعبے میں غیر معقول امور کے پرچم بلند ہو گئے اور انسانیت تضادات کا شکار ہوتی چلی گئی، چنانچہ اس نے زرادشت، عزیر اور مسیح علیہما السلام کو نعوذ باللہ خدا کا بیٹا بنا دیا اور وہ تثلیث کی گمراہی اور انحراف کا شکار ہو گئی۔ ایسی صورتحال میں وحی اور عقل سے متعلق پیمانے ٹوٹ اور ادارے زمین بوس ہو جاتے ہیں۔

کبھی ''غیر معقول'' کا ظہور ''وَدّ''، ''یغوث''، ''یعوق'' اور ''نسر'' کی صورت میں ہوتا ہے، کبھی وہ ''نور اور ظلمت'' کا لبادہ اوڑھ کر آتا ہے، کبھی وہ ''کلی روح'' یا لات، مناۃ، عزی، نائلہ اور اساف کے بتوں کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے اور کبھی وہ آگ، سمندر، بجلی کی چمک اور آندھی جیسے خوفناک مظاہر فطرت کی صورت میں آشکارا ہوتا ہے۔ بہر حال کجی اور انحراف

Marfat.com

کی متلاشی روحیں کبھی تو ابتدا میں حسن نیت سے گمراہی کی کھائی میں جاگرتی ہیں جیسا کہ ود، یغوث، یعوق اور نسر کے پوجنے والوں کے ساتھ ہوا اور کبھی وہ معقول اور آسمانی ہدایت کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے غلط راستے پر چل پڑتی ہیں اور درستگی سے دور ہوتی چلی جاتی ہیں اور کبھی آغاز میں مرکز سے انحراف کے معمولی ہونے کی وجہ سے اس سے غفلت ہو جاتی ہے، لیکن جب مرکز سے دور ہونے کے بعد انحراف کے بارے میں پتہ چلتا ہے تو اس وقت انحراف کے دائرے کے وسیع ہو چکنے کی وجہ سے نقطہ آغاز کی طرف لوٹنا مشکل ہو جاتا ہے اور پھر واضح حقائق کی اوہام وخیالات کے ذریعے تفسیر کر کے تلویث کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ غیر معقولیت واضح طور پر عقل اور وحی کے خلاف اور صریح گمراہی ہے، خواہ اس کا ارتکاب کسی خدائی فعل کو کسی بت کی طرف واضح طور پر منسوب کر کے کیا جائے یا مشرکین کی طرح اپنے افعال کا جواز پیش کرنے کے لیے شفاعت کرنے والے مقربین کو واسطہ بنا کر کیا جائے۔

وحدت ہمیشہ سے معقول بات رہی ہے اور جب بھی اس سے انحراف ہوا انسانیت غیر شعوری طور پر غیر معقول کثرت میں مبتلا ہو گئی اور اس نے مختلف انداز سے بہت سی چیزوں کو ایک حقیقی ذات کی جگہ رکھ دیا، مثلاً صائبین سورج، چاند اور ستاروں کو موت وحیات اور سعادت وشقاوت کا مالک سمجھتے اور مسلمانوں کے عقیدہ تقدیر کے مد مقابل مصائب وآلام کے بارے میں مخصوص تصورات پر ایمان رکھتے تھے۔ انیمون کے ہاں ''روحِ کلی'' کو معبود کا مقام حاصل تھا۔ مجوسی نور اور ظلمت کو پوجتے تھے اور بت پرست مختلف ناموں اور اوصاف کے حامل بتوں کی پرستش کرتے تھے، حتیٰ کہ جب وحی الٰہی نے انہیں اس گمراہی سے روکنا چاہا تو وہ آسمانی اور معقول راستے کی طرف اپنا رخ پھیرنے کا سوچنے کی بجائے کہنے لگے: ﴿ إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِمْ مُقْتَدُونَ﴾ (سورۃ الزخرف: 23) ''ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راہ پر پایا ہے اور ہم قدم بقدم ان ہی کے پیچھے چلتے ہیں۔'' یہ لوگ کسی بھی معاملے میں معقولیت کی ذرا پروا نہیں کرتے۔ ان کا مقصد محض اپنی خواہشات، رغبتوں اور آباء واجداد کی پیروی کرنا ہوتا ہے، بشرطیکہ اس سے ان کا کوئی مفاد وابستہ ہو۔ قرآنِ کریم ان اندھی تقلید کرنے والوں اور ان سے پہلے اور بعد کھوکھلی مورتیوں کے پیچھے لپکنے والوں کی عقل کو کوستے ہوئے کہتا ہے: ﴿وَإِذَا

Marfat.com

قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللّهُ قَالُواْ بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لاَ يَعْقِلُونَ شَيْئاً وَلاَ يَهْتَدُونَ O وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُواْ كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لاَ يَسْمَعُ إِلاَّ دُعَاء وَنِدَاء صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لاَ يَعْقِلُونَ﴾ (البقرۃ:۱۷۰-۱۷۱) "اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو کتاب اللہ نے نازل فرمائی ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں نہیں بلکہ ہم تو اسی چیز کی پیروی کریں گے، جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ بھلا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ سیدھے رستے پر ہوں تب بھی وہ انہی کی تقلید کیے جائیں گے؟ اور جو لوگ کافر ہیں ان کی مثال اس شخص کی سی ہے، جو کسی ایسی چیز کو آواز دے، جو پکار اور آواز کے سوا کچھ سن نہ سکے۔ یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں کہ کچھ سمجھ ہی نہیں سکتے۔"

ہم اس حقیقت کی جھلک قرآنِ کریم کے عمومی اسلوب میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ قرآنِ کریم رسول اللہ ﷺ کے معاصر مشرکین سے بار بار عقلی اسلوب میں گفتگو کرتا ہے، منطقی انداز سے ان کے آفاق کو وسعت دیتا ہے، قوتِ محاکمہ کے ذریعے انہیں معقولیت کی دوا پلاتا ہے، تاریخ کے دہرائے جانے کے اصول کی عالمگیریت کو ان کے سامنے مبرہن کرتا ہے، مثالوں کے ذریعے اُس دور میں شرک کی بے منطقیت کے ساتھ ساتھ بعد کے دور کے فکری الحاد کی بیخ کنی کرتا ہے اور ہر بات میں عقل سے کام لینے کی دعوت دیتا ہے۔ انبیائے کرام اور ان کے بعد آنے والے اہل ارشاد ہر قسم کے کفر و شرک اور الحاد کے خلاف زندہ مثالیں اور موثر ترین بات کہے جانے کے لیے منبر ہیں۔ قرآنِ کریم بار بار اپنے طلبہ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں ان مثالوں کا مشاہدہ کراتا اور صحیح اور پر خلوص باتیں سناتا ہے۔

اس کی بہترین مثال قرآنِ کریم میں بار بار بیان ہونے والا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ہے، کیونکہ وہ توحیدی فکر کے مضبوط ترین نمائندے تھے۔ وہ اپنی قوم کے مشرکوں کے بت پاش پاش کرتے ہوئے، مشرکانہ فکر کے ستونوں کو توڑتے ہوئے، عقلی دلائل کے ذریعے مشرکوں کی زبانوں پر تالے لگاتے ہوئے یا ان کی مشرکانہ سوچ اور سورج، چاند اور ستاروں کی الوہیت کے بارے میں ان کے اعتقاد کو آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، تاکہ اجرام فلکیہ ربوبیت کے بارے میں ان کے منحرفانہ تصورات پر ٹوٹ کر انہیں ملبے کا ڈھیر بنا دیں اور ان کے بعد آنے والوں کے سامنے وصول اِلی اللہ کے کشادہ راستے کھول دیں۔

Marfat.com

آپ علیہ السلام نا معقول باتوں پر اصرار کرنے والوں پر یہ کہتے ہوئے پھٹ پڑتے ہیں: ﴿قَالَ لَقَدْ كُنتُمْ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (الانبیاء:۵۴) "ابراہیم نے کہا کہ تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی کھلی گمراہی میں پڑے رہے۔" آپ علیہ السلام ان کے بتوں کو پاش پاش کر کے انہیں ان کی منحرف اور گمراہ کن شرکیہ منطق پر ڈانٹتے ہوئے کہتے ہیں: ﴿قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ۝ أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ (الانبیاء: ۶۷-۶۶) "ابراہیم نے کہا پھر تم اللہ کو چھوڑ کر کیوں ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں کچھ فائدہ دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں؟ تف ہے تم پر اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو ان پر! کیا تم عقل نہیں رکھتے؟" آپ علیہ السلام نے انہیں اتنی زجر و توبیخ کی کہ نہ صرف ان کی قوم بلکہ بعد کے مشرکوں کی روحیں بھی خوف سے کانپ اٹھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے تمام انبیائے عظام نے یہی پیغام رسالت پہنچایا اور وہ اسی راستے پر (حالات کے مطابق اپنے اپنے انداز سے) چلے۔ ان سب نے آسمانی عقل کے راستے کی پیروی اور موافق عقل باتوں کا پرچار کیا۔ اس کے مد مقابل اُن کافروں، ملحدوں اور مشرکوں کی صف تھی، جنہوں نے اپنی زندگیاں خواہشات نفس اور اسلاف سے متوارث افکار کی قید میں فنا اور منحرفانہ شعور اور گمراہ کن فکر کے مدوجزر میں ضائع کر دیں اور ہمیشہ الٹی منطق کی ترویج کی۔

بدیع الزمان نورسی نے کتاب فطرت اور کائنات کے سائن بورڈ کو پڑھنے کی مسلسل ترغیب دی ہے۔ آپ کی یہ ترغیب معقول باتوں کے نمائندوں یعنی انبیاء، اصفیاء، اولیاء اور علمائے اسلام سے متوارث چلے آنے والے مفہوم سے عبارت ہے۔ گو حالات زمانہ کے مطابق آپ کا انداز کچھ مختلف تھا، لیکن آپ کے پیغام کا مشمول اور آپ کا راستہ ایک ہی تھا، جس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوئی، یعنی زمین و آسمان میں مسلسل حقیقت کی تلاش، اشیاء و واقعات کی چھان پھٹک، تمام معاملات کی ان کے حقیقی مالک کی طرف سپردگی، دل میں اس معقولیت پر اطمینان کا احساس، علوم کی معرفت یعنی روحانی ذوق کی تسکین کرنے والے سرچشمے میں تبدیلی اور اس کے بعد زمین و آسمان کے بسنے والوں کی اس روحانی کیفیت میں شرکت۔

Marfat.com

قرآنِ کریم اپنی بہت سی آیات بینات میں ہماری اس راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور ہمیں بتاتا ہے کہ معقولیت لانہایت کے ساتھ فکر کی وابستگی کا نام ہے: ﴿ بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَّرِيجٍ O أَفَلَمْ يَنظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِن فُرُوجٍ O وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ Oتَبْصِرَةً وَذِكْرَى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ O وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا فَأَنبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِO وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيدٌ O رِزْقًا لِّلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذَلِكَ الْخُرُوجُ﴾ (ق:۵۔۱۱)"بلکہ عجیب بات یہ ہے کہ جب ان کے پاس دین حق آپہنچا تو انہوں نے اس کو جھوٹ سمجھا، سو یہ ایک الجھی ہوئی بات میں پڑے ہیں۔ کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نگاہ نہیں کی کہ ہم نے اس کو کیسے بنایا اور اس میں کوئی شگاف تک نہیں اور زمین کو دیکھو اسے ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑ رکھ دیے اور اس میں ہر طرح کی خوشنما چیزیں اگائیں تاکہ رجوع لانے والے بندے ہدایت اور نصیحت حاصل کریں اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا اور اس میں سے باغ اگائے اور کھیتی کا اناج اور لمبے لمبے درخت جن کا گابھا تہ بہ تہ ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ بندوں کو روزی دینے کے لیے کیا ہے اور پانی سے ہم نے مردہ زمین کو زندہ کیا بس اسی طرح قیامت کے روز نکل پڑنا ہے۔" قرآنِ کریم ہماری توجہ زمین وآسمان اور رزق کی طرف متوجہ کرتا ہے، ہمیں سمجھ بوجھ، غور وفکر اور ایمان کی گہرائی اور علم میں اضافے کی دعوت دیتا ہے: ﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ (سورۃ الحج:۴۶)"سو کیا ان لوگوں نے ملک میں سیر نہیں کی تاکہ ان کے دل ایسے ہوتے کہ ان سے سمجھ سکتے اور کان ایسے ہوتے کہ ان سے سن سکتے۔ بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔"(7) یہاں قرآنِ کریم حقیقی محرومی اور نقصان کی طرف اشارہ کرتا ہے، جس کا محل بصیرت سے محروم دل ہیں۔ وہ ان لوگوں کو بار بار ڈانٹتا ہے، جو اپنی عقل اور بصیرت کو استعمال نہیں کرتے اور زمین وآسمان کی نشانیوں کے پاس سے تحقیق اور غور وفکر کے بغیر گزر جاتے ہیں۔ وہ ان کی توجہ نیت اور غور وفکر کی اہمیت کی طرف متوجہ کرتا ہے اور انہیں بتاتا ہے کہ کسی چیز کو بے مقصد دیکھنے کا کوئی فائدہ نہیں: ﴿وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ

Marfat.com

وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ﴾ (یوسف:۱۰۵)"اورزمین وآسمان میں بہت سی نشانیاں ہیں، جن پر سے گزرتے ہیں اوران کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔"

قرآنِ کریم بہت سے پہلوؤں سے معقولیت کا بے مثل نمونہ ہے۔ چنانچہ وہ کتاب فطرت سے واقفیت حاصل کرنے کی ترغیب دینے کے ساتھ ساتھ موضوعات کی سنجیدہ تقدیم، اپنے مشمولات کی طرف فکر کو متوجہ کرنے ، اپنے معانی ونصائح، الفاظ کے جادو، موثر اسلوب اور صداقت کے اثر کے ذریعے عقل والوں کو حیرت میں مبتلا کرنے میں اپنی مثال آپ ہے۔ گو قرآن کریم کی بنیاد وحی ہے، لیکن اس کا انداز کبھی بھی عقل کے دائرے باہر سے نہیں نکلتا۔ وہ اپنے تمام معانی اور نصیحتوں کو عقل، منطق اور محاکمہ کی کسوٹی پر پرکھ کر مخاطبین کے دل کے دروازے پر دستک دیتاہے، دلکش انداز سے دلوں میں جاگزیں ہوجاتاہے، شعور کی مخالفت کو مغلوب کرکے بولتاہے اوراپنے طلبہ کو ہمیشہ معقولیت کی تربیت دیتاہے۔ قرآن کریم وحی پر مبنی ہے، لیکن انسانیت کے ساتھ ہر معاملے میں معقولیت کی سطح پر برتاؤ کرتاہے۔ اس کے لیے سینکڑوں انتہائی پیچیدہ مسائل کی تقدیم، ہر نصیحت اور معنی کی پاکیزگی، خلوص اور تاثیر، ایمان کے متلاشی دلوں کی اطمینان تک رسائی اور متردد روحوں کی تشفی برابر ہے۔

اس نقطہ نظر سے اشیاء اور واقعات کی کھوج میں رہنے والے، انہیں پڑھنے کی اہلیت رکھنے والے اورانہیں توحید کی طرف منسوب کرنے والے معقولیت کے راستے کے راہی ہیں، اسی طرح وہ لوگ جو قرآن کریم کو غور سے سنتے ہیں، اس کی آواز پر کان لگاتے ہیں اوراس پر دل سے راضی رہتے ہیں وہ بھی عقل کے راستے پر چلنے والے سمجھے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس جولوگ کائنات اورواقعات کی تہہ تک نہیں پہنچ پاتے وہ عقل کے راستے کے راہی نہیں ہیں اوراسی طرح جولوگ قرآن کو غور سے سنتے ہیں، نہ اس کی آواز پر کان لگاتے ہیں اورنہ ہی اس پر دل سے راضی رہتے ہیں وہ عقل کے انوار سے بھرپور استفادہ نہیں کرپاتے۔ کائنات اوراشیاء کو پڑھنا، ان پر غوروفکر کرنااوران کی اصلاح کرکے انہیں ایمان، معرفت اورخالق کے نقش ونگار سے آراستہ کرنا معقول بات ہے، جبکہ ہر چیز اورواقعے کو مختلف اسباب، فطرت اوردیگر امور کی طرف منسوب کرنا غیر معقول بات ہے۔ خالق کااپنے وجود اورتوحید میں شرک، نظیر اور معین سے مستغنی ہونا

Marfat.com

معقول بات ہے، جبکہ شرک والحاد کی ہر صورت غیر معقول بات ہے۔ اشیاء وواقعات کی توضیح، کائنات کی توجیہہ اور اسے حقیقتِ مفردہ کے ساتھ مربوط کرنے کے لیے نبیوں اور رسولوں کی انسانیت کی طرف بعثت کی ضرورت معقول بات ہے، جبکہ نبوت اور خدائی پیغام کو ٹھکرانا غیر معقول بات ہے۔ رسائل النور میں پیش کردہ افکار کی روشنی میں اس دائرے کو تمام ایمانی بنیادوں تک پھیلایا جاسکتا ہے، میرے نزدیک اس موضوع پر اسی قدر گفتگو کافی ہے، اس موضوع کی مزید تفصیلات جاننے کے لیے میں قارئین کو مسلمان مفکرین کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کا مشورہ دوں گا۔

ایک دوسرے پہلو سے دیکھیں تو عقل فہم وادراک اور فکری یکجہتی سے عبارت ہے۔ اس لحاظ سے وہ اپنی تعریف کے ضمن میں داخل امور اور روح کی توانائی کی حرکیت (Dynamism) کو سمجھنے کا اہم وسیلہ ہے۔ عقل کے ذریعے ہی ہم چیزوں کی سمجھ بوجھ اور ان کا علم حاصل کرتے اور ان سے نتائج اخذ کرتے ہیں۔ عقل کی ضد حماقت، غباوت اور ناسمجھی ہے۔ احمق، غبی اور سمجھ بوجھ سے عاری لوگ نامعقولیت کے راستے پر بغیر منزل ومقصد کے چلتے ہیں۔ وہ کتاب فطرت کو سمجھتے ہیں، نہ اشیاء کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرتے ہیں، نہ قرآن کی آواز پر کان لگاتے ہیں اور نہ ہی مکلّف بنائے جانے کے راز کو سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ دین اور اس کی روح اور کائنات کے مقصد وغایت کو کبھی بھی نہیں سمجھ سکتے۔ رسول ﷺ سے منسوب ایک ارشاد کا مفہوم ہے کہ بے وقوف شخص ہمارا دشمن ہے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ نے اس ارشاد نبوی کو موضوع بناکر فصیح فارسی زبان میں اشعار کہے ہیں، جن کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے: ”نبی ﷺ کا ارشاد ہے: بے وقوف شخص ہمارا دشمن اور ہمیں لوٹنے والا بدبخت ہے۔ اس کے برعکس عقلمند شخص ہمارا دوست ہے۔ اس کی خوشگوار ہوا خوشبو سے مہکتی ہوئی ٹھنڈک ہے۔ اگر عقل مجھ پر غصے کا اظہار کرتے ہوئے مجھے برا بھلا کہتی ہے تو میں خاموشی کے ساتھ اس کے سامنے سر جھکائے رکھتا ہوں، کیونکہ عقل اس ذات کا تحفہ ہے، جو اپنی نعمتوں کے ذریعے ہر وقت مجھ پر احسان کی بارش کرتی ہے۔ دوسری طرف اگر احمق میرے منہ میں مٹھائی بھی رکھے تو میں اس کی مٹھائی کی وجہ سے بیمار ہوکر بخار میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔“ اسی طرح دیگر بڑے بڑے صوفیائے کرام بھی ”اخرویات“ کی حمایت یافتہ آسمانی عقل کو جسمانی خواہشات کی گردن کا طوق قرار دیتے ہیں۔ جسمانی میلانات اس طوق سے آزاد ہوکر ہی اپنے وجود کا کھلم کھلا اظہار کرتے ہیں۔ اس پہلو سے دیکھیں تو عقل انسانی اقدار کے تحفّظ کے لیے مضبوط قفل اور انسانی سعادت کی طلسمی کنجی ہے۔ عقل

Marfat.com

نفسانی خواہشات کو لگام دیتی ہے، ان کا منہ بند کرتی ہے اور اس کے روحانی پروں کے ذریعے روح پرواز کرتی ہے۔ نفس اپنی گمراہ کن باتوں کے ذریعے ہر دم انسان کو مختلف قسم کی مشکلات اور مصائب کے منہ میں دھکیلتا ہے، لیکن اس کے برعکس عقل ایک ایسی آسمانی طاقت ہے، جو نفس کی سازشوں کو ناکام بناتی ہے۔ اگر عقل کا دل سے تعلق مضبوط ہو، وہ قلبی واردات سے مسلسل غذا حاصل کرتی رہے تو وہ اپنے ہر دشمن کو پچھاڑ کر اس پر غالب آجاتی ہے، لیکن اگر اس کا دل سے رابطہ منقطع ہو جائے اور اس کے مزاج پر سماویت کی بجائے ترابیت غالب آجائے تو وہ ایک خائن کی طرح دشمن کی راہنمائی کرتی ہے، خواہشات کی ہمنشینی میں رہتی ہے، بغض و حسد کی حمایت کرتی ہے، اندھی طاقتوں کی صف میں شامل ہو کر سماویت کا مقابلہ کرتی ہے، بحث و مباحثہ میں شریک ہو کر باطل کو حق ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتی ہے، مجادلت (Demagoguery) کو مہارت سمجھتی ہے، اختلافات کو ہوا دیتی ہے، دوسروں کی رسوائی اور پسپائی کو اپنی فتح و کامرانی سمجھتی ہے، ہر لمحہ دل کے قتل کے درپے رہتی ہے اور اس کے ملبے پر نفس کا محل تعمیر کرتی ہے اور ہر روز شیطان کو خوش اور روح کو برباد کرنے والی گندگیوں میں لت پت ہوتی ہے۔

جب عقل بے مہار درندگی کے اس مقام تک پہنچ جائے تو مولانا رومیؒ کے الفاظ میں وہ شکوک و شبہات کا ایک ایسا منبع بن جاتی ہے، جسے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں بطور قربانی کے ذبح کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں "حسبُنَا اللہ" کہہ کر "سیر الی اللہ" جاری رکھنی چاہیے۔ مشہور شاعر فضولی رحمہ اللہ(8) ایک شعر میں ایسی منحوس عقل کے بارے میں کہتے ہیں:

"میں عقل سے ہدایت و راہنمائی کا متمنی ہوں،

لیکن میری عقل مجھے گمراہی اور بربادی کا راستہ دکھاتی ہے۔"

ایک ڈچ مصنّف ارمسس ایسی عقل کا مذاق اڑاتے ہوئے جنون کی مدح سرائی میں کہتا ہے: "اس طرح کی عقل سے کسی قسم کے نفع یا فائدے کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔"

کسی نے کتنی پُر حکمت بات کہی ہے: "اگر قیمتی اشیاء خراب ہو جائیں تو وہ مضر اشیاء سے بھی زیادہ نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہیں۔"

Marfat.com

عقل ہی انسانی شخصیت کا وہ واحد پہلو ہے، جو اسے دوسری تمام جاندار اشیاء سے ممتاز کرتا ہے۔ یہ ایک ایسا گوہرِ خالص ہے، جو انسان کو خدا سے ہم کلامی کے مقام تک لے جاتا ہے۔ جب تک عقل سماویت سے غذا حاصل کرتی رہتی ہے، کتاب فطرت کا مطالعہ کرتی رہتی ہے اور اپنے مطالعے کو معرفت میں منتقل کرتی رہتی ہے اس وقت تک روحانی اور قلبی زندگی کو ارتقا بخشنے والا پہلا معلّم اور راہنما اسے ملائکہ کے اوصاف دیئے رکھتا ہے، لیکن جب اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے کٹ کر طبیعت اور نفس سے قائم ہو جاتا ہے تو وہ انسانی جسم کو ڈسنے والا سانپ اور بچھو ثابت ہوتی ہے اور اُس کی حیاتِ جاوداں کی اکسیر بننے کی بجائے اسے ابدی موت کی نیند سلانے والے زہر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

ہمارے ثقافتی ورثے کے بنیادی سرچشمے

عام طور پر ثقافت سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ یہ ان اخلاقی اور معاشرتی رویوں پر مشتمل نظاموں سے عبارت ہے، جنہیں کوئی قوم اپنے تاریخی ادوار میں تشکیل دے کر مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اپنے ملّی وجود کا کوئی پہلو بناتی یا اپنے لاشعور کی صلاحیتوں میں تبدیل کرتی ہے۔ اس تعریف کے مطابق ثقافت کی بعض بنیادی خصوصیات عالمگیریت کی حامل ہیں، لیکن یہ بات واضح ہے کہ مخصوص جغرافیے اور معاشرتی ماحول کے مطابق ہر معاشرے کی اپنی مخصوص ثقافت ہوتی ہے، جو اس معاشرے کے فکری نظام کا اہم اور موثر ترین عنصر ہوتی ہے، اسی لیے کسی فرد کی کسی متعین ثقافت کے ساتھ مربوط فکر مخصوص مرکزیت کے فریم ورک کے واسطے سے اس فرد کی شخصیت سے عبارت سمجھی جاتی ہے۔

بہت سے حضرات فکری لحاظ سے ثقافت کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ یہ ایسے حالات سے عبارت ہے، جن کے ذریعے کوئی قوم اپنی اخلاقی اقدار، مذہبی خیالات، وجود، کائنات اور انسان سے متعلق اپنے افکار، اپنے معاشرتی وسیاسی رویوں اور اپنے طرز عمل کے نظاموں کا اظہار کرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ثقافت تاریخی ادوار میں قومی فکر اور ملی شعور کے تحت وجود میں آنے والے فکر، فن، عرف وعادات اور تعامل کے مجموعے سے عبارت ہے۔ (عرف وعادات اور تعامل سے متعلق بعض قیود (Limitations) کو ہم بعد میں ذکر کریں گے۔)

اولویات کے تسلسل کو نظر انداز کرتے ہوئے جامع مطالعے (holistic study) کی روشنی میں دیکھیں تو (انسان، کائنات اور خدا کے درمیان پائے جانے والے) تعلقات ہمارے ثقافتی نظام کی اہم ترین بنیاد ہیں۔ ہماری تمام ذہنی، فکری اور عملی سرگرمیاں ان تعلقات سے مربوط ہیں، لیکن دوسری طرف جدید یورپی منطق جو مکمل طور پر یونانی میراث ہے، اپنے تمام خیالات کا تانابانا انسان، اشیاء اور واقعات کے گرد بُنتی ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ الوہیت کی حقیقت درخور اعتنا نہیں سمجھتی اور اس کا مطالعہ ایک غیر اہم اور ضمنی موضوع کی حیثیت سے کرتی ہے، جبکہ ہمارے

Marfat.com

فکری نظام میں انسان اور کائنات(9) واقعات کی زبان میں ایک ایسی کتاب، مظہر اور نمائش ہے، جو موجودِ حقیقی عزّوجلّ (واجب الوجود) کی ذات کا پتا بتاتی ہے، اس کی کرشمہ سازیوں کے آثار دکھاتی ہے اور اس کے افعال وشئون کے گن گاتی ہے۔ یونانی فلسفے اور اس کے سرچشمے سے سیر اب ہونے والی معاصر مغربی منطق میں عقل فعّال اور تصورِ الوہیت سے خالی حصول (فیض) کا نظریہ پایا جاتا ہے، لیکن اس کے برعکس ہماری ثقافت ہمیشہ صنعت اور صانع، اثر اور موثر اور مخلوق اور خالق کے تعلق پر قائم رہی ہے۔ ہم اپنے فکری نظام میں انسان اور کائنات کو مخصوص عرفانی افق تک پہنچانے والے ذرائع کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ ان کے ذریعے ہم صانع عزّوجلّ کی طرف متوجہ ہوتے اور اسے تلاش کرتے ہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ ''تصور الوہیت'' کے عملی نتائج تک پہنچ کر ٹھہر جاتے ہیں اور ہر چیز کو اشیاء اور واقعات کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مزید برآں ہم عقل فعّال کے ساتھ ساتھ معاملات کو کتاب وسنت اور کتاب وسنت میں مذکور دیگر مآخذ سے مربوط کرتے ہیں، لیکن اس کے برعکس یہ لوگ عقل اور مشاہدے کو دنیا کا واحد سبب قرار دے کر علم ومعرفت کے دائرے کو تنگ کر دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ثقافت مخصوص مفاہیم اور قواعد اور لاشعور میں پیدا ہونے والے میلانات کا ایسا معلوم اور تسلیم شدہ مجموعہ ہے، جس کے تمام بنیادی اور ثانوی عناصر انسانی مزاج کا حصہ ہوتے ہیں اور لوگ اپنی زندگیوں کو ان کے مطابق ڈھالتے ہیں۔ اس لحاظ سے ثقافت دنیا کا ایک ایسا واضح مظہر ہے، جس کا وجود اور تاثیر وقتاً فوقتاً نہ صرف مخصوص اسباب، محرکات اور تدابیر میں بلکہ لاشعور میں بھی محسوس ہوتی ہے۔

لاشعور میں خُفتہ اور روح میں شامل بہت سے عقائد، مسلّمات اور عرف وعادات کو عقل کی باطنی حرکیات (Dynamics) ان صلاحیتوں پر اثرانداز ہونے والے اسباب کے ذریعے سے وقتاً فوقتاً بیدار کر کے انہیں فعّال اور سرگرم کرنے کے ساتھ ساتھ کبھی تو پرانی صورت میں اور کبھی اس سے ملتی جلتی صورت میں گو ہلکے اور پھیکے رنگ میں بحال کرتی ہیں، تاہم یہ صلاحیتیں انسانی مزاج میں کتنی ہی راسخ کیوں نہ ہوں دورِ حاضر میں بعینہ قدیم صورت میں ظاہر نہیں ہوتیں، کیونکہ ہر دن کی کچھ اپنی خصوصیات ہوتی ہیں، جن کے ساتھ وہ طلوع ہوتا ہے اور ان کے

Marfat.com

ساتھ غروب ہوتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنے لاشعور میں موجود صلاحیتوں کا ہوبہو پرانے انداز میں مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ نئے حالات کے تقاضوں کے مطابق اس میں نئی چیزوں کا اضافہ کرنا چاہیے، بلکہ زیادہ درست لفظوں میں ہمیں تروتازہ، صحیح اور اصل سے ماخوذ رنگوں اور جہتوں کے اضافے کے ساتھ ان صلاحیتوں کو استعمال کرنا چاہیے۔

یہاں ہم اپنی قوم کی ایک غلطی کی نشاندہی کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ جدید کی تعمیر کے لیے قدیم کی بنیادوں کو مضبوط کرنے اور قدیم کو نئے حقائق کے ذریعے ترقی دینے کے بجائے ہم اکثر اوقات انہیں دو حصوں میں تقسیم کر کے انہیں ایک دوسرے کے مقابل کھڑا کر دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں ہمیں اصولی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مثلاً کبھی ہم کہتے ہیں: ''جدید کی خوشبو سونگھنے کے بعد اسے طاقِ نسیان میں پھینک دیا جاتا ہے، جبکہ قدیم اُس مشک و عنبر کی مانند ہے، جسے جب بھی ہلایا جاتا ہے تو فضا اس کی خوشبو سے مہک اٹھتی ہے۔'' اس طرح ہم زمانے کی واردات میں افراط کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کبھی ہم کہتے ہیں: ''ماضی کی پرانی صلاحیتوں میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بھلائی صرف روشن عصر حاضر میں ہے۔'' یہ کہہ کر ہم قدیم کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہیں اور زمانے کی قومیت (ملّیت) کو پس پشت ڈال کر اس کے عالمی پہلو سے غفلت برتتے ہیں، حالانکہ اپنی ثقافت کی بہترین توجیہہ پیش کرنا، عرق ریزی کے ساتھ اس کی اصلاح کرنا اور نہ صرف اپنے جغرافیائی خطے کے لیے بلکہ اپنے اور متمدن دنیا کے درمیان مضبوط اور پائیدار روابط قائم کرنے کی غرض سے اپنی فکری زندگی کو ترقی دینے والے جدید ثقافتی دور کے لیے ایک پاکیزہ ماحول تشکیل دینا ہماری ذمہ داری تھی۔ دوسرے لفظوں میں ''نظریۂ ضرورت'' کے تحت ہمیں اپنے ماضی، حال اور مستقبل کی اقدار کو ایک دوسرے کی بھینٹ نہیں چڑھانا چاہیے (گو مستقبل کی اولویت کو ملحوظ رکھا جانا چاہیے۔) اپنی ملت (قوم اور امّت) کے نسبتاً زیادہ مضبوط، محفوظ، درست اور پائیدار مفہوم کی تشکیل کی خاطر ہمیں (اپنے ماضی کے) تسلسل اور وسعت پذیری کی حفاظت اور توقیر کرنی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ ثقافتی زمانے کا مفہوم زمانے کے معروف تصور سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ وہ پہلے یا بعد میں پائے جانے کی فکر سے مربوط نہیں ہوتا۔ میرے نزدیک اسے زمانے سے مافوق قرار دینا زیادہ مناسب ہے، بلکہ اسے زمانے سے مستقل حالت یا اس سے اضافی تعلق رکھنے والی کیفیت کی حیثیت سے دیکھنا زیادہ درست

Marfat.com

ہو گا۔ ثقافت کے وجود کا دوام اس کے استقلال سے مربوط ہوتا ہے، تاہم یہ واضح ہے کہ ایک ایسے اصولی فریم ورک کا ہونا ناگزیر ہے، جو اس کی مکمل آزادی اور مخصوص ہیئت کو منظّم کرے اور مختلف معاشروں کے ساتھ اس کے تعلقات کے خدّوخال تشکیل دے۔ اس پہلو سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ثقافت مختلف مفاہیم، اسالیب فکر، نقطہ ہائے نظر اور مختلف قسم کی توجیہات اور اخلاقی اقدار وغیرہ سے مربوط فنّی تصورات کے اس فریم ورک میں شامل خصوصیات کا مجموعہ ہے۔

بہت سے ایسے مستحکم اصول ہیں، جن کے ساتھ ہم ہر مضمون، مفہوم، فکری اسلوب، تفسیر اور تصور کو مربوط کرنے کے پابند ہیں، بلکہ ثقافت اپنی تمام تر بوقلمونیوں کے باوصف انہی اصولوں کے دائرے میں گردش کرتی ہے، ان کے سرچشموں سے سیر اب ہوتی ہے، ان سے غذا اور نشوونما پاتی ہے اور ان کی بدولت زمان و مکان سے ماورا حالت میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اگر ہم اختصار کے ساتھ ان اساسیات کا تذکرہ کریں تو ہم سب سے پہلے کتاب وسنت کو ذکر کریں گے۔ (ہم آئندہ صفحات میں ان پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالیں گے۔) ان دو ستونوں کے بعد ان کی مرکزیت کے فریم ورک کے اندر رہتے ہوئے تفسیر، حدیث، اصول تفسیر، اصول حدیث، فقہ اور اصول فقہ کا مقام ہے۔ ہم نے فقہ اور اصول فقہ کا بطور خاص اس لیے تذکرہ کیا ہے کہ یہ جہدِ مسلسل اور انتھک محنت کا نتیجہ ہے۔ یہ وسعت پذیری اور بے بہا ثروت کی اہلیت رکھنے میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ان دو مآخذ سے مالامال اقوام نہ خشک ہونے والے آبِ حیواں کے سرچشمے کی مالک ہیں۔ ہر تہذیب اپنی مخصوص اقدار پر فخر کرتی ہے۔ فقہ اور اصول فقہ اسلامی تہذیب کے اہم ترین امتیازات ہیں۔ میرے خیال میں اگر ہم ماضی کے لحاظ سے اپنی تہذیب کو کسی وصف سے موصوف کرنا چاہیں تو بہتر یہ ہے کہ ہم اسے فکر، حکمت اور فلسفے کے لیے وا فقہ اور اصول فقہ کی تہذیب کا نام دیں۔ جس طرح یونانی تہذیب فلسفے میں، بابل وحرّان کی تہذیب علم (Gnosticism) میں اور معاصر یورپی تہذیب سائنس و ٹیکنالوجی میں امتیازی مقام رکھتی ہے اسی طرح ہماری تہذیب ماضی سے حال تک فکر، عقل، منطق اور محاکمے کے افلاک کے ذریعے سب کے لیے کشادہ دلی کا مظاہرہ کرنے والی فقہ اور اصول فقہ کی تہذیب ہے۔ سید بک اور محمد حمید اللہ کے ساتھ بہت سے مفکرین اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کے ہاں اصول فقہ کے میدان میں کی جانے والی کاوشیں ایک ہمہ جہت قانونی نظام تشکیل دینے کے سلسلے میں ایسی

Marfat.com

کاوشیں ہیں، جن کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ عیوب سے پاک علم قانون ہے، جو ہر دور میں ارتقا اور وسعت پذیری کی اہلیت رکھتا ہے۔ مزید برآں مختلف علوم کی تشکیل میں موثر ہونے کی حیثیت سے دوسری تہذیبوں اور ثقافتوں کا سرچشمہ بننے کی اہلیت کا بھی حامل ہے۔

رومی، چینی، ہندوستانی اور یونانی معاشروں میں سے کوئی بھی معاشرہ کبھی بھی قانونی نظاموں سے خالی نہیں رہا، لیکن یونانی اپنی تختیوں میں، رومی کاسیوس (Cassius) کے قوانین میں اور معاصر دنیا اپنے قانونی متون میں علم اصول اور فقہی نظام جیسے مستحکم قواعد متعارف کرانے میں ناکام رہے۔ کسی بھی دوسری قوم کے ہاں قرآن وسنت اور سلف صالح کے اجتہادات اور فتاویٰ پر مبنی ایسا علم آپ نہیں پائیں گے۔

فلسفہ مختلف ادوار کی ضروریات کی تکمیل کے لیے ارتقا پذیر منطق کی پیداوار ہوتا ہے۔ بعینہ یہی فریضہ اصول فقہ نے اسلامی تہذیب کی ساری تاریخ کے دوران قانونی نظام کے دائرے میں سرانجام دیا ہے۔ فقہ اور قانون سازی منظم اصولوں کی روشنی میں معاشرے کا نظم وضبط قائم رکھتے ہیں، اصول فقہ فقہ اور قانون سازی کو راہنمائی فراہم کرتا ہے اور عقل سلیم(10) لالت کے مطابق اس راہنمائی کے دوران نافذ کیے جانے والے اصولوں کی نوعیت کا تعین کرتی ہے۔ قانونی مسائل کے فہم پر ان اصولوں کے واضح اور گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اوپر جو کچھ فقہ اور اصول فقہ کے بارے میں کہا گیا ہے وہ قرآن کریم اور سنت نبویہ سے مربوط دیگر علوم پر بھی صادق آتا ہے۔ کتب سابقہ کے بارے میں مختلف قسم کی تحقیقات سامنے آچکی ہیں اور اس مقصد کے لیے متعدد نظام تشکیل دیئے گئے ہیں، لیکن اس کے باوجود قرآن وسنت کے بارے میں کی جانے والی مساعی اور مفاہیم وتفاسیر قدر کی نگاہ سے دیکھی جائیں گی۔ قرآن کریم ہماری فکری تراث کا اہم ترین ماخذ ہے۔ منقولی اور لسانی قواعد، عربی اسلوب اور اسبابِ نزول پر مبنی اپنی معقولی تفسیر کی قوت تاثیر کی بدولت سطحی نظر رکھنے والے شخص پر بھی اس کی اہمیت مخفی نہیں رہ سکتی۔ یہی بات حدیث پر بھی صادق آتی ہے۔ تاہم وفاشعار اور باصلاحیت اذہان کی مدد سے ان علوم کی حفاظت کرنا ضروری ہے، کیونکہ اگر انتہائی ضدی دشمنوں کی عداوت اور دوستوں کی بے وفائی، بے حسی اور خاموشی کے نتیجے میں ان دو عظیم سرچشموں کی پاکیزگی کو گدلا کرنے یا ان کے وجود کو

Marfat.com

نظر انداز کرنے کی کوششیں جاری رہیں تو ہماری قوم اس دولت سے محرومی کے منطقی انجام سے نہ بچ سکے گی۔

ہمارے ثقافتی ورثے کے سرچشموں میں ان دوبنیادی مآخذ کے فریم ورک میں شامل ثانوی اور فرعی حیثیت کے مالک کچھ دیگر مآخذ بھی داخل ہیں، مثلاً اسلامی عقیدے کے عقلی و نقلی دلائل سے اثبات، دین کے بارے پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کے ازالے، ذات باری تعالیٰ کے بارے میں تشبیہ وتجسید کے تصور کی مانند گمراہ کن منحرفانہ اور فلسفیانہ افکار کے رد اور صفات باری تعالیٰ، اصلح اور حسن وقبح کے مسائل کے اثبات کے لیے اہل السنت والجماعت کے ہاں علم کلام کے معقول موضوعات، نیز دیگر مآخذ میں مصلحت، استحسان، عرف، عادت اور تعامل وغیرہ شامل ہیں۔

ان میں سے کسی بھی ماخذ کی وضاحت کے لیے ایک کتاب ناکافی ہے، تاہم ان میں بعض پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

کتاب:

اسے مقدس لفظ "قرآن" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ نظر کو روشن، شعور کی راہ ہموار، عقل کو مستحکم اور دلوں کو مسحور کرنے والا بیش بہا ماخذ ہے، نیز یہ اپنے محکم ومتشابہ، ظاہر ونص، مجمل ومفصّل، اشارات وکنایات، تشبیہ وتمثیل اور استعارہ ومجاز وغیرہ پر مشتمل اسالیب کی وجہ سے ہر دور کی ضروریات پوری کرنے کی اہلیت رکھتا ہے، تاہم اس کی خیرِ کثیر سے صرف اسی قدر استفادہ کیا جاسکتا ہے، جس قدر انصاف پسند ذہن اس کے لیے کشادہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کریم زمان ومکان سے بلند تر ہے، لیکن بعض اوقات ارادی اور فکری انحراف اسے اس کے عالی مقام سے گرا کر اسے محدود انسانی فکر کا اسیر بنا دیتا ہے، لہٰذا غلط نقطہ نظر سے سوچنے والا شخص کبھی بھی اس کے مخصوص گہرے معانی سے آگاہی حاصل نہیں کر سکتا، نیز جو اسیر روحیں پہلے سے قائم کردہ لغو آراء سے اپنی فکر کو جکڑ دیتی ہیں ان کا تعلق کسی بھی دور یا علاقے سے ہو وہ معجزانہ بیان کی حامل اِس کتاب کے اسرار سے واقف ہو سکتی ہیں اور نہ ہی اس کے اعجازی افق تک رسائی پا سکتی

Marfat.com

ہیں۔ یہ کتاب ہمیشہ انسانی آفاق سے ماورا بہت بلند مقام پر فائز رہی ہے۔ جو شخص صدق واخلاص سے اس کے لیے اپنے دل کے دریچے کھولتا ہے یہ اپنے تفسیری تنوّع اور تاویلی پہلوؤں کی بدولت اس کے لیے روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم سے آگاہی حاصل کرنا اور ہر معاملے میں اس سے راہنمائی لینا انسان کی بہت بڑی خوش نصیبی ہے، لیکن کتنے لوگ ہیں جو اس مرتبے سے واقف ہیں؟ حق بات تو یہ ہے کہ اس کی روشنی سے استفادہ کیے بغیر کوئی انسانی مشکل حل ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کے بلند آہنگ لائحہ عمل پر عمل کیے بغیر انسان کو کوئی خوشی نصیب ہو سکتی ہے۔

کتنے ہی ادب کے اساتذہ نے مسحور کن تحریروں کے محل تعمیر اور مفکرین نے فکری نظام پیش کئے، لیکن ان کے محل زمین بوس ہو کر ویران اور ان کے فکری نظام بے نام ونشان ہو کر تاریخ کے صفحات میں گم ہو گئے۔ اگر کسی تحریر نے اپنی تروتازگی کو برقرار رکھا ہے تو وہ قرآن کریم ہے۔ وہ انسانی افق پر جلوہ نما ہونے کے بعد آج تک نیا اور تروتازہ ہے۔ اس کتاب کے مشمولات کے سوا کسی نظام حیات نے انسانیت کے سفینے کو سلامتی کے ساحل پر نہیں اتارا۔ اس کی گفتگو میں ایسی کشش اور مسحور کن چمک ہے کہ اس کے سامنے ہر گفتگو بے معنی نظر آتی ہے اور اس کے پُر مغز مشمولات کے مقابلے میں فکر وادب کے ماہرین بھکاری اور بے مایہ دکھائی دیتے ہیں۔

یہ کتاب انسان، وجود اور کائنات کی حقیقت کی ترجمان ہے۔ یہ انسانی حقیقت کو بڑی گہرائی سے پرکھتی ہے اور واقعات کی اہمیت کا بڑی حساس مزاجی اور دقت نظری سے اندازہ لگاتی ہے، حتی کہ کوئی بھی شخص معمولی غور وفکر سے اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ یہ جانچ پرکھ اور قدر پیمائی کسی لامحدود علم پر مبنی ہے، یہی وجہ ہے کہ روحانیت اور دلوں کو موہ لینے والے قرآن کی دنیا میں رہنے والے دل کا مالک انسان کسی بھی چیز کو دیکھتے ہوئے اسے اپنی ذات میں فہرستِ مضامین کی طرح محسوس کرتا ہے، کتابِ فطرت کے مشمولات کے ضمن میں اس کا تفصیلی مطالعہ کرتا ہے اور اپنی ساری زندگی اشارات وعلامات کی دنیا میں زمین کی سیاحت کرنے والے کی طرح قرآنِ کریم کی طرف مسلسل پیش رفت کرتے ہوئے گزارتا ہے۔

یہ کتاب ہمارے علمی آفاق کو اس قدر منور کر دیتی ہے کہ انسان کو اس کی راہنمائی میں اپنے دل کے کمال کے عرش کی طرف سفر کرتے ہوئے راستے کی وحشت، فکری رکاوٹوں

Marfat.com

اور روحانی انقباض کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ وہ اس راستے پر ہمیشہ سفر جاری رکھتا ہے، جس پر چلتے ہوئے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ علم کا، مشاہدے کے ساتھ ایمان کا، اطمینان کے ساتھ ذمہ داری کا اور ایمان کے ساتھ نظم وضبط کی پابندی کا احساس رہتا ہے۔ وہ ہموار راستوں پر چلتے ہوئے بلندیوں کی طرف سفر جاری رکھتا ہے، یہاں تک کہ مشکل ترین چوٹیوں کو سر کر کے ان آفاق تک رسائی حاصل کر لیتا ہے، جہاں سے وہ اپنی قسمت اور نصیبے کو براہ راست دیکھ سکتا ہے۔

یہ کتاب درست اور اپنی جگہ پر متعین امور کی طرف اشارے اور ہدایات بھیجتی ہے، تاکہ انسان اور کائنات کی باطنی گہرائیوں، انسانی روح کی وسعتوں، احساس، شعور، ارادے اور دل جیسے اس کے حیات بخش اور عظیم ترین پہلوؤں، کائنات کی ولادتِ نو سمجھے جانے والے اس ہمہ جہت وجود (انسان) کی تخلیق، حقیقت اور غرض وغایت، اس کی اعلیٰ ترین تیاری، اس کی سرگرمیوں کے وسیع دائرے، اس کی اعلیٰ ترین مخفی صلاحیتوں اور اس کی خواہشات، امیدوں اور دل کی دھڑکنوں (جوش وجذبے کے ولولے) تک اُن کی رسائی ہو سکے۔ ان درست امور کے آفاق کا تصور کرنے سے فلسفے، عمرانیات اور نفسیات کے علوم عاجز ہیں۔

میرا نہیں خیال کہ جو شخص اس کتاب سے واقف ہو اسے انسان، کائنات اور خدا سے متعلق بنیادی موضوعات کے بارے میں اس کے علاوہ کسی دوسرے ماخذ کی ضرورت پیش آسکتی ہے، بلکہ اس کے لیے اس کے مجمل امور کی تفصیل اور دقتِ نظر سے کی جانے والی تحقیق کافی ہونی چاہیے۔ اس کی مرکزیت کے دائرے میں رہتے ہوئے اس کے مجمل امور کی تفصیل اور دقتِ نظر سے کی جانے والی تحقیق کے نتائج لازمی طور پر نبی کریم ﷺ کی کسی وضاحت، مضبوط مشاہدے، درست محاکمے یا مضبوط عقلی استدلال پر مبنی ہونے چاہئیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر چیز اس کے فلک میں گردش کرتی ہے۔

تاریخ کے ایک اہم موڑ پر سب سے زیادہ بابرکت اور باسعادت انسان پر نازل ہونے والی اس کتاب نے انفرادی، اجتماعی، سیاسی، انتظامی، اقتصادی، روحانی اور فکری سطح پر محفوظ معاشرے کی زندگی کو منظّم کرنے کو اپنا ہدف بنا کر مختصر سے عرصے میں اسے حاصل کر لیا۔ یہ نہ صرف ایک بدوی معاشرے میں برپا ہونے والے پے در پے انقلابات کا منفرد الہامی سرچشمہ ہے، بلکہ اسے ایک

Marfat.com

ایسا نمونہ سمجھا جاتا ہے، جس کی پیروی متمدن اقوام بھی کرتی ہے۔ جو کامیابیاں اور اہداف اس نے ماضی میں حاصل کئے ہیں انہیں وہ اپنی پناہ میں آنے والوں کے لیے آج بھی حاصل کرنے کی بھرپور قدرت رکھتا ہے۔ قرآن کریم انسان، کائنات اور خدا کے باہمی تعلقات کی وضاحت کا ناقابل تصور حد تک بیش بہا خزانہ ہے، تاہم جن موضوعات کی وہ جانچ پرکھ اور تحلیل کرتا ہے ان کے درمیان ہم آہنگی اور توازن کا خیال رکھتا ہے۔ شیخ بدیع الزمان نورسی کے الفاظ میں قرآن کریم ایک پیچیدہ ادارے اور عالیشان محل سے مشابہت رکھنے والی اس کائنات کی آواز، توجیہہ اور روحِ رواں ہے۔ یہ تکوینی امور کی مختصر ترین تفسیر وتوجیہہ ہے۔ یہ اس عظیم الشان مکان کی پراسرار جادوئی کلید ہے، جس کے سامنے کھڑے ہو کر ہم اسے دیکھ رہے ہیں اور زمانہ جس کا ایک اضافی بُعد ہے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اسمائے حُسنیٰ کا بلیغ ترین ترجمان اور اشیاء وواقعات سے ماورا اسرار پر مطلع ہونے کی بہترین رصد گاہ ہے، کون ومکان کے لحاظ سے ہمارے دلوں اور زبانوں کی بازگشت بننے والا یہ خدائی پیغامِ لطف واحسان ہے، عالم اسلام کی روشنی کا سرچشمہ، اس کی ہوا اور ضیا ہے، ابدالآباد تک بقا کی لازمی اور بنیادی شرط ہے اور ہر انسان جن دوسری دنیاؤں کا شوق واشتیاق یا خوف وتردد سے منتظر ہے ان کی طرف راہنمائی کرنے والا نقشہ اور خاکہ ہے۔ یہ تربیتی گائیڈ، علمی مجلہ اور سارے عالم انسانی کے علوم کی ایسی قاموس ہے، جو انسانی کمالات کے راستے پر چلنے والے کسی شخص کو گمراہ نہیں کرتی۔ یہ ساری انسانیت کے لیے بالعموم اور عالم اسلام کے لیے بالخصوص علم وعرفان اور حکمت کا پاکیزہ ترین سرچشمہ ہے۔ حاصل یہ کہ قرآنِ کریم ہر دور میں مسلمانوں کی شخصی، عائلی، اجتماعی، اقتصادی، سیاسی اور انتظامی زندگی کے نظم کو چلانے والے قوانین کا مجموعہ اور ذکر وفکر اور دعاومناجات پر مشتمل اپنے محتویات کے ذریعے سیرت وکردار کے سلسلے میں راہنما ہے۔ یہ معجزاتی کتاب اشیاء وواقعات کی انتہائی معمولی تفصیلات سے بھی آگاہ کرتی ہے۔ گو اس میں انتہا درجے کا ایجاز پایا جاتا ہے، لیکن اس میں کسی پہلو سے کوئی ابہام نہیں۔ یہ بیش بہا خزانہ ہے، لیکن اہل ایمان کے حق میں انتہائی فراخ دل ہے۔ گو یہ زمان ومکان سے بالاتر ہے، لیکن اس کے باوجود ہر دور اور ہر جگہ کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی وشافی ہے۔

یہ کتاب جس سے ملائکہ، روحانیوں اور جنات میں سے کوئی بھی مستغنی نہیں، ہمارے ثقافتی ورثے کا اہم ترین ماخذ ہے۔ وہ ایک ایسا وسیع ترین، عمیق ترین، پاکیزہ ترین سرچشمہ ہے، جس کی

Marfat.com

سمندر کی طرح تلاطم خیز موجوں میں سکون پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی اس میں گدلاہٹ آتی ہے۔ اس سب کچھ کے باجود اس بابرکت ماخذ کی جو خصوصیات ہم نے بیان کی ہیں وہ محض چند اشارے ہیں۔

سنت:

سنت فقہی اصطلاح میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال، مامورات اور اشارات سے عبارت ہے۔ ایک دوسرے نقطہ نظر سے سنت سید الانام حضرت محمد ﷺ کے اقوال اور ان افعال و تصرفات کا نام ہے، جنہیں آپ ﷺ نے فرض یا واجب قرار نہیں دیا اور انہیں بعض اوقات ترک کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ ان کا تعلق اگر عبادات سے ہو تو انہیں "سنن الہیہ" کہتے ہیں اور اگر وہ آپ ﷺ کی عادات شریفہ میں سے ہوں تو انہیں "سنن الزوائد" کہا جاتا ہے۔ علمائے اصول فقہ کا اس بارے میں الگ نقطہ نظر ہے۔ وہ سنت کو قول، فعل اور تقریر (کسی کام کو ہوتے دیکھ کر اس پر سکوت اختیار کرنا) تینوں سے مربوط کرتے ہیں۔ جو بات آپ ﷺ کے ارشاد سے ثابت ہو وہ "سنتِ قولیہ" کہلاتی ہے، جو آپ ﷺ کے عمل سے ثابت ہو وہ "سنتِ فعلیہ" کہلاتی ہے اور جو کسی واقعے کو ہوتے ہوئے دیکھ کر اس پر آپ ﷺ کے سکوت سے متعلق ہو اسے "سنتِ تقریریہ" کہتے ہیں۔

شریعت میں اپنے عالی مقام اور تفسیر، فقہ، عقائد، اخلاق، زہد، تقویٰ، اخلاص اور دیگر شعبائے زندگی کے بارے میں متنوّع قسم کے استخراجات کی گنجائش کی وجہ سے سنت ایک ایسا اہم اور بابرکت ماخذ ہے کہ کسی دوسرے مذہب یا قوم کے ہاں اس کی نظیر نہیں ملتی، یہاں ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں اور مزید تفصیلات کے لیے قارئین کو اس موضوع پر لکھی گئی تصنیفات کی طرف مراجعت کا مشورہ دیتے ہیں۔

اجماع:

لغوی لحاظ سے اجماع کے مختلف معانی ہیں، مثلاً اتفاق رائے، ارادہ، عزم اور عینیت وغیرہ۔ اصطلاح میں اجماع کسی ایک دور کے مجتہد علمائے اسلام کے کسی متعین مسئلے پر اتفاق

Marfat.com

کرنے سے عبارت ہے۔ اس لحاظ سے دیکھیں تو اجماع امتِ مسلمہ کا خصوصی امتیاز ہے۔ اجماع سے سارے لوگوں یا صرف عوام الناس کا اتفاق رائے مراد نہیں، بلکہ اس کا تعلق اصلی ادلہ سے استنباط کی اہلیت رکھنے والے مجتہدین کے کسی مخصوص مسئلے میں ایک رائے پر اتفاق کرنے سے ہے۔ عوام کے کسی مسئلے پر اتفاق رائے کو اجماع سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ہی شرعی دلائل سے متصادم کسی بات پر اجماع منعقد ہو سکتا ہے، نیز شارع علیہ السلام کی صحیح طور پر ثابت نص اور دین کے بدیہی طور پر معلوم مسائل بھی اجماع کے دائرے سے خارج ہیں۔ اسی طرح کائنات کے حدوث، اللہ تعالیٰ کے وجود کی حقیقت، اس کی وحدانیت اور نبوت کے موضوعات بھی اجماع کے دائرے میں نہیں آتے، مزید برآں وہ امور بھی اجماع کے دائرے میں نہیں آتے، جن کا سمجھنا شارع کی وضاحت پر موقوف ہوتا ہے، مثلاً آخرت کے حالات، قیامت کی علامات اور اخروی نعمتوں اور عذابوں کی اقسام وغیرہ۔

یہاں ہم اجماع کی حجیت کے دلائل میں سے صرف دو نصوص کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: ”میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔“ ایک اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ارشاد ہے: ”اللہ کا ہاتھ جماعت کے اوپر ہے۔“ ان احادیث میں اس بات کی کافی شہادت موجود ہے کہ! جماع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی تائید ہوتی ہے۔

اجماع کے بارے میں زیدی اور شیعہ حضرات کے اہل السنت سے مختلف نقطہ نظر اور توجیہہ اور ظاہریہ کے اسے مخصوص دور کے ساتھ مختص کرنے کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ ان کے پیش کردہ دلائل اس قدر مضبوط نہیں کہ اسلامی ثقافت کے اس اہم ماخذ کی حجیت اور بنیادوں کو نقصان پہنچا سکیں، تاہم اس سے ان اختلافات اور جمہور کی طرف سے ان کے جوابات کا استخفاف مقصود نہیں۔ ان مباحث کے لیے کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت ہے۔ یہ کتاب ان مباحث کا محل نہیں۔ ہمارا مقصود تو صرف اتنا بتانا ہے کہ اجماع ہمارے ثقافتی ورثے کا ایک اہم ماخذ ہے۔

قیاس:

قیاس کا لغوی معنی ایک چیز کا دوسری چیز کے مطابق وزن کرنا اور اسے کسی مشترکہ حکم یا تقویم پر معلق قرار دینا ہے، جبکہ اصول فقہ کی اصطلاح میں قیاس ایک مسئلے یا کام کے حکم کو اس کی

Marfat.com

نظیر یا شبیہ پر جاری کرنے کو کہتے ہیں۔ اول الذکر کو مقیس علیہ یا اصل کہتے ہیں، جبکہ موٴخر الذکر کو مقیس یا فرع کہتے ہیں اور دونوں کے درمیان وجہ مشابہت کو مناط الحکم کہا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے قیاس زمان و مکان کی حدود سے آزاد کتاب و سنت میں پوشیدہ دولت کے اظہار کے لیے ایک وسیع میدان ہے۔ قیاس زمان و مکان کے تقاضوں کے مطابق ظہور پذیر ہونے والی ضروریات کی تکمیل کے لیے کتاب و سنت کے دائرے میں رہتے ہوئے ایک ایسا اہم ماخذ ہے، جس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ جب تک قیاس موجود ہو اس وقت تک ضروریات کی تکمیل کرنے والا چشمہ خشک نہیں ہو سکتا۔ وہ ہر دور میں اہل تجربہ کے سامنے کھلا ہوا ایک وسیع دروازہ ہے۔

بعض اوقات ملتے جلتے مسائل کے درمیان وجہ مشابہت اتنی واضح ہوتی ہے کہ معمولی مہارت رکھنے والا شخص بھی اسے سمجھ سکتا ہے۔ علمائے اصول ایسے قیاس کو "قیاس جلی" کا نام دیتے ہیں، لیکن بسا اوقات مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان وجہ مشابہت اس قدر مخفی ہوتی ہے کہ پہلی نظر میں سمجھ میں نہیں آتی اور جانچ پرکھ اور دقتِ نظر کا تقاضا کرتی ہے، بلکہ بعض اوقات ایک سے زائد مناط الحکم دکھائی دیتے ہیں۔ ایسے قیاس کو اصولین قیاسِ خفی سے تعبیر کرتے ہیں۔

قیاس کی یہ دونوں صورتیں اہم ہیں اور توسع کا سبب ہیں، تاہم عقوبات کے احکام میں قیاس سے کام نہیں لیا جاتا، کیونکہ اس بارے میں قیاس نئے جرائم اور عقوبات کا سبب بن سکتا ہے، لیکن ان مخصوص حالات کے سوا قیاس علم کا ایک اہم ماخذ ہے، جس کی طرف ہر دور میں رجوع کیا جاتا ہے۔ فقہاء کی اکثریت اس کی حجیت پر متفق ہے۔ ہم یہاں اسی قدر پر اکتفا کرتے ہوئے قارئین کو اس موضوع پر لکھی گئی دیگر تالیفات کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

استحسان:

اس کا مفہوم حسن و جمال اور عمدگی سے ماخوذ ہے۔ علمائے اصول کی اصطلاح میں اس کے متعدد معانی ہیں۔ اکثر علمائے اصول اسے قیاسِ جلی کے مقابلے میں قیاسِ خفی کی جگہ رکھتے ہیں۔ بعض اوقات استحسان میں کسی مخصوص مسئلے میں قیاسِ جلی کے تقاضے سے مضبوط تر دلیل کو اختیار کیا جاتا ہے یا زیادہ راجح دلیل پر اعتماد کیا جاتا ہے یا شریعت کے عمومی قواعد کی روشنی میں

Marfat.com

نص کے قریب تر مفہوم کی خاطر قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے یا دونوں صورتوں کے جواز کی صورت میں آسان تر صورت کو مشکل صورت پر ترجیح دی جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور اکثر فقہائے کرام استحسان کی حجیت کا اعتراف کرتے ہیں اور جو فقہاء اس کی حجیت کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ بھی اسے دوسرے شرعی مآخذ پر محمول کر کے دیگر ناموں سے اس پر عمل کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ اختلاف محض لفظی ہے اور اس سے شفاف چشمے میں گدلاہٹ پیدا نہیں ہوتی۔ ہم اس گفتگو کو یہیں ختم کر کے مزید تفصیلات کے لیے متخصصین کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

مصلحت:

مصلحت درستگی، مفید بات اور بھلائی کا واسطہ اور ذریعہ ہے۔ چونکہ مصلحت بندوں کے مفاد کو یقینی بنانے اور ان کی درستگی اور بھلائی کا خیال رکھنے والا ماخذ ہے، جیسا کہ اس کے مفہوم سے بھی واضح ہے، اس لیے دینی زندگی میں اس کا مقام بہت اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے احکام دین، جان، مال، عقل اور نسل کی حفاظت کے لیے ہی نازل فرمائے ہیں۔

اگرچہ مصلحت سے اس قدر وسیع پیمانے پر استدلال نہیں کیا جاتا، جس قدر دیگر شرعی ادلہ سے استدلال کیا جاتا ہے، لیکن مالکی فقہاء نے اسے خصوصی توجہ کا موضوع بنایا ہے۔ امام شافعی نے اگرچہ اس کا صراحتاً ذکر نہیں کیا، لیکن انہوں نے قیاس کے دائرے میں اسے مختلف طریقوں سے برتا ہے، گویا بالواسطہ طور پر انہوں نے بھی اسے قبول کیا ہے۔ جہاں تک فقہائے احناف کا تعلق ہے تو وہ تفسیر و تاویل کے اختلاف کے ساتھ اسے بخوشی قبول کرتے ہیں۔ دیگر بہت سے مسائل کی طرح اس بارے میں بھی امام احمد بن حنبل کی رائے امام شافعی کی رائے کے قریب تر ہے۔

مصلحت کی حجیت کے بارے میں اس اضافی (Relative) اختلاف کے باوجود سارے فقہی مسالک کے درمیان یہ امر مشترک ہے کہ وہ مختلف ناموں اور عنوانوں سے اس کا اعتراف کرتے ہیں، بشرطیکہ وہ مصلحت قابل قبول ہو، دیگر شرعی ادلہ سے متصادم نہ ہو اور اس کی طرف ایک ثانوی دلیل کی حیثیت سے رجوع کیا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو مفاہیم شارع نے اسے دیئے ہیں اور جو وظائف فقہائے کرام نے اس سے منسوب کیے ہیں ان کی حیثیت سے یہ

Marfat.com

ثقافت کا بہت اہم ماخذ ہے۔ گو اس کی مزید وضاحت کی ضرورت ہے، لیکن اس مقام پر اس سے زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔

تصوّف:

تصوّف کی تعریف کے بارے میں میں اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں اور رسائل کی طرف مراجعت کرنے کا مشورہ دے کر اس کے مشمولات کو اختصار کے ساتھ ذکر کروں گا۔

تصوّف جسے ہم نظری پہلو سے طریقت اور عملی پہلو سے "درویشی" (۱۱) کا نام دے سکتے ہیں روحانی زندگی سے لے کر اخلاق اور آداب معاشرت تک پھیلے ہوئے وسیع پیمانے پر علم و ثقافت کا ایک اہم ماخذ ہے۔

تصوّف کی مختلف انداز سے وضاحتیں کی گئی ہیں، مثلاً نفس اور انانیت کی موت اور دل اور روح کی زندگی یا ایک مخصوص حد تک ضمنی ارادے کے پائے جانے کے باوجود حق تعالیٰ کے ارادے کے سامنے ایسی تسلیم کا مظاہرہ کرنا جیسے غسل دینے والے کے ہاتھ میں مردہ ہوتا ہے یا قرآن کریم میں قابل مذمت قرار دیئے گئے برے اخلاق کو چھوڑنا اور اچھے اخلاق کو اپنانا یا بشری تقاضوں کی وجہ سے قلب و روح میں ہماری طرف لوٹنے والے "بُعد" کو عبور کر کے قرب کے عنوان سے اپنے وجدان میں قربِ الٰہی کو محسوس کرنا یا قرآن و سنت کی روشنی میں چلتے ہوئے ہوا و ہوس کی بجائے اللہ تعالیٰ کو اپنی زندگیوں میں جگہ دینا یا اسباب کو فعلی تاثیر سے خارج قرار دے کر پوری توجہ سے مسبب الاسباب کی طرف متوجہ ہونا یا جسمانی اور بدنی خواہشات کی قید سے آزاد ہو کر حسبِ استطاعت فرشتوں والی صفات سے متصف ہونا۔

اخلاقی نقطہ نظر سے دیکھیں تو تصوف شیطانی اور نفسانی خیالات کے مقابلے میں دل کی طہارت کی ہمیشہ حفاظت کرنے، نفس کو اس کے مخصوص میلانات سے روکنے، حتی الامکان اس کی سرگرمیوں کے دائرے کو محدود کرنے، قلب و روح کے مقام پر برقرار رہنے کے لیے جہدِ مسلسل کے ذریعے حقیقی انسانیت کے ارتقا کے راستوں پر ہمیشہ چلنے، حق تعالیٰ سبحانہ کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرنے کے لیے سنجیدگی سے کوشش کرنے، دوسروں کی مادی و روحانی سعادت کے ساتھ

Marfat.com

زندگی کو مربوط کرنے، صدق واخلاص سے بھرپور، اعلیٰ ترین اور مشکل ترین اعمال پر بھی اجر کی توقع نہ رکھنے میں نبوی سنت کی پیروی کرنے، حق تعالیٰ کی بندگی کے سلسلے میں ہمیشہ ''مشکوٰۃ محمدی'' کی روشنی میں چلنے، خالق و مخلوق، عابد و معبود، طالب و مطلوب اور قاصد و مقصود کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط تعلق کے ذریعے بے لوث اور بے غرض انداز سے پُر خلوص اور حیات افروز بندگی کرنے، گناہوں کے مقابلے میں ہمیشہ صبر واستقامت سے ڈٹے رہنے، زندہ دلی اور پُر کیف انداز سے طاعت وبندگی کرنے، مصائب وآفات کا ہنس کر سامنا کرنے، صفات جلال وجمال کو برابر سمجھنے، ہر قسم کی سعی وکاوش میں انسانی اندازوں کے بجائے حق تعالیٰ کے تقدیری فیصلوں کے ساتھ مربوط رہنے اور ہوش وحواس اڑا دینے والے مصائبِ زمانہ پر صبر ایوب کا مظاہرہ کرنے کا نام ہے۔ تصوّف کے مباحث کی اصل جگہ دل کی زمردی چٹانوں کے گرد گردش کرنے والی کتابیں اور رسائل ہیں۔ وہ علم ومعرفت کا بیان، برہان اور عرفان سے مستحکم ایسا وسیع اور منفرد حوض ہے، جو زندگی کے تمام شعبوں کو اپنے سینے سے لگا کر انہیں غذا فراہم کرتا اور زرخیز بناتا ہے۔ گہرائی کے لحاظ سے مشرق کے روحانی تصورات میں تصوّف کے چشمہ صافی کی کوئی نظیر ملتی ہے اور نہ ہی مغرب کے فلسفیانہ افکار میں۔

علم کلام:

لغوی لحاظ سے کلام کا اطلاق بات، لفظ، زبان، قرآنِ کریم اور خدائی اوامر ونواہی پر ہوتا ہے۔ اصطلاحی مفہوم میں وہ ان علوم کا مجموعہ ہے، جو عقلی ونقلی دلائل کے ذریعے اسلامی عقائد کا دفاع کرتے ہیں، اسلامی فکر کے اعتدال کی حفاظت کرتے ہیں، دین کے خلاف پیدا کئے جانے والے شکوک وشبہات کا ازالہ کرتے ہیں اور سنت نبویہ کے فریم ورک میں رہتے ہوئے بعض غلط فلسفیانہ افکار کے مقابلے میں صحیح اسلامی عقائد کا تحفّظ کرتے ہیں۔

ایک اور لحاظ سے علم الکلام ایسے علمی اور معرفی (Epistemological) دساتیر وقوانین کا مجموعہ ہے، جو اصول الدین اور کتاب وسنت اور کتاب وسنت سے اخذ کردہ سلفِ صالح کی آراء کے درمیان ربط قائم کرتے ہیں۔ علمائے کرام، مفکرین اور مسلمان فلاسفہ نے ان کلامی دساتیر کے موضوع پر بہت کتابیں تصنیف کی ہیں، جنہیں قدیم دور سے دینی مدارس میں پڑھایا جارہا ہے۔

Marfat.com

بعض مفکرین اور علمائے اسلام نے کتاب و سنت تک اپنے آپ کو محدود رکھتے ہوئے ان مسائل پر گفتگو سے گریز کیا، لیکن دیگر علماء نے اپنے دعوے کو برہان سے مستحکم کرنے، عرفان سے زرخیز بنانے اور صوفیانہ و فلسفیانہ مقتضیات سے وسیع کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کیا، بلکہ انہوں نے اس انداز سے علم کلام میں مشغولیت کو دین کی خدمت قرار دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس انداز سے توسّع اختیار کرنے سے اسلامی نظام فکر میں قدیم تراث کی بہت سی گمراہ کن باتیں شامل ہوگئی ہیں، لیکن دوسری طرف یہ بھی درست ہے کہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کے سامنے بہت سے عظیم اور وسیع آفاق کھلے ہیں۔

یہ علم کلام کے فوائد اور نقصانات کے بارے میں بحث کرنے کا مقام نہیں ہے اور نہ ہی ہم بحث ومباحثہ کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں، بلکہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ علم کلام ہمارے ثقافتی ورثے کا ایک وسیع اور مثمر ماخذ ہے۔

عرف، عادات اور تعامل:

عرف ایسی عادت، حالت اور طرزِ عمل کو کہا جاتا ہے، جسے لوگوں کے ہاں قبولیت اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور وہ عقل، طبع سلیم اور دین کے متصادم نہیں ہوتا، گو اسے قانونی حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔ حنفی فقہائے کرام اس کی ایک اور انداز سے تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”عرف ایسے امور کا مجموعہ ہے، جنہیں عقل اور شریعت استحسان کی نظر سے دیکھتی ہے اور فکر سلیم انہیں بُرا نہیں سمجھتی۔“ عرف، عادت اور تعامل کے درمیان چند واضح فرق پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ عرف اور معروف کا اطلاق اچھی عادات کے مجموعے پر ہوتا ہے، جبکہ عادت اور تعامل بعض اوقات مستحسن نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات عادت اور تعامل کو اچھے اور برے اوصاف کے ساتھ متصف کرکے کہا جاتا ہے: ”اچھی عادت“، ”بُری عادت“، ”اچھا تعامل“ اور ”بُرا تعامل“، لیکن عرف کے ساتھ اس قسم کے اوصاف کا اضافہ نہیں کیا جاتا، اسی طرح عرف کے دائرے میں قول اور عمل دونوں شامل ہوتے ہیں، جبکہ عادت اور تعامل افعال اور طرزِ عمل کے ساتھ مختص ہوتے ہیں۔ نیز عادت اور تعامل ایک پہلو سے ”عقل معطّل“ کے ساتھ مربوط اور پرانی بات کی تقلید اور اسے قبول کرنے پر مبنی ہوتے

Marfat.com

ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے متعدد مقامات پر اس فہم کی مذمّت بیان کی ہے اور تقلید اور اندھی پیروی کے سلسلے میں کفّار کی اس بات ﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِمْ مُقْتَدُونَ﴾ (سورۃ الزخرف: 23) ”ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راہ پر پایا ہے اور ہم قدم بقدم ان ہی کے پیچھے چلتے ہیں۔“ پر تنقید کی ہے، لیکن دوسری طرف قرآن کریم نے عرف کی نہ صرف تعریف کی ہے، بلکہ معروف کے نام سے اس کی ترغیب دی ہے اور چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی اس کی رعایت کرنے کی تاکید کی ہے۔

یہاں ہم نے عرف، عادت اور تعامل کا ذکر شرعی مآخذ اور بعض احکام کے لیے بنیاد ہونے کی حیثیت سے نہیں کیا، بلکہ اس حیثیت سے کیا ہے کہ عرف مطلقاً اور عادت اور تعامل دین کی روح سے متصادم نہ ہونے کی شرط کے ساتھ ہمارے ثقافتی ورثے کے اہم مآخذ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک موضوع کی تفصیلات کے لیے مستقل کتابوں اور طویل مباحث کی ضرورت ہے، جس کی اس مقام پر گنجائش نہیں۔

مذکورہ بالا سطور میں ہم نے انتہائی اختصار کے ساتھ بلکہ بعض اوقات صرف موضوعات کے عنوانات اور تعریفات پر اکتفا کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا مقصد محض ایک مضمون کے محدود دائرے میں رہتے ہوئے اپنی ثقافت کے موروثی مآخذ اور ان کی اندرونی ساخت کا تعارف پیش کرنا ہے۔ میں ایک ذاتی خصوصیت کا ذکر کر کے اپنی موروثی ثقافت کے متنوع مآخذ کے درمیان پائی جانے والی وحدت کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ میں نے خوابوں کی دنیا میں رہتے ہوئے محض تصوراتی انداز میں موضوعات پر گفتگو کرنے سے بطورِ خاص اجتناب کیا ہے۔ میں تصنّع اور بناوٹ سے دور رہا ہوں اور میں نے پوری توجہ علوم کے تکوینی پہلو (Epistemological) پر مرکوز رکھتے ہوئے اپنے ثقافتی اور فکری ورثے کے مختلف شعبوں کے درمیان پائے جانے والے تعلقات کا تذکرہ کیا ہے، نیز چونکہ ان تمام موضوعات کا تذکرہ ناگزیر تھا، اس لیے ہم نے ہر موضوع پر اختصار کے ساتھ مخروطی انداز سے روشنی ڈالی ہے اور فروعات کو متخصصین کے فہم پر اعتماد کرتے ہوئے نظر انداز کیا ہے۔ اگر زندگی نے وفا کی تو میں مستقبل میں ان موضوعات پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کروں گا، تاہم ابھی چند قطروں کے ذریعے سمندر کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

Marfat.com

اسلامی روح

ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ صرف اسلامی ماحول ہی انسان کو پُر کیف انداز سے جینے کا حق دیتا ہے۔ پچھلی دو ایک صدیوں سے ساری انسانیت پر مسلط نظاموں نے انسانیت کے اضطراب اور بد بختی میں اضافہ ہی کیا ہے۔ سب سے پہلی خرابی تو یہ ہے کہ یہ سارے نظام انسانی روح کے لیے بالکل نامانوس تھے۔ ممکن ہے کہ کچھ نظاموں سے عارضی طور پر انس پیدا بھی ہو گیا ہو، لیکن باطنی انکار اور عدمِ قبولیت میں ٹھہراؤ پیدا نہ ہوا، جو بہت سے لوگوں کے دلوں میں ان تمام فکری نظاموں سے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرتا رہا اور یہ عدم اعتماد، شک اور خوف نئے بحرانوں کا سبب بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نئی صدا ایک نئے بحران اور ایک نئے انکار کا پیش خیمہ سمجھی جانے لگی اور اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں، کیونکہ انسانیت پر مسلط یہ نظام ایسے مفروضوں پر قائم ہیں، جو زندگی، کائنات اور خالق کائنات کے درمیان پائے جانے والے تعلق میں بہت سارے وسیع خلاؤں پر مشتمل ہیں۔ انسان کی حقیقت سے نہ صرف کم علمی بلکہ جہالت اور بے رحم انداز میں انسان کی روحانی اور قلبی زندگی کو برباد کرنا ان ہولناک کوتاہیوں میں سے ہیں، جن کے ان نظاموں میں موجود ہونے کی وجہ سے ان میں پیدا ہونے والے خلا کو کوئی بھی چیز پُر نہیں کر سکتی۔

اسلام کے انتہائی معتدل اور متوازن نظام کے سوا کوئی نظام بھی انسان، کائنات اور خدا کے درمیان پائے جانے والے تعلق میں کوئی خلا چھوڑے بغیر پورا پورا توازن قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اسلام سے پہلے اور اُس کے بعد نجات اور امید کی یقین دہانی کرانے والے روحانی اور مادی نظاموں نے انسانی ضروریات کو پورا نہیں کیا، بلکہ موعود امیدوں کو برلانے میں بھی ناکام رہے۔ آج سب سے بڑی غلطی یہ ہو رہی ہے کہ اصل ضرورت روحانی اور قلبی بھوک مٹانے کی ہے، لیکن سارا زور جسمانی خواہشات کی تکمیل پر صرف کیا جا رہا ہے۔ بدن پروری کے ذریعے روحانی بھوک اور حسرت کی تسکین کرنا ایسے ہی ہے، جیسے سمندر کے پانی سے پیاس بجھانا۔ سالہا سال سے ساری انسانیت بالعموم اور دنیائے اسلام بالخصوص اس دور اور تسلسل کے منحوس دائرے میں پھنسی ہوئی ہے۔ انسان کی بدنی ضروریات کی تکمیل کے لیے کی جانے والی

Marfat.com

ہر کوشش اسے روح سے مزید دور کر دیتی ہے اور ہر دوری نئی بوکھلاہٹ کو جنم دیتی ہے۔ جب بھی روحانی اور قلبی افلاس کی وجہ سے انسان بدنی ضروریات کے قبضے میں تڑپتا ہے تو بدنی اعتبار سے اس کی شیخی میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ اپنے نفسانی مطالبات کو تمام انسانی اقدار پر مطلق العنان حاکم بنادیتا ہے، حالانکہ اسلامی روح سے دوری ساری انسانیت کے حقیقی بھوک اور پیاس میں مبتلا ہونے کا بنیادی سبب ہے۔ جب ہم "اسلام کی روح" کا ذکر کرتے ہیں تو ہماری مراد اس کی پراگندہ، بے کیف اور آسمانی جاذبیت سے خالی حالت سے نہیں ہوتی، جیسا کہ دورِ حاضر میں وہ ہماری نظروں میں دکھائی دیتی ہے، بلکہ اس کے چمکتے دمکتے رنگوں اور نقش ونگار سے ہوتی ہے، جیسا کہ پاکیزہ روحیں آج بھی اسے پاتی ہیں اور باسعادت دور (نبوی) نے اسے پاکر اس کے مطابق زندگی گزاری تھی۔ یہ روح آج بھی تلاطم خیز سمندر کی طرح پاکیزہ، تروتازہ، گہری اور ہر دور اور جگہ کی فکری گندگیوں کی آمیزش سے پاک ہے۔ تاہم اس تک رسائی پاکر اس سے استفادہ کرنا مخصوص نیت اور نقطہ نظر، عزم وہمت اور خود اعتمادی پر موقوف ہے۔

یہ روح کتنی ہی کامل، لاہوتی اور متحرک (Dynamic) کیوں نہ ہو اس کے نام لیوا اور نمائندے اس کی وسعت اور زرخیزی کے باوجود صدقِ نیت، درست رائے اور نقطہ نظر، محنت اور دریافت کے عزم مصمم اور ہر مطلوب ومقصود کے اس میں پائے جانے کے اطمینان اور یقین کے بغیر اس سے پورا استفادہ نہیں کرسکتے۔ بصورت دیگر اگر وہ ساری زندگی بھی اس آسمانی خزینے سے چمٹے رہیں وہ بھوک اور فقر جیسی ضرورتوں اور بیماریوں پر قابو نہ پاسکیں گے، کیونکہ جو لوگ اب بھی قرآن وسنت سے روحانی فیض حاصل کرتے ہیں وہ ان کے سوا کسی چیز سے مطمئن نہ ہوں گے۔ ذاتی طور پر مجھے یقین ہے کہ اگر ہم قرآن وسنت کو مضبوطی سے تھام لیں اور اُنہیں وہی مقام دیں جو ابتدائی دور کے قرآنی مخاطبین نے انہیں دیا تھا تو دورِ حاضر کی بہت سی ناقابل حل مشکلات حل ہو جائیں گی، بہت سے بحرانوں اور مصائب کی تلاطم خیز موجیں تھم جائیں گی یا کم از کم ان کا نقصان نہ ہونے کے برابر رہ جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اسلامی دنیا میں کل کی طرح آج بھی شیر مادر کی مانند ہماری اصل غذا کا سرچشمہ، ہمارے احساسات، افکار اور اندازوں کے بارے میں فیصل، ہمارے گھروں میں ہمارا ہمنشین اور ہماری زندگی کا روحِ رواں

Marfat.com

ہے۔اس سے ہمیں کبھی وحشت یا اجنبیت محسوس نہیں ہوئی۔ اس کے بر عکس اجنبی نظریات و افکار نے بارہا ہمارے دروازے کھٹکھٹائے، ان کے پروپیگنڈے سے ہمارے گلی کوچے گونج اٹھے، لیکن وہ ہمارے دلوں میں اپنی جگہ نہ بنا سکے، ہماری روحوں میں گھل مل نہ سکے اور ہم کبھی بھی انہیں اپنا نہ کہہ سکے، بلکہ ان کی شکل وصورت کی اجنبیت نے پہلی نظر میں ہی ہمارے غصے کو بھڑکا دیا، ہمارے دلوں میں ان کے بارے میں شکوک وشبہات کو جنم دیا اور ہمارے معاشرے کو ان سے کراہت ہونے لگی۔ انہیں ہمارے ہاں صرف اسی قدر پذیرائی ملی، جس قدر ہمارے دفاعی نظام میں کمزوری پیدا ہوئی۔

اسلام ماضی کی طرح اب بھی ہمارے وطن، سرزمین، شہروں اور گھروں میں ہمارے اس قدر قریب ہے اور وہ ہماری زندگی، ضروریات اور دلوں کی دھڑکنوں کا اس قدر خیال رکھتا ہے کہ ہماری بہت سی حرکات وسکنات، تصرفات اور سرگرمیاں اس کے رنگ میں رنگی ہوئی ہیں، چنانچہ ہماری صورت وسیرت پر اس کی چھاپ، ہمارے ذہنوں میں اس کا اتار چڑھاؤ، ہمارے دلوں میں اس کی آواز، ہمارے خدّوخال پر اس کے اثرات اور تھکاوٹ میں اس کے آرام دہ فواصل ہمارا سہارا ہیں۔ غور وفکر کی دعوت دینے والے اس کے الہامات آرام کے وقت میں ہماری راحت کا سامان ہیں۔ ہماری ذات میں اس کے تصرفات، ہماری مال ودولت میں اس کی شرکت، ہماری انفرادی اور عائلی زندگی میں اس کے جدائی کرنے والے فوارق، اس کا ہمیں ایک دوسرے سے محبت کرنے پر صدقِ دل سے ترغیب دینا، ابدیت کا وعدہ کر کے اس کا ہماری امیدوں اور تمناؤں کو بھڑکانا اور اپنے متوازن فیصلوں کے ذریعے حق، انصاف اور مساوات کے مسائل میں ہمارے دلوں کو مطمئن کرنا اس کے ساتھ ہمارے گہرے لگاؤ کا ذریعہ ہے، بلکہ ہم اسی وجہ سے اس کے پابند ہیں، یہاں تک کہ اگر (نعوذ باللہ) بالفرض کبھی ہم اس سے محروم ہو گئے تو ہم دکھ اور غم سے مر جائیں گے۔

بعض نظاموں نے حق، انصاف، مساوات اور عالمی امن وغیرہ جیسی اقدار کا اپنے مخصوص اہداف ومقاصد کے حصول اور اپنے اصولوں کی تنفیذ کے وسیلے کی حیثیت سے استحصال کیا، جبکہ اسلام ان عالمی اقدار کو انسانیت کی سعادت اور رضائے حق کے نقطۂ وصال کی حیثیت سے دیکھتا ہے، جس کے نتیجے میں مشیت خداوندی اور انسانی ضروریات دونوں پوری ہو جاتی ہیں۔ اسلام مسلمانوں سے مسئلے

Marfat.com

کے اس منفرد نکتے کو مضبوطی سے تھامنے کا مطالبہ کرتا ہے اور آج نہیں تو کل عنقریب جب مسلمان حق، انصاف اور مساوات کی کماحقہ رعایت کریں گے اور اپنے اعلیٰ تصورات کو اپنی جسمانی اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنانے کی بجائے انہیں حق تعالیٰ کے ساتھ مضبوط تعلق سے مربوط کریں گے تو انہیں وہ مقام حاصل ہو جائے گا کہ لوگ ان پر رشک کریں گے۔ یہ وہ مقام ہو گا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت کریں گے اور لوگ ان پر رشک کریں گے۔ اس مقام کے حصول کا اولین محرّک اسلام کی ناقابل تسخیر قوت اور مسلمانوں کا قابل رشک طرزِ زندگی ہے۔

اسلام کو باہر سے درآمد کردہ نظریات کی طرح پروپیگنڈے کی ضرورت نہیں۔ اس کا مدار اس کی اپنی ذات اور اس کے وفا شعار نمائندوں کا کردار ہے۔ حق کی پابندی، اس کی طرفداری اور اس کا احترام اسلام میں عبادت کا مقام رکھتا ہے۔ عاکف اپنے ایک شعر میں کہتا ہے:

"حق خالق کائنات کے بے شمار اسمائے حُسنیٰ میں سے واضح ترین نام ہے۔ یہ کتنے شرف کی بات ہے کہ انسان حق کی طرفداری اور دفاع کی خاطر جدوجہد کرے!"

شاعر نے یہ لطیف بات ابھی اوپر ذکر کردہ منفرد نکتے کے فریم ورک میں ہی کہی ہے۔ ہم اسے اس حقیقت کی آواز سمجھتے ہیں، جس سے ہم کبھی دستبردار نہ ہوں گے۔ اسلام ہمیشہ "طاقت حق میں ہے۔" کے اصول پر عمل پیرا رہتا ہے اور کبھی بھی کسی ظالم و جابر کی سطوت کے سامنے نہیں جھکتا۔ وہ سینہ تان کر کھڑا ہوتا ہے اور سر اٹھا کر چلتا ہے۔ وہ ظلم کے ساتھ گٹھ جوڑ کرتا ہے اور نہ ظالم کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے، بلکہ شاعر باقی کے الفاظ میں: "ہمارے چہروں پر ذلیل لوگوں اور گھٹیا دنیا کی خاطر کبھی ذلت ظاہر نہ ہو گی۔ ہم صرف اللہ کی پناہ میں آتے ہیں اور صرف اسی پر بھروسا کرتے ہیں۔" کہہ کر اپنے ہدف کی طرف چل پڑتا ہے۔

حق اور طاقت کے درمیان توازن کا قیام بہت اہم موضوع ہے، جو خصوصی توجہ اور قدرے شرح وبسط سے بیان کیے جانے کا متقاضی ہے۔ ذیل میں ہم اس پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالیں گے اور تفصیلی گفتگو کسی اور موقع پر کریں گے۔

اسلام کی رو سے عدل اور استقامت زندگی کے وسیع ترین دائرے میں فرد، خاندان اور معاشرے کے طرز زندگی کا حصہ ہے۔ اسلام کے مطابق زندگی گزارنے والا شخص استقامت کے

Marfat.com

ساتھ سوچتااورزندگی گزارتاہے،ہمیشہ حق کے دائرے میں رہنے کی کوشش کرتاہے، ظلم اور حق سے انحراف کے خلاف جدوجہد کا آغاز سب سے پہلے اپنی ذات سے کرتاہے، دوسروں کے حقوق کی حفاظت اپنے حقوق کی حفاظت سے بڑھ کر کرتاہے اورزندگی انتہائی متوازن انداز سے گزارتاہے۔

انصاف اور استقامت خصوصی موضوع ہے، جو تفصیلی گفتگو کا متقاضی ہے، لیکن اس مضمون میں اس کی گنجائش نہیں۔

اسلام میں مساوات حکم خداوندی ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی احترام کالازمی حصہ بھی ہے، جس کی خلاف ورزی انسانیت کے خلاف سنگین جرم سمجھاجاتاہے۔ اسلام رنگ، نسل، صوبے اور معاشرتی حیثیت کی بنیاد پر امتیازی سلوک کے خلاف ہے اورزندگی کے ہر شعبے میں اس قسم کی منحرفانہ سوچ کے خلاف انتھک فکری جدوجہد کرتاہے۔اسلام خُفتہ استعدادوں اور مہارتوں کو بیدار کرکے منظرِعام پرلاتاہے۔وہ وسائل سے ایک جتنے مواقع اور مساوات کی بنیاد پر استفادے کی نگہبانی کرتاہے۔ وہ نسلی بنیادوں پر قائم نظاموں کورد کرکے زندگی کے کسی بھی شعبے میں کسی مخصوص گروہ کی اجارہ داری اور حکمرانی (Oligarchy) کا مکمل خاتمہ کرتاہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام انفرادی صلاحیتوں کے لیے راستہ کھول کر ان کے لیے کامیابی کو یقینی بناتاہے اور اسے ارشادباری تعالیٰ:﴿فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۵۳)"ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔" کا لازمی تقاضا سمجھتاہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ مونارکزم (Monarchism) کے خلاف جدوجہد میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا۔

اسلام ہر فرد اور گروہ کے ساتھ ایک جیسا مشفقانہ برتاؤ کرتاہے، سب کی ضروریات اور مطالبات کوایک جیسے معیار کے مطابق پوراکرتاہے اور علی الاعلان کہتاہے کہ ایک انسان کودوسرے انسان پرکوئی برتری حاصل نہیں،وہ ہمیشہ برابری اور مساوی مواقع کی فراہمی پرزوردیتاہے، غفلت کی تاریکیوں میں صلاحیتوں کوزنگ آلود کرنے یاکسی اونچے گھرانے میں پیدا نہ ہونے کی بیڑیوں میں قابلیتوں کومفلوج کرنے پر بے رحم تنقید کرتاہے، فرد کی داخلی حرکیت (Dynamism) اور حقیقی جدوجہد کے بغیر حاصل ہونے والی ترقی اوربرتری کے

Marfat.com

سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جاتا ہے اور واضح لفظوں میں اعلان کرتا ہے کہ یہ غیر اخلاقی طرزِ عمل ہے، جس کا سبب روحانی افلاس اور پستی ہے۔ اسلام مادی اسباب اور محرکات کا خاتمہ کر کے اور ایمانی، علمی اور احسانی جذبات کے ذریعے فرد کی قوتِ ارادی کو بیدار کر کے روحانی افلاس، پستی اور ذلت کو مٹانے کی کوشش کرتا ہے۔

دناءت، افلاس اور پستی سے روح کی حفاظت صحیح ایمان، وسیع علم اور مسلسل نگرانی کی مضبوط ڈھال کی پناہ میں آنے کو ضروری قرار دیتی ہے۔ ان تیاریوں کی بدولت حاصل ہونے والا روحانی اطمینان بدنی اور جسمانی امور سے بلند تر ہو کر زندگی کے بہت سے اہم امور کو دیکھنے کے لیے انسان کی آنکھیں کھول دیتا ہے۔ اس کے برعکس اس تیاری سے محروم لوگوں کے لیے لمبے عرصے تک انسانی اقدار کی حفاظت اور اس پر ثابت قدمی بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ روحانی افلاس اور پستی انسان کو اس کی ذاتی خوبیوں سے دور کر دیتی ہے، جس کے نتیجے میں وہ در در کی ٹھوکریں کھاتا اور نئے نئے نظریات اپناتا ہے اور معاشرے سے ایسے طور پر کٹ جاتا ہے کہ اسے امراء کی ملازمت اختیار کرنی پڑتی ہے اور وہ جلد یا بدیر غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیتا ہے۔

اسلامی عقیدہ اہل ایمان کے دلوں میں جو حرکیت (Dynamism) پیدا کرتا ہے جب ہم اسے سمجھ جائیں گے تو ہمیں افراد اور قوموں کے عروج وزوال اور ترقی و پستی کے اسباب و محرکات بھی سمجھ میں آجائیں گے، نیز ہم نئے سرے سے متحد ہو کر اور اپنی قوت کو مجتمع کر کے اس قافلے سے جا ملنے کی اہم اساسات کو پالیں گے، جس سے ہم بچھڑ گئے ہیں۔ اس سلسلے میں ہمارے لیے نمونہ ہمارے وہ سنہری اصول ہیں، جنہوں نے ترقی کے تمام مراحل میں ہماری راہنمائی کی اور سب سے عمدہ دور سعادت (نبویہ) کے انسان کا نمونہ ہے۔ جب ہم ان کی سوچ کی پیروی کرتے ہوئے اپنے شاندار ماضی سے ایک مرکزی ماخذ کی حیثیت سے تقویت حاصل کریں گے، اپنی اقدار کو مضبوطی سے تھامیں گے اور عاکف شاعر کے بقول "اللہ تعالیٰ پر بھروسا کریں گے، جدوجہد کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگیں گے۔" جس کے سوا ہمارے پاس کوئی چارہ بھی نہیں ہے، تو اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ ہمارے لیے ناقابل عبور گھاٹیوں کو پار کرنا آسان ہو جائے گا اور ہمارے راستے کی تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں گی۔

Marfat.com

دور سعادت (نبویہ) کا معاشرہ اور ہماری ملی تاریخ کے عظیم معمار تحریکی (Dynamic) اور وجدانی زندگی میں اسلام کے کماحقہ نمائندے تھے۔ انہوں نے قرآن کریم کے سائے اور اسلامی ریاست میں پرورش پائی اور فنا اور خلود کی سرحدوں کو جدا کرنے اور مشکل سے حاصل ہونے والے افق میں اپنی زندگی گزاری۔ اس سخت مزاج، وحشی، متعصّب، ضدی اور اسلام سے پہلے بُرے اخلاق وعادات میں مبتلا ہونے کی وجہ سے تباہی کے کنارے کھڑے معاشرے کا یک لخت عقلی، قلبی، روحانی اور نفسیاتی لحاظ سے ایک مثالی گروہ میں تبدیل ہونا اسلام کا ایک واضح معجزہ ہے۔ انہوں نے قرآن کریم کو غور سے سنا، قرآنی غذا سے تربیت پائی اور اپنے دل صاحبِ قرآن سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کر دیئے، جس کے نتیجے میں انہوں نے شعوری، فکری اور حسی لحاظ سے اپنے آپ کو تعمیری اور احیائے نو کے میدان میں پایا۔ وہ ایک نئے جذبے اور ولولے کے ساتھ سر سے لے کر پاؤں تک بدل گئے، انہوں نے بُرے اخلاق اور مہلک عادات کو چھوڑ دیا اور نفس کی مسلسل مخالفت کر کے تمام ناجائز جسمانی خواہشات کا سختی سے مقابلہ کیا۔ انہوں نے دوسروں کو زندگی عطا کرنے کا عزم کر کے زندہ رہنے پر زندگی دینے کو ترجیح دی اور ایک اعلیٰ نظام کے مثالی نمائندوں کی حیثیت سے اپنی زندگی کو دوسروں میں خوشیاں بانٹنے سے مربوط کیا۔ انہوں نے ہر لمحے انسانی کمزوری کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسلسل نگرانی، مستحکم حکمت عملی اور لغزشوں سے اجتناب کی پوری کوشش کی اور شیطانی وسوسوں کے دوران خلوص کے ساتھ توبہ واستغفار کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ عمودی ترقی کے راستوں کی جستجو میں رہے اور فلک بوس چوٹیوں پر پرواز کرتے ہوئے زندگی گزاری۔ انہوں نے کبھی بھی سر تسلیم خم نہیں کیا، بلکہ ظلم وستم، اجنبیت کی وحشت، خوف وہراس اور قسم قسم کی زیادتیوں اور محرومیوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر ڈٹے رہے، لیکن اس موثر مزاحمت کے باوجود انہوں نے سب کو اپنے سینے سے لگایا، سب کے لیے اپنے دلوں کے دریچوں کو کھولا اور دوسروں کے افکار کو حقیر نہیں سمجھا، بلکہ انسانِ کامل کے مقام تک پہنچنے کے ضروری تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ انہوں نے قرآن وسنت سے اپنی روحوں میں منتقل ہونے والے علوم کے ذریعے ایک نئی دنیا بنائی اور پوشیدہ انسانی اقدار کو عملی جامہ پہنا کر اپنے بعد آنے والوں کے لیے نمونہ بن گئے۔

وہ ہماری اصل (Origin) ہیں۔ انہوں نے خالق کائنات کو تلاش کیا، اپنے قبلے کو پالیا، ایک حق تعالیٰ کی بندگی کو سینے سے لگا کر خواہشات، طاقت، شہوت اور شہرت کی طرح طرح کی غلامیوں سے نجات حاصل کر لی اور بدحالی میں مبتلا کرنے والی دناءتوں سے اپنے آپ

Marfat.com

کو پاک کر لیا۔ ہم ان کا تسلسل ہیں اور آج ان کی نمائندی کر رہے ہیں۔ وہ ہماری اصل ہیں اور ہمارے بعد آنے والے ہمارا حصہ ہوں گے۔ ہم اسلام کے فرزند ہیں۔ ہم نے اس کے آغوش میں پرورش پائی اور اس کی فضا میں سانس لی ہے۔ ہمارے دل ہمیشہ اسلام کی محبت سے لبریز رہے ہیں اور ہم نے کبھی بھی اس سے اجنبیت محسوس نہیں کی۔

Marfat.com

ایک مخصوص زاویے سے اسلامی نظام فکر کا جائزہ

عقل ،دل، فکر، انسانی احساسات، وحی اوراس کے تمام ثمرات اور ہمارے نظام فکر کی دیگر خصوصیات سب کی بہت زیادہ اہمیت ہے، گویاوہ سب ایک ہی چیز کے مختلف رُخ ہیں۔ ان کی اِس حیثیت سے بھی اہمیت ہے کہ دوسرے نظاموں کے مقابلے میں اسلام کے زیر انتظام علاقہ بہت وسیع وعریض ہے۔ اسلام نے انسانیت کے بارے میں اپنے پیغامات میں ہمیشہ وسعت اور کشادگی کے پہلو کا خیال رکھاہے۔ اس نے معقولیت کے دائرے میں رہتے ہوئے فکری، جذبات کی رعایت کرنے والے، وحی پر مبنی اور الہام سے مویّد مکالمے کی راہ اختیار کر کے اپنے مخاطبین اور پیروکاروں کے ساتھ اپنا رشتہ قائم کیاہے۔ اسلام نے اپنے مستحکم، قرآنی محاکے سے ہم آہنگ، عقلی اور منطقی احکام کو انسان، کائنات اور خالق کائنات کے درمیان پائے جانے والے تعلقات کی بنیادوں پر استوار کیاہے۔ قرآن کریم کی روشنی میں اسلام نے جس تعلق کی بنیاد رکھی ہے وہ انتہائی مضبوط اورانسانی شعور، فکر اور محاکے سے بالکل ہم آہنگ ہے، بلکہ عقل، دل اور روح کے درمیان توازن کی رعایت کرنے میں اس سے پہلے یابعد کے نظاموں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

اسلام نہ صرف انسان کی محدود باطنی دنیا کے لحاظ سے بلکہ عالم اکبر کے ساتھ اس کے تعلقات کے لحاظ سے بھی انسانی مزاج اور فطرت کے لیے سب سے بہتر اور اس سے سب سے زیادہ ہم آہنگ نظام ہے۔ انسانی ضروریات کی تکمیل میں اس کی نظیر ملنا محال ہے۔ یہ بالکل واضح بات ہے، کیونکہ اس کا اولین ماخذ پاکیزہ وحی اور اولین تفسیر سنتِ نبویہ ہے۔ جس طرح قرآن کریم معجزہ ہے، اسی طرح اس کے پیغامات سے تشکیل پانے والا نظام بھی معجزہ ہے اور جس طرح قرآن کریم کی کوئی نظیر اور شبیہ نہیں، اسی طرح اس کے درخشندہ اثر "اسلام" کی بھی کوئی نظیر نہیں۔

قرآن کریم کی روشن دنیا میں وجود، اشیاء اور فطرت فوراً تبدیل ہو کر مختلف صورت اختیار کر لیتی ہے، انسان کے مادی وروحانی احساسات میں غیر متوقع گہرائی پیدا ہو جاتی ہے، اس معجزاتی بیان کی بدولت عقل میں اتنی رفعت پیدا ہوتی ہے کہ وہ اشیاء کی حقیقت کو دیکھ سکتی ہے، اس کے نورانی ماحول کے زیر اثر دل میں وسعت، بڑھوتری اورارتقا ہوتا ہے اور محض اپنی واردات کی مدد سے روحانی کمال کے عرش کی طرف پرواز کرتے ہوئے ہر چیز کو دل کی حکمرانی سے مربوط

Marfat.com

کرتی ہے۔ یہ نتائج ماضی میں نکلے، آج حاصل ہو رہے ہیں اور مستقبل میں بھی حاصل ہوں گے۔ اہل ایمان سے امید کی جاتی ہے کہ وہ نہ صرف قرآنِ کریم کو بلکہ اپنے جذبات، احساس، شعور اور ادراک کو بھی قرآنِ کریم کے نزول کے وقت کی تروتازگی، جدّت، پاکیزگی اور نورانیت اور اُس وقت اُس کے مخاطبین کے دلوں میں پیدا ہونے والے جذبے کی حرارت کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ جو شخص قرآن کریم کو سمجھتا ہے وہ اس کے پاکیزہ انفاس میں عشق، جذبے اور شوق واشتیاق کو بھی سمجھنے لگتا ہے، نیز جو شخص دل کے کان سے قرآنِ کریم کی بات سنتا ہے۔ وہ اوپر سے سنائی دینے والی "انبعاث بعد الموت" (احیائے نو) کی صدا کو ہمیشہ سنتا ہے۔

قرآن کریم نے جہاد کی ایک نئی اور بالکل مختلف حقیقت متعارف کرائی ہے۔ یہ انسان کو اپنی ذات سے آشنا کرنے، ساری کائنات سے رشتہ استوار کرنے، جسم پروری اور نفس پرستی کی مخالفت پر کمر کسنے، مخاطبین کو اپنے باطن کے دروازے کھولنے کی دعوت دینے، ایک واضح موقف اپنانے کے بعد دشمنی، کینے، بغض، شہوت پرستی، خود غرضی، حرص، حسد اور انسانی مقام کو گرانے والے تمام گھٹیا جذبات کے خلاف مسلسل تیار رہنے، اعلیٰ فکر اور اونچے مقصد سے رابطے کو مضبوط کرنے، اندیشوں اور امیدوں کو کم کرنے، دنیا کو آخرت کے لیے انتظار گاہ سمجھنے، اخروی اعمال کا احیاء کرنے اور دنیا کو اخروی نعمتوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنانے کا جہاد ہے۔ اس کے علاوہ بھی جہاد کی بہت سے صورتیں ہیں۔

قرآنِ کریم تقریباً ربع صدی تک انسانیت کے لیے اپنے پیغامات کے بڑے حصے میں جہاد کی انہی صورتوں کو پیش کرتا رہا، یہاں تک کہ اس نے اپنی حیات افروز پیغامات کی بدولت نشوونما پاتے ہوئے "شجرہ مبارکہ" کی صورت اختیار کرلی: ﴿ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ﴾ (سورۃ ابراہیم/۲۴) "اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی سی مثال بیان فرمائی ہے کہ وہ ایسی ہے جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط ہو اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوں۔" اور اس نے پھیل کر زمین کے وسیع حصے کو باغات میں تبدیل کر دیا۔ عہد رسالت میں ہر آیت مبارکہ آبشاروں کی طرح اوپر سے آتی ہوئی آواز اور کوثر کے آبِ زلال کے ایسے حوضوں کی مانند تھی، جن میں ہر وقت فوارے پھوٹتے رہتے ہوں، بلکہ زیادہ درست الفاظ میں وہ

Marfat.com

عالم لاہوت سے آنے والے تازہ تازہ پھلوں کی مانند تھی، چنانچہ شوق واشتیاق سے لبریز لوگ ان پھلوں کے ظاہر ہوتے ہی پُرجوش انداز میں انہیں چن کر دلوں اور روحوں کی مدح سرائی (appreciation) کے لیے پیش کرتے، پیش کش اور مدح سرائی کا یہ سلسلہ مسلسل جاری رہتا اور یہ خوش نصیب ہستیاں اس محیر العقول دستر خوان سے ہر روز محظوظ ہوتیں۔ اس مرحلے میں ہر روز اپنے آفاق پر برسنے والی وحی کی موسلا دھار بارش کی وجہ سے توانائی سے بھرپور مخاطبین احیائے نو کے باہم مربوط تجربات سے یوں گزرتے گویا وہ لانہایت سے آنے والی صور کی آواز سن رہے ہوں، جس کے نتیجے میں اُن میں سے ہر ایک "خضر" بن کر اپنے پاس سے گزرنے والے ہر انسان میں نئی روح پھونک دیتا۔ وہ احیائے نو کے ان پیہم تجربات کے ذریعے بڑے شوق واشتیاق اور ولولے سے اپنی سعادتوں اور خوش نصیبیوں کی چوٹیوں کو سر کرتے جاتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغام: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ (الانفال:۲۴)" مومنو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم قبول کرو، جبکہ رسول تمہیں ایسے کام کے لیے بلاتے ہیں جو تم کو زندگی جاوداں بخشتا ہے اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ تم سب اس کے روبرو جمع کیے جاوگے۔" کے ذریعے ان کے جذبات، افکار، روحوں اور دلوں میں ولولہ پیدا فرمارہے ہیں۔

ان کی دائمی تروتازگی اور شگفتگی کا راز ان کے ماحول میں پوشیدہ تھا۔ وہ پہلے سے کوئی رائے قائم کیے بغیر قرآنِ کریم کو دل سے سنتے، پورے اخلاص سے اس پر ایمان رکھتے، اس جلیل القدر کتاب کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے اور دل کی گہرائیوں سے اس سے محبت کرتے، بلکہ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھتے جب تک اللہ تعالیٰ ان کی محبت کو قبول نہ فرمالیتے۔ وہ اپنے جذبات اور اسلامی افکار کو حرص وہوس کی آلودگی سے بچانے کا پورا اہتمام کرتے اور اسلام کو اسی کے نقوش، حسن اور رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کرتے، جس کے نتیجے میں انہیں مخاطبین کی طرف سے مثبت ردِ عمل ملتا۔ ایسی پُرنور فضا میں قرآن اور اسلام کی اصل حقیقت کو سمجھا جاتا تھا اور سب لوگ بغیر کسی الجھن یا رکاوٹ کے اسے سمجھتے، صدقِ دل سے اس میں عظمت خداوندی کی جھلک دیکھتے اور پہلے سے قائم کردہ رائے اور آلودگیوں سے پاک ہو کر عقل،

Marfat.com

منطق اور محاکمہ کی روشنی میں ہر چیز کی بہترین انداز میں قدر پیمائی کرتے تھے، نیز وہ مجرّد علم پر ہی ہرگز اکتفا نہ کرتے، بلکہ اپنے علم پر فوراً عمل کرتے، اس کا نمونہ بن کر دکھاتے، اپنی معلومات اور مہارتوں کو قوّتِ محرّکہ میں تبدیل کرتے اور اپنے نظری علوم کو بآسانی عملی زندگی میں برت کر دکھاتے۔ انہوں نے اپنے وسیع وجدان میں انسان اور کائنات کی تخلیق کا مقصد جان لیا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے میں وہ لذت پاتے جو دوسروں کو جسمانی لذتوں اور نفسانی خواہشات میں ملتی تھیں اور جسم پروری سے متعلق ہر چیز کے تنگ دائرے سے نکل کر وہ دل کی وسیع و عریض مملکت میں ہر روز ایک نئے پہلو سے وسعت پیدا کرتے تھے۔

صحیح قرآنی تفسیر اور درست اسلامی تصور کی روشنی میں بلکہ زیادہ درست لفظوں میں اسلامی نمائندگی سے پھوٹنے والے آسمانی افق کے حامل ایسے محیّر العقول نظامِ حیات میں زندگی کا کچھ زمانی فاصلوں کے ساتھ بار بار احیاء ہوتا رہا، جس تک مثالی شہر (Ideal City) کا تصوّر پیش کرنے والوں کے خیال کی رسائی بھی نہ ہوئی۔ کون جانتا ہے کہ اس نظامِ حیات میں زندگی کا کتنی بار احیاء ہوتا تھا۔ زمانہ کتنا ہی دراز ہو جائے اور وقت کتنا ہی بدل جائے اس درجے کی روحانی زندگی کے راستے میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہو سکتی۔ یہ سعادت اس دور میں بھی حاصل کی جا سکتی ہے، بشرطیکہ ہم ابھی اوپر ذکر کردہ نظام کے فریم ورک میں جدوجہد کی روح کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے دیں، حالات کیسے ہی ہوں ہمت نہ ہاریں، ہر کام سمجھ بوجھ اور ہوشیاری سے کریں، ہمیشہ نفس پرستی اور جسم پروری سے دور رہتے ہوئے قلبی اور روحانی افق کے ساتھ ہم آہنگ رہیں، بشری تقاضوں کے تحت ممکنہ گناہوں کی آلودگی سے اپنی بیداری کی حفاظت کریں اور منفی فکر کے اثرات کو کسی بھی طرح اپنی باطنی دنیا تک رسائی حاصل نہ کرنے دیں۔

اسلامی فکر کا ایک اہم ترین پہلو ہر چیز کو رضائے حق کے ساتھ وابستہ کر کے بعض لوگوں کے ہاں حقیر سمجھی جانے والی دنیا کی تعمیر اور اسے آخرت کے لیے انتظار گاہ سمجھتے ہوئے اس کی تربیت اور اصلاح کر کے قابل رشک بنانا ہے۔ یہ نقطۂ نظر دنیا کو آخرت کی کھیتی اور اس تک پہنچانے والا پل، بندرگاہ اور میدان کی حیثیت سے دیکھتا ہے۔

اسلام اپنے مخاطبین سے گفتگو کرتے ہوئے ان کے جذبات، افکار، احساس، شعور، منطق اور ادراک کی طرح کے تمام ظاہری اور باطنی پہلو پیش نظر رکھتا ہے۔ وہ انسان کو لطیف جذبات

Marfat.com

اوراحساسات کے حامل ایک کل کی حیثیت سے دیکھتااوراس کے مطابق اس سے ہم کلام ہوتا ہے، چنانچہ وہ اس کی خواہشات کا احترام کرتا ہے، اس کی فطری اور بشری ضرورتوں کو پورا کرتا ہے اور ان کے لیے ایک ایسا ماحول تشکیل دیتا ہے، جو اُس کے ہر جگہ اور ہر دور میں آسانی کے ساتھ زندگی گزرنے کو ممکن بناتا ہے۔

اسلامی نظام فکر کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ علم و معرفت کے دوسرے مآخذ اور ذرائع کی بہ نسبت قرآن و سنت کی مرکزیت پر زیادہ اعتماد کرتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ دیگر تمام دینی نظاموں اور فلسفیانہ رجحانوں سے مختلف ہے، چنانچہ اپنے آغاز سے ہی اسلام نے اپنے آپ کو قدیم تراث اور متعدد قسم کے دینی نظاموں سے ایک فاصلے پر رکھتے ہوئے اپنے علیحدہ وجود اور تشخص کو برقرار رکھنا چاہا۔ گو اسلام "شرع من قبلنا" کے اصول کے تحت پہلے دین کے تحریف اور تبدیلی سے پاک حصے کا احترام کرتا ہے، لیکن اصولی طور پر وہ صرف ان بنیادی مآخذ سے استفادہ کرتا رہا ہے، جنہیں ہم "شیریں سرچشمے" کے نام سے تعبیر کرسکتے ہیں۔

حق تو یہ ہے کہ اسلام کو قدیم تراث یا جدید خوابوں (Fantasies) کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ اسے اس کی ضرورت پڑ بھی کیسے سکتی تھی، جبکہ اس کی بنیاد قرآن کریم ہے؟ وہ قرآن جو اجمالی طور پر ہر دور کے انبیائے کرام کی کتابوں، ہر مشرب کے اولیائے کرام کے رسائل اور ہر مسلک کے اصفیاء کے علمی آثار کا جامع ہے۔ وہ اوپر نیچے، دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہر طرف سے منور ہے اور اس تک شکوک و شبہات کی رسائی ممکن نہیں۔ وہ ایسی کتاب ہے، جس کا نقطۂ استناد یقینی طور پر وحی آسمانی اور کلامِ ازلی ہے۔ اس کی غرض و غایت مشاہدے کے ذریعے ابدی سعادت ہے۔ اس کا باطن واضح طور پر خالص ہدایت ہے۔ اس کا اوپر والا حصہ ایمان کا نور، نیچے والا حصہ دلیل اور علم یقین کی حامل برہان، اس کا دائیاں حصہ تجربے کے ذریعے قلب و وجدان کی تسلیم و رضا، اس کا بائیاں حصہ عقل اور عین الیقین کے ذریعے تسخیر اور اس کا ثمرہ رحمٰن کی رحمت اور جنت ہے۔(12) لہٰذا اس کتاب سے غذا حاصل کرنے والے اسلام کو کبھی بھی مثالیت پسندوں (Idealists) کے تخیلات، واقعیت پسندوں کے منطقی نتائج اور تجربیت پسندوں وغیرہ کے

Marfat.com

طریقوں اوراصولوں کی ضرورت پڑی، نہ اس نے ان کی طرف رجوع کیا اور نہ ہی اس نے ان کے مآخذ کو قابل اعتماد سمجھا۔

اسلام اپنے اسلوب کی خصوصیات، اپنے وسائل اور انسانی مشکلات کے حل کے لیے اپنی تجویزوں کے لحاظ سے دیگر تمام آسمانی اور غیر آسمانی نظاموں سے مختلف ہے۔ وہ ہر پہلو سے کامل نمونہ ہے۔ وہ انسان کی تمام بنیادی خصوصیتوں اور اس کی تمام ذہنی، فکری اور روحانی صلاحیتوں، کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے ایک وسیع فریم ورک میں رکھتا ہے اور پھر اسے مختلف قسم کی ذمہ داریاں سونپتا ہے۔ وہ اسے عقل و فکر میں محصور نہیں کرتا، نہ محض عقلی اور منطقی وجود کی حیثیت سے اس کی قدر و منزلت کا تعین کرتا ہے، نہ اس کے جذبات کو نظر انداز کرتا ہے اور نہ بعض فلسفیانہ مکاتبِ فکر کی طرح اس کی وجدانی توانائی سے چشم پوشی کرتا ہے، بلکہ اسلام انسان کو خالق کی نظر سے دیکھتا ہے۔ وہ ایک ناقابل تقسیم کل کی حیثیت سے اسے ایک مضبوط سانچے میں ڈھالتا ہے، اس کے داخلی اور خارجی احساسات کے مطالبات کو پورا کرتا ہے اور اسے اس کے مادی اور روحانی وجود کے تمام عناصر کے ہمراہ دنیا و آخرت کی سعادت کے لیے تیار کرتا اور جنت کا اہل بناتا ہے۔

تاہم ان امور کی ابتدا سے انتہا تک تحقیق کو ہم تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر تحقیق کرنے والے اہل قلم کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔

Marfat.com

اللہ اور واقعات کے بارے میں نبوی موقف

جو شخص اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے لیے وقف کر کے اللہ تعالیٰ جل شانہ سے مدد مانگتا ہے وہ پیچھے مڑے بغیر اپنا فریضہ اور ذمہ داری ادا کرتا رہتا ہے، کیونکہ جس صاحبِ اقتدار ذات سے وہ مدد مانگتا ہے اور جس مالک کے لیے کام کرتا ہے وہ اس سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ وہ اپنے ہدف اور راستے کی درستگی پر مطمئن اور اس بارے میں پُر یقین ہوتا ہے کہ وہ جس ذات کی حفاظت میں ہے وہ اُس سے ایک لمحے کے لیے بھی جدا نہیں ہوتی اور نہ ہی کبھی اس کا ساتھ چھوڑے گی۔ اسی لیے وہ کسی فکری یا شعوری انتشار کا شکار ہوتا ہے اور نہ ہی اسے کوئی تشویش یا تردد ہوتا ہے، بلکہ گہرے شعور اور احساس کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے مطمئن ہو کر نتائج اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے۔ وہ ربوبیت کے معاملات میں مداخلت کرنے سے سختی سے اجتناب کرتا ہے اور تمام حرکات و سکنات اور سرگرمیوں کا مرکز و محور رضائے حق کو قرار دیتا ہے۔ چونکہ اس کے نزدیک ہر معاملے میں رضائے حق کو بنیادی شرط کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، اس لیے وہ خواہشات نفس سے بچتے ہوئے حتی الامکان ہر اس چیز کے لیے اپنے دروازے بند رکھتا ہے، جس میں رضائے خداوندی نہ ہو۔ جب راستے بھول بھلیاں بن جائیں، راہیں گھل مل جائیں، آفاق تاریک ہو جائیں اور قلق و اضطراب کی بازگشت ہر طرف گونجنے لگے تو وہ راستے پر چلنے پر مغموم ہوتا ہے اور نہ متأسف، حیرت کا شکار ہوتا ہے اور نہ پیچھے ہٹتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے جدوجہد کرتا اور طالبِ توفیق رہتا ہے۔ وہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرح ﴿ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ﴾ (سورۃ القمر:10) ”میں ان کے مقابلے میں کمزور ہوں بس تو ہی بدلہ لے لے۔“ کہہ کر پورے صدق و اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نگرانی میں آجاتا ہے اور اس کے لطف و احسان کا منتظر رہتا ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلنا، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بتانا، اس کی یاد دلانا اور سلوک کا راستہ طے کرنے والوں کو اس راستے کے آداب سے آگاہ کرنا عبادت ہے، اسی طرح ہر چیز کی اللہ تعالیٰ سے امید رکھنا اور ہوش و حواس گم کر دینے والے حالاتِ زمانہ میں

Marfat.com

صبر کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھنا بھی باعثِ ثواب ہے۔ بسا اوقات انسان کو پہلی ہی کوشش اور قدم پر توفیق الٰہی اور مطلوب مل جاتا ہے، لیکن بعض اوقات وہ اصیل گھوڑے کی مانند پلٹتا جھپٹتا ہے، لیکن بظاہر اسے کوئی کامیابی نہیں ہوتی، لیکن در حقیقت اپنے صبر، پیش قدمی اور نیت کی بدولت آخر کار کامیاب ہو جاتا ہے۔

بعض اوقات دنیوی حوادث اور اہل دنیا آپ کا راستہ روکتے ہیں اور پے در پے پیش آنے والے حوادث کا دباؤ برداشت کرنا بڑی بڑی ذمہ داریاں اٹھانے سے بھی زیادہ دشوار ہو جاتا ہے۔ سالہا سال یوں گزر جاتے ہیں جیسے وہ سارے کے سارے "ماہ محرّم" ہوں اور سارے راستے میدانِ کربلا میں جا ملتے ہیں، لیکن حق تعالیٰ کی طرف سے صادر ہونے والے احکام کو بجالانے والے قلوب ایسے حالات میں کپکپاتے ہیں، نہ لڑکھڑاتے ہیں اور نہ ہی تذبذب کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ ہر حادثے کو مشیت خداوندی کا کرشمہ اور مصائب کو امتحان سمجھتے ہیں، توکل اور تسلیم و رضا کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے سینوں کو امتحانات کے لیے کھول دیتے ہیں، کسی عہد و پیمان کا خیال نہ رکھنے والے راہزنوں کو انسانیت کا درس دیتے ہیں اور اخرویات کے عالم سے آنے والے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے ہر حرکت و سکون اور سرگرمی کی اصلاح کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض اپنے طرزِ عمل پر نگاہ رکھتے ہیں اور بعض ربِ ذوالجلال کے در کے کھلنے کا انتظار کرتے ہوئے حوصلے کے ساتھ رضائے حق جیسے بلند مقصد کی طرف لپکتے ہیں اور اپنے خیالات تک کو غیروں کے افکار سے پاک رکھتے ہیں۔

صدق و وفا کے اس مقام پر فائز انسان کو بس ایک ہی غم لاحق ہوتا ہے کہ سب لوگ خدا کو پالیں، اس کی طرف رخ موڑ لیں اور قسما قسم کی غلامیوں سے نکل کر ایک اللہ کی غلامی میں آجائیں۔ وہ گلیوں اور بازاروں میں بے چین پھرتا ہے، اس کی سانس اور آواز اس کی دل کی ترجمانی کرتی ہے۔ وہ ایسے واضح اسلوب میں گفتگو کرتا ہے کہ ہر صحیح ضمیر کا حامل شخص اسے قبول کرلیتا ہے۔ وہ درد بھرے انداز میں اپنے شہر والوں سے کہتا ہے: ﴿يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ (الاعراف:۵۹) "اے میری برادری کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ مجھے تمہارے بارے میں بڑے

Marfat.com

دن کے عذاب کا بہت ہی ڈر ہے۔" [یہ دردمندی حضرت نوح علیہ السلام کے نوحے کا حصہ ہے۔] ﴿يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾ (الاعراف:٦٥) "انہوں نے کہا: بھائیو! اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم ڈرتے نہیں؟" [یہ حضرت ہود علیہ السلام کی پکار کا حصہ ہے] ﴿ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ O فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ O وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (الشعراء:١٠٧-١٠٩) "میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں اس کام کا تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمے ہے۔" [یہ صدق واخلاص کے نمونے تمام انبیائے کرام کی دعوت کی مشترکہ خصوصیت ہے] ان الفاظ میں وہ ہمیشہ اپنے دل کے نغمے سناتا ہے یا جو لوگ یہ نغمے سناتے ہیں ان کی مدد کے لیے لپکتے ہوئے کہتا ہے: ﴿وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَى قَالَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ O اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ O وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ O أَأَتَّخِذُ مِنْ دُونِهِ آلِهَةً إِنْ يُرِدْنِ الرَّحْمَنُ بِضُرٍّ لَا تُغْنِ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنْقِذُونِ O إِنِّي إِذًا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ O إِنِّي آمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُونِ﴾ (سورۃ یس:٢٠-٢٥) "اور شہر کے پرلے کنارے سے دوڑتا ہوا ایک آدمی آیا۔ کہنے لگا کہ اے میری قوم! پیغمبروں کے پیچھے چلو۔ ایسوں کے جو تم سے صلہ نہیں مانگتے اور سیدھے رستے پر ہیں اور میں کیوں اس ذات کی پرستش نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔ کیا میں اس کو چھوڑ کر اوروں کو معبود بناؤں؟ کہ اگر رحمن مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے کچھ بھی فائدہ نہ دے سکے اور نہ مجھے چھڑا ہی سکیں تب تو میں کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔ میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لایا ہوں۔ سو میری بات سن رکھو۔" چنانچہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل ہونے کا حکم فرماتے ہیں: ﴿قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ O بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ﴾ (سورۃ یس:٢٦-٢٧) "حکم ہوا کہ بہشت میں داخل ہو جا۔ بولا کاش میری قوم کو پتہ چل جائے کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت والوں میں شامل کیا۔" [اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ اسے قتل کر دیا گیا تھا، جس کے نتیجے میں وہ شہید کی حیثیت سے داخل ہوا تھا] (مناقب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ملائکہ آسمان کی ہم رکابی کا شرف حاصل کرنے والی یہ

Marfat.com

پکار عظیم ہیرو حبیب بخار کی تھی۔) یہاں قوم فرعون کے اس مخفی مؤمن کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، جس کی آواز سن کر مجھ پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے: ﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ﴾(سورۃ غافر:۲۸) "اور فرعون کے لوگوں میں ایک شخص جو اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتا تھا کہنے لگا کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے؟" اس کی مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔ یہ کہہ کر اس نے انسانی افکار واحساسات پر صور کی آواز جیسی تاثیر رکھنے والی نصیحتیں کرنی شروع کیں، جن کے نتیجے میں دل خوف سے لبریز ہو گئے، کچھ روحوں پر کپکپی طاری ہو گئی اور کچھ کو راحت وسکون میسر آیا۔ اس نے جرأت مندانہ انداز میں کہا: ﴿لَا جَرَمَ أَنَّمَا تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ وَأَنَّ مَرَدَّنَا إِلَى اللَّهِ وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۝ فَسَتَذْكُرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ وَأُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ﴾(سورۃ غافر: ۴۳۔۴۴) "سچ تو یہ ہے کہ جس چیز کی طرف تم بلاتے ہو اس کو دنیا اور آخرت میں بلانے کا کوئی فائدہ نہیں اور ہم کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے اور حد سے نکل جانے والے ہی دوزخی ہیں۔ جو بات میں تم سے کہتا ہوں تم اسے آگے چل کر یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ بیشک اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے۔"

عزم وارادے سے سرشار حضرات اوچھے پن، تکبر، رسوائی، غرور، خودسری، بغض و عداوت اور غصے کے ان لشکروں کے سامنے مضبوطی سے ڈٹے رہے، جنہوں نے ان کی مروت اور شجاعت کو گمراہی اور سفاہت سے متہم کیا، انہیں جلاوطنی اور گھربار سے نکالے جانے کا خوف دلایا، ان کے پیروکاروں کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کی دھمکی دی، ان کے ساتھ ہتک اور حقارت آمیز سلوک کیا، انبیائے کرام کے بارے میں یہ سوئے ظن رکھا کہ ہمارے بعض معبودوں نے انہیں نقصان پہنچایا ہے، ہدایت دینے والوں کو سنگسار کرنے کی دھمکی دی اور ہمیشہ یہ کہہ کر ان کی اہمیت کم کی: ﴿إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا﴾(سورۃ ابراہیم:۱۰) "وہ بولے کہ تم تو ہمارے جیسے آدمی ہو۔" انبیائے کرام نے اپنی قوموں کے اس رویے کا یہ کہتے ہوئے جرأت مندی سے جواب دیا: ﴿يَا قَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ

Marfat.com

تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ﴾(سورۃ یونس:۷۱)"اور ان کو نوح کا قصہ پڑھ کر سنا دو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: اے قوم! اگر تم کو میرا اپنے درمیان رہنا اور اللہ کی آیتوں سے نصیحت کرنا ناگوار ہو تو میں تو اللہ پر بھروسا رکھتا ہوں۔ تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر ایک کام جو میرے بارے میں کرنا چاہو مقرر کر لو اور وہ تمہاری تمام جماعت کو معلوم ہو جائے اور کسی سے پوشیدہ نہ رہے پھر وہ کام میرے خلاف کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو۔"[یہ حضرت نوح علیہ السلام کا موقف اور آواز ہے۔]

﴿قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللَّهُ مِنْهَا وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ﴾(سورۃ الاعراف:۸۹) "اگر ہم اس کے بعد کہ اللہ ہمیں اس سے نجات بخش چکا ہے تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تو بیشک ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور ہمیں شایاں نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں۔ ہاں اللہ جو ہمارا پروردگار ہے وہ چاہے تو ہم مجبور ہیں ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ہمارا اللہ ہی پر بھروسا ہے۔ اے پروردگار! ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔"[یہ خطیب الانبیاء حضرت شعیب علیہ السلام کی للکار ہے۔] ﴿إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ۝ مِنْ دُونِهِ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُونِ ۝ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾(سورۃ ہود:۵۴۔۵۶)"انہوں نے کہا کہ میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن کو تم اللہ کا شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں، یعنی جن کی اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو تو تم سب ملکر میرے بارے میں جو تدبیر کرنی چاہو کر لو اور مجھے مہلت نہ دو۔ میں اللہ پر جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے بھروسا رکھتا ہوں۔ زمین پر جو چلنے پھرنے والا ہے وہ اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ بیشک میرا پروردگار سیدھے رستے پر ہے۔"[یہ حضرت ہود علیہ السلام کے موقف کی وضاحت ہے۔] ﴿يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَى مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾(سورۃ ہود:۸۸)

Marfat.com

"انہوں نے کہا کہ اے قوم دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنے ہاں سے مجھے نیک روزی دی ہو تو کیا میں اپنا فرض ادا نہ کروں؟ اور میں نہیں چاہتا کہ جس بات سے میں تمہیں منع کروں خود اس کو کرنے لگوں میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے تمہارے معاملات کی اصلاح چاہتا ہوں اور اس بارے میں مجھے توفیق کا ملنا اللہ ہی کے فضل وکرم سے ہے۔ میں اسی پر بھروسا رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔" [یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بلیغانہ دھمکی ہے۔] اپنی قوم کے اس اعتراض: ﴿إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا﴾ (سورۃ ابراہیم:۱۰) "وہ بولے کہ تم تو ہمارے جیسے آدمی ہو۔" کا حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر اولوالعزم انبیائے کرام نے درج ذیل جواب دیا: ﴿إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ○ وَمَا لَنَا أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَى مَا آذَيْتُمُونَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ﴾ (سورۃ ابراہیم: ۱۱۔۱۲) "پیغمبروں نے ان سے کہا کہ ہاں ہم تمہارے ہی جیسے آدمی ہیں، لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نبوت کا احسان کرتا ہے اور ہمارے اختیار کی بات نہیں کہ ہم اللہ کے حکم کے بغیر تم کو تمہاری فرمائش کے مطابق معجزہ دکھائیں اور اللہ ہی پر مومنوں کو توبھروسا رکھنا چاہیے اور ہم کیوں اللہ پر بھروسا نہ رکھیں، حالانکہ اس نے ہم کو ہمارے دین کے سیدھے رستے بتائے ہیں اور جو تکلیفیں تم ہم کو دیتے ہو اس پر ہم صبر کریں گے اور اہل توکل کو تو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔" جب ہر طرف ظلم وستم پھیل کرنا قابل برداشت حد تک بڑھ گیا تو وہ صدق واخلاص سے یہ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے: ﴿رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ○ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (سورۃ الممتحنۃ: ۴۔۵) "اے ہمارے پروردگار تجھ ہی پر ہمارا بھروسا ہے اور تیری ہی طرف ہم رجوع کرتے ہیں اور تیرے ہی حضور میں ہمیں لوٹ کر آنا ہے۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو کافروں کے ذریعے فتنے میں نہ ڈالنا اور اے ہمارے پروردگار ہمیں معاف فرما۔ بیشک تو غالب ہے حکمت والا ہے۔" [ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تسلیم ورضا کا یہ عزم اس راستے پر چلنے والوں کے لیے مشعل راہ ہے۔]

Marfat.com

یہ بات مشاہدے سے ثابت ہے کہ اس طرح کے دلوں کے مالک، پر عزم اور مضبوط موقف رکھنے والی ہستیوں نے اسی مقصد کی حفاظت کی اور ایک جیسی اقدار کی پاسداری کی۔ وہ ایک ہی خط پر چلیں اور ان کے احساسات ،افکار، کردار اور دعوتی پیغام میں وحدت پائی جاتی تھی۔ ان کے درمیان زمان ومکان کے لحاظ سے کتنا ہی بعد کیوں نہ پایا جاتا ہو ان کے پیغام میں وحدت واضح طور پر جھلکتی ہوئی نظر آتی تھی۔ ان کی نمایاں ترین خصوصیات یہ تھی کہ وہ ہر کام میں رضائے الٰہی کی متلاشی رہتیں، اپنے جہاد میں صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت وعنایت سے مدد مانگتیں، اس کی حفاظت کی پناہ میں آتیں اور اس کے نام سے ہر کام کرتیں۔

ان قدسیوں کی اصل ذمہ داری انسانیت کو کفر وگمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لانا، دلوں کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کے لیے روحوں میں بیداری پیدا کرنا، اشیاء کی حقیقت واضح کرنے کے لیے ان کے سامنے سے پردے ہٹانا تاکہ ذہنوں میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کا ازالہ ہوسکے، کائنات پر روشنی ڈالنا تاکہ کتاب اور اسکرین کی طرح اسے پڑھا اور دیکھا جاسکے اور ایک فنی شاہپارے کی مانند اس کی باریکیوں کی وضاحت کی جاسکے، زمانے کی ذہنی سطح کے مطابق اس کی توجیہہ کرنا اور اس فانی راستے کو ہمیشہ رہنے والی دنیاؤں کا زینہ اور پل، ان کی کھیتی اور ان کی خریداری کا بازار بنانا ہے۔

قرآن کریم ان میں سے بعض ذمہ داریوں کا تذکرہ کرتے ہوئے سیّد المرسلین حضرت محمد ﷺ سے کہتا ہے: ﴿الر كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ﴾ (سورۃ ابراہیم:۱) "الر۔ یہ ایک پرنور کتاب ہے۔ اس کو ہم نے تم پر اس لیے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاؤ۔ یعنی ان کے پروردگار کے حکم سے عزت والے خوبیوں والے مالک کے رستے کی طرف۔" اور اس طرح ہمیں نبوت کے ایک دائرہ کار سے آگاہ کرتا ہے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ تنہا نہیں ہیں، بلکہ یہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی ذمہ داری تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم اسی سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہی ذمہ داری قرار دیتے ہوئے کہتا ہے: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا

Marfat.com

مُوسَى بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ﴾ (سورۃ ابراہیم:۴) "اور ہم نے موسی کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے جاؤ اور ان کو اللہ کے دن یاد دلاؤ اور اس میں ان لوگوں کے لیے جو صابر و شاکر ہیں نشانیاں ہیں۔"

اگرچہ شدید احساسِ ذمہ داری، مستحکم ارادے اور مضبوط شخصیت کا تقاضا کرنے والے عظیم پیغامِ رسالت کے حاملین ہماری طرح کے انسان تھے، لیکن وہ عزم و ایمان کی قوت، استقامت کی شدت، امانت داری کی بلندی، اپنی ذمہ داری کی شدتِ احساس، رضائے الٰہی کی شدتِ شوق، گناہوں کے مقابلے میں ہمیشہ ثابت قدم رہنے اور صراط مستقیم کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کو اپنی فطرتِ ثانیہ بنانے میں ہم سے مختلف تھے۔ دعوت و ارشاد کے سوا انہیں کہیں بھی چین و سکون نہ ملتا اور وہ بغیر کسی اکتاہٹ و بیزاری کے بڑے شوق سے اپنے فرائض سرانجام دیتے، تاہم پورے احساسِ ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دیتے ہوئے وہ خدائی معاملات میں دخل ہرگز نہ دیتے اور نہ ہی نتائج پر کبھی نظر رکھتے، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی عنایت کے امیدوار رہتے۔ وہ عادی شرط کے طور پر ارادہ کے اثرات کو تسلیم کرتے ہوئے ہدایت اور گمراہی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے، ہر معاملے کے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانے کا اعتراف کرتے، اس کے حکم اور فیصلے کے سامنے پورے خشوع و خضوع سے سر تسلیم کرتے۔ جس طرح وہ باریک بینی سے شرعی احکام کی رعایت کرتے اسی طرح تکوینی امور کی حفاظت کا بھی پورا اہتمام کرتے تھے۔ وہ قرآن، کائنات، مخاطبین اور اپنے پروردگار کے بارے میں "اولوالعزم" اور منتخب انبیائے کرام جیسا مضبوط اور مستحکم موقف اختیار کرتے تھے۔

ان چنیدہ انسانوں کے حوصلے اس قدر بلند ہوتے ہیں کہ وہ حاصل شدہ کامیابیوں پر اکتفا کرتے ہیں اور نہ ہی ناکامیوں پر مایوس ہو کر ہمت ہار بیٹھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے اور ناکامیوں کا سبب وہ خود ہیں۔ وہ مستقل مزاجی سے ڈٹے رہتے ہیں اور ہمت نہیں ہارتے۔ اگر تقدیرِ الٰہی سے انہیں کوئی دھچکا لگتا ہے تو فوراً سنبھل کر اپنے راستے پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ وہ دنیوی کامیابیوں کے حصول پر خوشی سے اتراتے ہیں اور نہ ہی کسی

Marfat.com

ناکامی پر مغموم یا آزردہ ہوتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ساری کامیابیاں حق تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہیں۔ ایک طرف آزمائش میں مبتلا ہونے کے خوف سے ان پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی موجودگی کے رعب سے ان کی کمر دہری ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ہر قسم کے لطف واحسان کا سرچشمہ حق تعالیٰ کی ذاتِ والاصفات ہے۔ ان چنیدہ اور اچھے لوگوں کے اس عمدہ موقف کی وجہ سے حق تعالیٰ ان کا ساتھ نہیں چھوڑتے، دنیا میں ان کی مدد کر کے انہیں زمین کی خلافت عطا فرماتے ہیں اور آخرت میں انہیں جنت الفردوس کا وارث بناتے ہیں۔ اس کی دلیل حسبِ ذیل آیت مبارکہ ہے: ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾ (سورۃ الانبیاء:۱۰۵) "اور ہم نے نصیحت کی کتاب یعنی تورات کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ میرے نیکوکار بندے ملک کے وارث ہوں گے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ ساری زمین ان کے رنگ میں رنگی جاتی ہے۔ ﴿أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (سورۃ المؤمنون:۱۰۔۱۱) "یہی لوگ میراث حاصل کرنے والے ہیں، یعنی جنت الفردوس کے وارث بنیں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

ان عظیم امور کی داخلی حرکیات (Internal dynamics) اور انبیائے کرام کے پیغام کے دائرہ ہائے کار ایک مستقل اور مفصّل مضمون کے متقاضی ہیں، جو شاید بعد میں کسی وقت ہم لکھیں۔

Marfat.com

اسلام اور مستقبل کا راستہ

دو صدیوں سے انسانیت طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا رہی، موت کے کنوؤں کے گرد گھومتی رہی اور جب بھی نجات پانے کی کوشش کرتی ہلاکتوں کا سامنا کرتی اور مصائب کی چکی میں پیسی جاتی۔ اس منحوس دور میں دنیا کے کلیدی مناصب پر افراد، گروہوں، طبقات، سرمایہ داروں اور مافیا گرپوں کا حکومتوں اور ریاستوں سے بھی زیادہ تسلط رہا اور یہ فطری بات ہے کہ ایسے ماحول میں ہر چیز کی قدر و منزلت کا تعین مال و دولت اور معاشی حالت کے مطابق کیا جاتا ہے۔

ایسے عالم میں جہاں حقیقی اقدار کا مفہوم بالکل بدل جائے وہاں انسان کو اس کی دولت و ثروت اور موسم سرما و گرما کے محلات کے ذریعے تولا جانا بالکل فطری امر ہے اور یہی کچھ ہمارے ہاں پیش آیا۔ مادی قوّت فتح کا نعرہ لگاتے ہوئے علم، فضیلت، فکر اور شجاعت پر ٹوٹ پڑنے کے لیے شوخ رومی پہلوان کی طرح تکبر سے ہاتھ بلند کر چکی ہے، حالانکہ مال و دولت اور سیادت صرف اسی وقت سود مند ہوتی ہے، جب اس کا رشتہ علم، عقل، فضیلت اور شجاعت کے ساتھ استوار ہو، بصورتِ دیگر اس کا سود مند ثابت ہونا بہت مشکل ہے، بلکہ بسا اوقات تو وہ تمام سرحدیں عبور کر کے وحشی پن اور درندگی کا باعث بن جاتی ہے۔ آج افسوس ناک امر یہ ہے کہ علم، فکر، اخلاق اور شجاعت جیسی معاشرتی زندگی کی حقیقی اقدار اگر مادی اعتبار سے سود مند نہ ہوں تو انہیں حماقت اور بے حقیقت خواب سمجھا جاتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جس معاشرے کے افراد اپنی زندگی کا نصب العین نفس پرستی اور جسم پروری کو قرار دیتے ہیں، اپنی زندگی لذتوں میں منہمک ہو کر گزارتے ہیں اور انہیں مالداری اور عیش پرستی کے سوا کسی چیز کی فکر نہیں ہوتی اس معاشرے میں مقاصد کو برباد کرنے والے حیلہ باز، مفاد پرست، بے حس، کوتاہ نظر اور جاہل قسم کے لوگ اسی قدر اقتدار میں آجاتے ہیں، جس قدر جفاکش، پُرعزم، ماہرین اور عمدہ شخصیت کے مالک لوگوں کے پاس اقتدار ہوتا ہے، بلکہ اول الذکر مؤخر الذکر پر غالب آجاتے ہیں۔ ایسی صورتحال کا نتیجہ اخلاق و فضیلت کے تصورات، فنی واقفیت اور فنی فکر کی کمی اور ملک و ملت کے لیے مفید اور اعلیٰ درجے کی مہارتوں

Marfat.com

کی حامل شخصیات سے محرومی کی صورت میں نکلتا ہے۔ امر واقع یہ ہے کہ دنیا جس میں ہمارا وطن عزیز بھی شامل ہے اس انحراف کے نتائج بھگت رہا ہے۔

دور حاضر میں انسانیت ماضی کے کسی بھی دور سے زیادہ باثروت اور وسائل کی مالک ہے، لیکن اس کے باوجود وہ حرص وہوس، ضروریات، توہّمات اور پابندیوں کی زنجیروں میں اس قدر جکڑی ہوئی ہے کہ ماضی میں کبھی بھی ایسی صورتحال پیش نہیں آئی تھی۔ آج انسانیت جس قدر جسم پروری اور جسمانی خواہشات کی پیروی کرتی ہے، اسی قدر زندگی کی خواہشات کا جنون اس کے سر پر سوار ہوتا ہے، جس قدر پیتی ہے اسی قدر پیاس محسوس کرتی ہے، جتنا کھاتی ہے اتنی ہی زیادہ بھوک محسوس کرتی ہے اور جس قدر منافع کماتی ہے اسی قدر ایسے حریصانہ خیالات اس کے ذہن میں آتے ہیں جو پہلے کبھی اس کے ذہن میں نہیں آئے ہوتے۔ وہ تھوڑے سے معاوضے کے بدلے اپنی روح شیطان کے ہاتھ فروخت کر کے اپنے آپ کو انسانی اقدار سے دور کر دیتی ہے۔

جو شخص زوال پذیر مادی اقدار کے حصول میں اپنی عمر فنا کرتا ہے وہ درحقیقت اپنی ذات کو برباد اور اپنی روح کی گہرائیوں میں موجود اعلیٰ احساسات کو ضائع کرتا ہے۔ ایسے انسان کے افق پر ایمانی وسعت، علمی ثروت اور محبت، عشق اور روحانی ذوق کے رنگ کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ وہ ہر کام کے نتیجے کی قدر و منزلت کا تعین تمام اخرویات اور لدنّیات کو پس پشت ڈال کر مادی مفاد، جسمانی راحت اور بدنی لذتوں کی بنیاد پر کرتا ہے اور اس کے ذہن پر صرف کمانے اور چھیننے، لینے دینے، خرید وفروخت اور لہو ولعب کی فکر سوار رہتی ہے۔ اگر اس کی خواہشات کی تکمیل کے لیے جائز وسائل کی کمائی ناکافی ہو جائے تو وہ ناجائز ذرائع اپناتا اور گمراہ کن تصورات وخیالات کا شکار ہو جاتا ہے۔ اگر اس کی حرص وہوس کی آگ بجھانے کے لیے زمین کا سینہ ناکافی ہو جائے تو وہ نیولے کی طرح اس کے پیٹ میں گھس جاتا ہے۔ معاصر انسان انسانیت کو سنگین قسم کی مشکلات کی طرف دھکیل رہا ہے۔ اس کے لیے اپنے آپ کو اس مشکل سے نکالنے اور اپنے نشاناتِ راہ کو دریافت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں، بصورت دیگر وہ ایک گڑھے کے بعد دوسرے گڑھے میں گرتا رہے گا یہاں تک کہ انسان کہلانے کے قابل بھی نہ رہے گا۔ ہو سکتا ہے وہ کمیونزم سے بچ جائے، لیکن انارکیت (Anarchism) کی کھائی میں میں جا گرے گا، الحاد سے دور رہے، لیکن انفرادیت

Marfat.com

(Individualism) کا دامن تھام لے گا،ڈارون ازم سے علیحدگی اختیار کر لے لیکن نیوڈارون ازم کو سینے سے لگا لے گا،ہمیشہ شخصیت کے فقدان اور ظاہر پرستی کا شکار رہے گا اور ترقی کرنے اور قیادت سنبھالنے کی بجائے دوسروں کی پیروی کرتا رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ صدیوں سے مشکلات کے جال میں عمر برباد کر رہا ہے۔ اگر سیاسی بحران سے بچ جاتا ہے تو اقتصادی بحران کے پنجوں میں جکڑا جاتا ہے اور اگر اپنے حواس کو قائم رکھنے میں کامیاب ہو جائے تو عسکری میدان میں شکست کھا جاتا ہے اور اس طرح اپنی زندگی اجیرن کر دیتا ہے۔ ان تمام تضادات اور نقائص سے نجات ایمان کی طرف واپسی، محبت، اخلاق، مابعد الطبیعی فکر، عشق اور روحانی تربیت وغیرہ جیسے دینی، ملی اور تاریخی عوامل پر نئے انداز سے نظر ڈالنے کی متقاضی ہے۔

اس قسم کے عالمی ماحول میں خصوصاً عالم اسلام میں مذہب اپنی اہمیت اور ضرورت ثابت کرنے میں کامیاب رہا ہے اور مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت اور ضرورت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جس طرح ماضی میں دینی شعور فکری اور علمی زندگی کی تشکیل، نئی تہذیبوں کے ظہور وارتقا اور انسانیت کو پروان چڑھانے میں سب سے اہم عامل رہا ہے، اسی طرح وہ آج بھی اپنی سحر انگیز قوّت کی بدولت دنیا کے وسیع خطے میں انتہائی مؤثر کردار ادا کر رہا ہے اور دنیا کتنی ہی بدل جائے، علوم وفنون کتنی ہی ترقی کر لیں اور انسانی تصورات میں کتنی ہی تبدیلیاں آجائیں مستقبل میں بھی اس کے اثرات برقرار رہیں گے۔ ہمارے اس دعوے کی بہترین دلیل دنیا کی دو بڑی تہذیبوں میں سے ایک کا اسلام اور دوسری کا عیسائیت سے انتساب ہے۔ گو ہمارے ہاں کے مغرب زدہ لوگ مذہب کے بارے میں چشم پوشی یا غفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں، لیکن اہل مغرب اپنی معاصر تہذیب وتمدن کے سرچشمے کا اس قدر احترام کرتے ہیں کہ اسے دیکھ کر ہماری صفوں میں موجود اِن لوگوں کے سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔ وہ ایک طرف تبشیری پس منظر رکھنے والی جماعتوں اور حکومتوں کا ساتھ دے کر اپنی ثقافت کے ایک اہم رکن سے وفاداری کا حق ادا کرتے ہیں اور دوسری طرف حواریوں جیسی حمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت مسیح علیہ السلام کے نام پر نجات اور امید کے پیغامات بھیجنے میں بھی کوتاہی نہیں کرتے، لہٰذا معاصر متمدّن دنیا پر مذہب کے روزافزوں اثرات کی بنیاد پر یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ وہ اپنی ذمہ داریاں بھرپور انداز سے ادا کر رہا ہے۔

Marfat.com

مذہب کوئی ایسا نظام نہیں، جسے اختیار کرنے پر زمینی اور آسمانی مصائب یا عجز و اضطرار انسان کو مجبور کرتے ہیں اور نہ ہی کوئی ایسا رستہ ہے، جو انسانوں کے معاشی اور معاشرتی موقف اور ان کی مسرت کی ضمانت فراہم کرتا ہو۔ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ دین کنن اور روسو کے ان نظریات سے کوسوں دور ہے جن کی رو سے وہ انسانی مزاج کی پیداوار ہے، کیونکہ وہ خدائی احکام کا مجموعہ اور خالص مشیت کا وضع کردہ ایسا نظام ہے، جو انسانیت کی دنیوی واخروی سعادت کی ضمانت فراہم کرتا ہے اور ہماری سعادت، مسرت اور امن وامان اس کے ساتھ مربوط ہے۔ حقوق کے مفہوم کی پاسداری اسی کے ذریعے ممکن ہے اور آخرت میں جنت اور دیدارِ جمالِ خداوندی کا حصول بھی اسی پر موقوف ہے۔ تہذیب کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرلے وہ دنیوی زندگی کی سعادت کے حصول کے لیے بھی ہرگز کافی نہیں ہوسکتی، چہ جائیکہ وہ دین کی جگہ لے سکے۔

آج دنیا ماضی کی بہ نسبت دین بشمول اس کی فعّال حرکیات مثلاً ایمان، معرفت، اخلاق، محبت، مابعد الطبیعی فکر، دوسروں کی خیر خواہی اور دوسروں کو زندگی عطا کرنے کے لیے خود جینے کی محبت سے دستبردار ہونے وغیرہ کی زیادہ ضرورت مند ہے۔ ایمان حقیقت کو اس کی حقیقت کے مطابق جاننے کا نام ہے اور محبت اس معرفت اور علم کے احیاء سے عبارت ہے۔ ایمان سے محروم شخص حقیقتِ مطلقہ کو پاسکتا ہے اور نہ ہی اس کی معرفت حاصل کرسکتا ہے اور ایسی صورت میں اس کا یہ دعوی کرنا کہ میں ایمان رکھتا ہوں اس کے داخلی عوالم سے متصادم بات ہے، نیز اس کا حقیقت کو پانے کا دعوی بھی محض مغالطہ ہے۔(13) درحقیقت ایمان سے محروم شخص بدقسمت ہے اور محبت سے محروم شخص مردہ جسم ہے۔ اگر ایمان حرکی عمل اور روح کے تمام کائنات اور فطرت کا احاطہ کرنے کا اہم سرچشمہ ہے تو محبت حقیقی انسانی فکر کی اہم ترین اساس اور اس کے لاہوتی ابعاد میں سے ایک بُعد ہے، اسی لیے جو شخص ہماری ثقافت کی پنیریوں کو لگانے اور ان کی دیکھ بھال کرنے کی ذمہ داری اٹھائے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے ایمان کے محراب کی طرف اپنا رُخ کرے اور پھر انفاسِ محبت کو ساری دنیا میں پھیلانے کے لیے محبت کے منبر کی طرف چل کر جائے۔ اور اس دوران اخلاق وفضیلت کے ذریعے قوتِ تاثیر حاصل کرے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اخلاق دین کا مغز اور خدائی پیغام کی بنیادی اساس ہیں۔ چونکہ اخلاق وفضیلت شجاعت وبہادری ہیں، اس لیے ان کے حقیقی ہیرو انبیائے کرام علیہم السلام ہیں اور اُن

Marfat.com

کے بعد صدق واخلاص سے ان کی پیروی کرنے والوں کا مقام ہے۔ اخلاق حقیقی مسلمانوں کا اہم ترین وصف ہے۔ جو شخص عقل وحکمت کی نظر سے قرآن وسنت کا مطالعہ کرے گا وہ ان کی ہر آیت اور فصل میں اخلاق کا نمونہ دیکھے گا۔ پیکرِ اخلاق حضرت محمد ﷺ نے یہ حقیقت دو لفظوں میں یوں بیان کی ہے: ''اسلام حسن اخلاق کا نام ہے۔'' ہم بحیثیت ملت ایک اخلاقی نظام سے منسوب اور اخلاقی اقدار کے علمبر دار ہیں، لہٰذا ہم کسی بھی فکر یا بے حقیقت خواب کو اپنی اخلاقی عمارت کو ہر گز متزلزل نہیں کرنے دیں گے اور نہ ہی وہ کبھی متزلزل ہو گی، کیونکہ دنیا کو عبور کر کے اس کے ذریعے ابد الآباد تک پہنچنا ہمارا حسین خواب ہے اور ہمیں یقین ہے کہ ہم اپنی اس مابعد الطبیعی طاقت کے ذریعے اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے، جو اللہ تعالیٰ کی ہم پر ہونے والی نعمتوں اور احسانات کا ایک خاص پہلو ہے۔

مابعد الطبیعی فکر عقل کے ساری کائنات پر حاوی ہونے اور پردوں کے سامنے اور ان کے پیچھے کے حقائق کو سمجھنے کی کوشش کا نام ہے۔ اگر عقل اور روح ساری کائنات کی اس انداز سے دیکھ بھال نہ کریں تو ہر چیز ٹوٹی پھوٹی ہوئی اور بے جان لاشہ محسوس ہو گی، اسی لیے مابعد الطبیعی فکر کا غائب ہونا یا اس سے غفلت برتنا عقل کی ایک طرح کی موت ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج تک ہونے والی ساری ترقی مابعد الطبیعی فکر کے آغوش میں ہی ہوئی ہے۔ ہندوستان، دیگر مشرقی ممالک اور خود عالمِ اسلام کی صورتحال اس کی کافی دلیل ہے، کیونکہ قرآن کریم کی کائناتی نظر کے فریم ورک کے اندر رہتے ہوئے سائنسی ترقی ہوئی اور مختلف قسم کی تہذیبیں وجود میں آئیں، لہٰذا جب مابعد الطبیعی فکر انسانی روح کے ساری کائنات میں پھیل کر فطرت پر غالب ہونے اور ہر چیز کی دیکھ بھال کرنے سے عبارت ہے تو جو لوگ مابعد الطبیعات اور سائنس میں تضاد ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ دراصل سرچشمے اور اس سے بہنے والی آبشار کے درمیان تضاد ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

ہم مابعد الطبیعات کو عشق کے واسطے سے وجود کی حقیقت کے احساس وشعور سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس نقطہ نظر سے عشق کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ وہ تمام کائنات، وجود اور واقعات کو ایک کل کی حیثیت سے دیکھنے اور محسوس اور پسند کرنے سے عبارت ہے۔ سچے عاشق مال ودولت اور سروری کے خواہاں ہوتے ہیں اور نہ ہی شہرت وعظمت کے دلدادہ، بلکہ وہ

Marfat.com

اُس عشق کی آندھیوں کے درمیان "برداً و سلاماً" کا مظاہرہ کرتے ہیں، جو اُن کے نفس کو اپنی آہ سے جلا کر اُس کی راکھ تک کو اڑا دیتا ہے اور فنا کے مقامات میں اپنے احیائے نو کی علامات کو پڑھنے، اپنے وجود کی اڑتی راکھ میں اپنے معشوق کی خوشبو محسوس کرنے اور عاشق و معشوق اور طالب و مطلوب کی وحدت تک رسائی پانے کی کوشش کرتے ہیں یا صوفیاء کی اصطلاح میں "لازوال کیف و سرور میں "فنافی اللہ" کی وادیوں سے "بقاباللہ" کے میدانوں کی طرف سفر جاری رکھتے ہیں۔" تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قسم کے افق تک رسائی ایسی سنجیدہ روحانی تربیت کی متقاضی ہے، جو دین کے بغیر ممکن نہیں۔

جس نظام یا فکر کی اٹھان "اخرویات" پر نہ ہو وہ کتنا ہی عرصہ قائم کیوں نہ رہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پرانا اور بوسیدہ ہو کر حُسن و جمال سے محروم ہونا اس کا مقدر ہوتا ہے، لیکن اسلامی زندگی اور طرزِ فکر کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اگر انسان کی روحانی تربیت کامل درجے کی ہو تو وہ اسلام میں عام صورتوں اور معیاروں سے بلند تر خوبیاں پاتا ہے۔ اسلام موسم بہار میں کتابِ فطرت کے صفحات میں چمکنے والے حُسن و جمال کی روح، آبشار کے پہلو میں پھوٹنے والے لانہایت کے افکار اور نیلگوں شام کے انفاس میں پائے جانے والے لازوال احساسات کی مانند ہے اور یوں لگتا ہے جیسے وہ جنت کی ہمسری کر رہا ہے۔

انسان کے لیے یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ وہ پیدا ہونے کے بعد اسلامی ماحول میں پرورش پائے اور اُس کی روح اسلام کی خاص اداؤں کا مزہ اٹھائے، لیکن جو شخص اسلام کی پُر فیض، درخشندہ اور نرم و گداز سرزمین سے ناواقف رہے وہ عمر بھر اپنی محبوبہ سے جدا رہنے والے اس شخص کی طرح ہے، جو صحراؤں میں سرگرداں پھرتا ہے اور درد و گداز سے لبریز دل اور حیران عقل لیے ویرانوں میں آنسو بہاتے ہوئے "شیریں" اور "لیلیٰ"(14) کو پکارتا ہے، یہاں تک کہ اس کی آنکھوں کی بینائی اور ٹانگوں کی طاقت ختم ہو جاتی ہے، لیکن پھر اچانک اُس پر انکشاف ہوتا ہے کہ اس نے بالشت بھر بھی مسافت طے نہیں کی، بلکہ اپنی جگہ پر ہی ننگے سر اور ننگے پاؤں کھڑا ہے اور اس صورتحال پر افسوس سے کفِ دست ملتا ہے۔

اسلام کے خمیر میں گندھا ہوا اور ایمان، امید اور ابدیت کے جذبات سے معمور عالم اسلام ایک ایسی طلسماتی دنیا ہے، جس میں کائنات کے سارے محاسن تلاطم خیز موجوں کی

Marfat.com

طرح جھلکتے ہوئے ہمارے جذبات کو لانہایت کی طرف ابھارتے ہیں اور اس میں روحانی سرچشموں کی خصوصی حفاظت کرنے والوں کے دنیوی و اخروی افکار کا حسین امتزاج ہوتا ہے۔اس کے ذاتی پہلوؤں سے واقف شخص کے لیے اس سے دور رہنا ممکن نہیں۔

اس عالم میں نشاط اور حرکیت (DYNAMISM) سکون میں پوشیدہ رہتی ہے اور توانائی موسم بہار کے برف کے نیچے سے پھوٹنے کا محرک بنتی ہے۔اگر ہم تھوڑی دیر کے لیے اپنی آنکھیں موند کر اپنی بصیرت سے اس عالم پر نظر ڈالیں گے تو ہمیں ہر دم پانی کے بہنے کی خوشگوار آواز سنائی دے گی،ہم اٹکیلیاں کرتی بادِ نسیم کو محسوس کریں گے،اپنی آنکھوں میں چمکتی روشنی کو دیکھیں گے، خوشبو کے جھونکوں کی مہک سونگیں گے اور آوازوں کے گلدستے کی مانند دلکش دھنوں کو سنیں گے۔

اس عالم میں اپنی غایت سے مربوط زندگی اور ایمان،محبت، عشق اور روحانی ذوق کی صورت میں اس زندگی کے فطری اور ابدی عناصر کارکردگی کے اس معیار تک پہنچ جاتے ہیں کہ انہیں ذہن سے کھرچا نہیں جاسکتا۔وہ ہمارے لاشعور کے مخزن کو قسماقسم کی اخروی سعادت کے بیجوں سے بھر دیتے ہیں۔ہم اپنے گردوپیش کی ہر چیز میں لاہوتی رنگ جھلکتا ہوا محسوس کرتے ہیں اور اپنے آپ کو زمین پر ٹھہرے ہوئے ہونے کی بجائے آسمان میں اڑتا ہوا پاتے ہیں، خصوصاً ان گھڑیوں میں جن میں ایمان ہماری شخصیت کو ڈھانپ کر اسے منور کر دیتا ہے اور مبارک دنوں،ہفتوں اور مہینوں میں ہماری جسمانیت کو پگھلا کر ہمیں ملائکہ کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔یہ لمحات آخرت کے پردوں میں خلا پیدا ہونے کے لمحات ہوتے ہیں۔ جن اوقات کو ہم روحانی کیف وسرور میں گزارتے ہیں وہ زمانے سے ماوراء ہوتے ہیں،نیز ہم اپنے آپ کو مکان سے ماورا محسوس کرتے اور ایسی واردات کے طوفان میں ناقابلِ تصور حد تک شرابور ہو جاتے ہیں،جو اخرویات کے رنگوں کے جھنڈوں اور ابدیت تک رسائی پانے والے مسافروں کی آوازوں کی مانند ہماری روح کو سرشار کرتی ہیں۔

اس عالم میں مابعدالطبیعاتی روشنی کی ایک مخصوص فری کوئنسی کی حامل لہریں ہمیشہ اٹھتی رہتی ہیں،تاکہ وہ گاہے بگاہے ہماری روحوں کی تربیت کریں، ہمارے دل کی

Marfat.com

آنکھوں کو اخروی پہلوؤں کے محاسن کی طرف متوجہ کریں، ہمارے احساسات کا ابدیت کے ساتھ تعلق مضبوط کر کے ہمیں لانہایت کا طلسماتی اکسیر پلائیں اور فانی و زوال پذیر فکر کی طرف سے پہنچنے والے صدمے کو زائل کر کے ہمارے دل کو سکون نصیب کریں۔

ہم میں سے ہر کوئی اپنی روحانی دنیا میں جو مزا اور کیف وسرور محسوس کرتا ہے، یوں لگتا ہے جیسے وہ ہماری محبوب ترین ہستی کی طرف سے براہ راست آرہا ہو، چنانچہ ہم چھوئی جانے والی ہر چیز میں ،اپنے دل میں پیدا ہونے والے ہر احساس میں اور اپنی زبان پر جاری ہونے والے ہر بیان میں لانہایت کی رنگینی اور اکسیرِ حیات کے گھونٹ محسوس کرتے ہیں۔ بعض اوقات اخروی پہلوؤں کے کبوتر سمجھے جانے والے اصحابِ شعور کی طرف سے آنے والے آمرانہ قوانین کے ذریعے ہمیں ان پراسرار راستوں پر پرواز کرنے سے روکا جاتا ہے اور کبھی انہیں یہ کہنے کی ضرورت پڑتی ہے: "چلو! یہ گھوڑے بھی تمہارے ہیں اور میدان بھی تمہارا ہے۔"

اس عالم امن وسکون کے ترانے اور شوق ومسرت کی دھنیں کبھی خاموش نہیں ہوتیں۔اس کی خاموشی تاروں کو درست کرنے کے وقفے سے عبارت ہے اور سروں اور ترانوں کے ذریعے زندگی کی تعبیر آبِ کوثر کے چھینٹوں کی مانند ہے۔اس عالم کی دھنوں اور اس کے شعر ومحاسن کا سرچشمہ ساری انسانیت کو اپنی محبت کی آغوش میں لینے والے لوگوں کے سینے،ان سینوں کی روشنی کے چراغ،شعور،حساس مزاجی اور تلاش وجستجو اور سب سے آخر میں وہ ذات ہے، جسے زمین و آسمان میں تلاش کیا جاتا ہے۔یہ سارے عناصر مل کر چراغ کے شیشے کو منور کرتے ہیں۔کون جانتا ہے کہ "اُخروی" (ملائکہ) لدُنیت اور وسعت کے اِس مقام تک پہنچی ہوئی روحوں کے کانوں میں کون سی رازدارانہ اور گہرائی کی حامل باتیں ڈالتے،انہیں کون سے ترانے اور نغمے سناتے اور حقیقتِ مجردہ تک ان کی رسائی کے لیے کون سے راستے ہموار کرتے ہیں!

جن لوگوں کی اس عالم سے دور رہتے ہوئے نشوونما ہوتی ہے،وہ عام طور پر اس کی ذاتی خصوصیات اور مخصوص کارکردگی سے واقف ہوتے ہیں اور نہ ہی انہیں اس کی اصالت اور ذاتی خوبیوں کا کماحقہ علم ہوتا ہے،لیکن جو لوگ اس کی منور اقلیم میں مخصوص احساس کے ساتھ گھومتے پھرتے ہیں وہ جہاں سے بھی گزرتے ہیں راستے کی

Marfat.com

دونوں جانب طلسماتی چشمے بہتے ہوئے پاتے ہیں، موجوں، ہواؤں، پہاڑوں اور میدانوں کی آواز سنتے ہیں اور درخشندہ ماضی کو اپنی روحوں کے ساتھ آواز یا نغمے کی مانند ہم کلام پاتے ہیں، چنانچہ وہ گزرے ہوئے دنوں اور بدلتے ہوئے رنگوں میں یوں رہتے ہیں جیسے وہ گزرے ہوں اور نہ ہی ان میں کوئی تبدیلی ہوئی ہو اور اس پُرفضا ماحول میں باربار آتے ہیں۔ ہر فانی روح لافانیت کے کسی نہ کسی پہلو کو پالیتی ہے اور اخرویات میں اپنی ابدیت کی طرف کوئی نہ کوئی دریچہ کھولنے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔ جب اِدھراُدھر بے مقصد گھومتی پھرتی روحیں محبت و الفت سے معمور اس ابتدائی دور کی طرف لوٹتی ہیں تو وہ اپنے دل میں کہتی ہیں: ”یہی وہ دنیا ہے، جس کے ہم خواب دیکھا کرتی تھیں اور جس کی عالم تصور میں منظر کشی کیاکرتی تھیں۔“ چنانچہ وہ اپنی فکرواحساس کو اس کی وسیع، حیات افروز اورموسم بہار کی طرح رنگین اقلیم میں گھومنے پھرنے کے لیے چھوڑ دیتی ہیں اور فنا کو ناپسند کرتے ہوئے دوام کو اختیار کرتی ہیں۔ اس کی سحرانگیز فضا اور یاقوتی روشنی میں داخل ہونے والے کتنے ہی لوگ پکار اٹھے: ”کیا وجہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت اس باغِ عدن کی طرف متوجہ نہیں ہوتی؟ انسانیت کو کیا ہوا کہ وہ اس کے حیات بخش انفاس کو محسوس نہیں کرتی؟“

ہمیں یقین ہے کہ یہ شعوری خدمات اور مساعی جمیلہ اسی دنیا میں اطمینان وسکون اور محبت سے لبریز اور زندگی کی حقیقی سعادت کے خطوط پر قائم ایک نیا جہاں آباد کریں گی، جو فطری طور پر آئندہ نسلوں کی مال ودولت، شہرت، منصب اور آسائشوں کی تمام خواہشات سے بلند تر ایک عظیم محبت کی طرف گامزن ہوگا۔

Marfat.com

رُخِ نبوت کی تجلّیات

جس طرح اللہ تعالیٰ نے وجود اور اشیاء کے ذریعے پہچانا جانا پسند کیا، اسی طرح اس نے زبانِ وحی کے ذریعے پہچانے جانے کو بھی پسند کیا۔ وحی باہم دگر مخلوط تکوینی اور تشریعی امور کے مطالعے، آنکھ سے دل میں اترنے والے معانی کی کان کے ذریعے آنے والے روحانی نفحات کے ذریعے تائید، ذات، صفات اور اسمائے الٰہیہ کے اعتبار سے الوہیت کے مفہوم کے اظہار اور اس کے بالمقابل بندوں کی ذمہ داریوں(15) اور ان ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے طریق کار کے اظہار کا نام ہے۔ نیز اس میں جس راستے پر انہوں نے چلنا ہے، اس کے آداب و ارکان اور جس منزلِ مقصود کی وہ امید رکھتے ہیں اس کا تذکرہ ہے۔ جس طرح غیبِ مطلق سے متعلق امور سے صحیح اور درست واقفیت لازمی طور پر وحی کی متقاضی ہے، اسی طرح وحی ناگزیر طور پر نبوت کا تقاضا کرتی ہے۔ اسی ضرورت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہر دور کو اور بعض اوقات ہر براعظم کو کسی نہ کسی نبی کے وجود سے مشرف فرمایا، بلکہ حضرت بدیع الزمان نورسی کے الفاظ میں: "جس ازلی قدرت نے چیونٹیوں کو بغیر امیر کے اور شہد کی مکھیوں کو بغیر ملکہ کے نہیں چھوڑا اس نے یہ گوارا نہ کیا کہ انسانیت کو کسی بھی دور میں انبیائے کرام کے وجود سے محروم رکھے۔"

اللہ تعالیٰ نے کائنات کو اپنے علم اور ارادے سے پیدا فرمایا، اسے ظاہری وجود کا لباس پہنایا، ہر جاندار و بے جان، کثیف ولطیف اور ارضی وسماوی مخلوق کو طرح طرح کی حکمتوں اور مصلحتوں سے مزین فرمایا اور اسے مخصوص اہداف ومقاصد دے کر ان کی طرف متوجہ کیا اور ایک اور تجلی کی روشنی میں اپنی ذات کے بارے میں اپنی ذات کے ذریعے آگاہ کرنے، دوسروں کو اس حقیقت سے آشنا کرنے اور ذی شعور مخلوق کو اپنے مقصدِ تخلیق، اپنے مقام اور صلاحیتوں اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلانے کے لیے مختلف قوموں کی طرف اپنے رسول بھیجے، جنہیں الوہیت اور عبودیت کے نظام کے اسرار سمجھانے کے لیے خاص انعامات سے نوازا گیا تھا۔ اپنی رنگارنگ مخلوقات کے نقش ونگار، اداؤں اور اُن میں پائی جانے والی ہم آہنگی اور حقائق کے ذریعے اپنے وجود سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی چاہا کہ اِن چنیدہ

Marfat.com

وپسندیدہ ہستیوں کے واسطے سے ہماری روحوں کو پردہ غیب سے نازل ہونے والی وحی میں بیان کردہ اسرارِ ربوبیت، مقصدِ تخلیق، نتیجہ فطرت، زمین پر انسان کے مقام اور اس کی منزلِ مقصود کے احوال سے انسان کی عقلی سطح اور اس کے شعور اور حس کے مطابق آگاہ فرمائیں اور اپنی ذات،صفات اور اسماء کے درمیان پائے جانے والے تناسب پر خصوصی توجہ دیں۔

حق تعالیٰ (جس کے ہر کام میں بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں اور جس کے دائرہ ربوبیت میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں شامل ہیں)نے تمام انسانوں کو اپنے تنزیلی وتشریعی احکام میں مخاطب نہیں بنایا اور نہ ہی ان سے براہ راست گفتگو کی،بلکہ ان میں سے بعض مخصوص صلاحیتوں کے مالک اور اِس بہت ہی اہمیت اور خصوصیت کے حامل معاملے کو قلب وروح کی سطح پر اپنانے والے افراد کو چن کر ان سے گفتگو کی اور ان بلند استعدادوں،واضح فطری لیاقت اور عمدہ طبیعتوں کی مالک ہستیوں کے ذریعے انسانیت کے وجدان تک مقصدِ تخلیق،وجود کی حکمت،دنیا و مافیا کی حقیقت،"اخرویات" کی کنہ اور آخرت میں جنت تک پہنچانے والے راستوں کی نشاندہی کی اور یہ بات سمجھائی کہ ساری کائنات جمالِ خداوندی کا مظہر اور ابدی زندگی کی کھیتی ہے،گو بعض اوقات کلیجے منہ میں آجاتے ہیں اور شوق و اشتیاق دوسرے جہاں میں جھانکنے پر ابھارتے ہیں۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو تنہائی کی وحشت،وجود کی بے مقصدیت،فریضے کی عدم ادائیگی اور اہداف میں ناکامی سے بچالیا اور اسے بتایا کہ دنیا اُخرویات کی انتظار گاہ ہے،نیز بعض اہل روحوں کو وجود اور اس کے احساس کی خوشخبری سے بڑھ کر ابدیت کے وعدے اور اپنے جمال کے دیدار کی خوشخبری دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام اعلیٰ اہداف کو چنیدہ اور بہترین انبیائے کرام کے ذریعے پورا کیا اور انہیں نہ صرف وجود اور اشیاء کی زبان،ترجمان اور مفسر قرار دیا،بلکہ عبادت،استقامت،اخلاص اور آخرت کی طرف صحیح راہنمائی کرنے والا بنایا۔دوسری طرف اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک ان حضرات نے اپنے فرائض منصبی کو بخوبی ادا کیا،حق کی اشاعت کی،اس کے پیغام کو انسانیت تک پہنچایا اور اپنی ذمہ داری کے دائرے میں داخل لوگوں کی راہنمائی کی۔

Marfat.com

سارے انبیائے کرام باہمی فرقِ مراتب کے باوجود پاکیزہ فطرت کی تصویر، اعلیٰ اخلاق کانمونہ، پیکرِ عفت و ناموس، امانت داری کے ہیرو اور صدق و وفا کی مثال تھے۔ان میں سے ہر ایک اپنی بلند شخصیت، سنجیدہ طرزِ عمل، اعتماد پیدا کرنے والے حالات، ناقابلِ تزلزل استقامت، ہر حالت میں قائم رہنے والی عدالت، فرشتوں جیسی وفاشعاری، پہاڑوں جیسی مضبوط متانت اور عبودیت کے انتہائی گہرے شعور کی بنا پر ایک ایسا اسوہ حسنہ تھا، جو ہر زمانے میں انسانیت کی توجہ کا مرکز رہا۔وہ عمومی کائنات اور وجود کے ساتھ داخلی وخارجی طور پر ہم آہنگی کے پختہ فہم اور عمومی مساوات کی رعایت کرنے میں اپنے مبنی بر بصیرت اور معتدل طرزِ عمل کی بنا پر عالم ربوبیت کے ترجمان کی حیثیت سے گفتگو کرتے ہیں۔نیز اپنی ہم آہنگ اور بے عیب صورتوں، خدا کی یاد دلانے والی سیرتوں، ہر دم خارقِ عادت امور کا مظاہرہ کرنے والی زندگیوں، چٹکیوں میں ہر قسم کی انفرادی، اجتماعی، معاشی، سیاسی اور ثقافتی مشکلات کو حل کرنے کی صلاحیتوں، معاشرے پر اپنے غیر معمولی اثرات، اپنی گفتگو کی فصاحت، انسانی حقائق کے بارے میں اپنے متوازن اور معتدل معیاروں اور انسانی طاقت سے متجاوز اور انسان کے تمام قلبی، روحانی، ذہنی، فکری اور شعوری لطائف کی تسکین کرنے والے اپنے ترقی یافتہ نظام کی بدولت آئینے پر وحی الٰہی کے پردوں میں موجود خدائی احکام و اسرار کا پرتاؤ ڈالتے ہیں۔

ہر نبی دنیا و آخرت کی سعادت تک انسان کو پہنچانے والے راستے کا امانت دار راہنما، خدائی محاسن کی طرف دلوں کو متوجہ کرنے اور ترغیب دینے والا ناصح، مخاطبین کی روحوں تک نفوذ حاصل کرنے والا مرشدِ کامل، اپنے گردوپیش کے لوگوں کے افکار اور شعور کی تربیت کرکے انہیں اپنے مقصدِ تخلیق کی طرف متوجہ کرنے والا ماہر صرّاف(16) اور بری عادات وخصائل اور طبیعتوں کی رذالت کا ازالہ کرکے ان کی جگہ بلند انسانی اقدار پیدا کرنے والا کامل مربی ہوتا ہے۔ وہ پختہ عزم کا مالک، انتہائی راست گو، مضبوط ایمان کا حامل، اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسا کرنے والا، اپنے پیغام کی حقانیت پر مطمئن، کسی تردد یا تذبذب کا شکار ہوئے بغیر اپنے فیصلوں پر عمل کرگزرنے والا ایسا نجات دہندہ ہوتا ہے، جسے مصائب کا سامنا کرتے ہوئے کوئی کمزوری یا تھکاوٹ لاحق نہیں ہوتی اور وہ ہمیشہ عقلمندی اور ذہانت سے ہر اقدام کرتا ہے۔وہ ایسا عظیم نجات دہندہ ہوتا

Marfat.com

ہے، جو نہ دھوکا کھاتا ہے اور نہ اپنے پیروکاروں کو ضائع کرتا ہے۔اس کے پیروکار اس کی پیروی کرنے پر کبھی بھی نادم نہیں ہوتے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیائے کرام ہماری اعلیٰ ترین شعوری، فکری اور منطقی صلاحیتوں سے کہیں زیادہ بلندتر، پاکیزہ اور تروتازہ لاہوتی علوم کے محفوظ ترین خزانوں کے مالدارترین نگہبان ہوتے ہیں۔وہ ایمان، معرفت، محبت، عشق، شوق اور روحانی ذوق کے راستے کے سب سے زیادہ قابلِ بھروسا راہنما اور حق تعالیٰ تک پہنچانے والے سب سے زیادہ قابلِ اعتماد مرشد ہوتے ہیں۔حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے والے ان کی صدا پر بیدار ہو جاتے ہیں، ان کے آبِ کوثر کی برکت سے معرفت کے گیت گانے والوں کی زبانوں کی گرہیں کھل جاتی ہیں، ان کی صحبت میں رضائے حق کے متلاشیوں کو اپنا گوہرِ مقصود مل جاتا ہے اور کتابِ فطرت کے اسرار کا شوق رکھنے والے حضرات ان کے حروف کی مدد سے اس کے طلسموں کو صحیح صحیح پڑھ لیتے ہیں۔

انبیائے کرام مادی اور روحانی ترقی کے علمبردار، عقلی و روحانی کمالات کے راستے کے شیوخ المشائخ اور تمام دینی و دنیوی تربیتوں اور نظاموں کے اساتذہ اور مہندس ہوتے ہیں۔انہی کی برکت سے انسان حیاتیاتی زندگی کے مرتبے سے بلند ہوکر "احسن تقویم" کے اس مقام تک پہنچ جاتاہے، جو حقیقی انسان کا دوسرا نام ہے۔انہی کے واسطے سے انسان نے اپنی خودی کو پایا اور موجودات کے درمیان اپنے مقام کو پہچانا۔ان کی پیروی کے ذریعے انسان نے فیاض ہستیوں کی زندگی کے اُن درجات میں پائے جانے والی وسعت کو محسوس کیا، جن کے ذوق کو ہم اولیاء، اصفیاء، ابرار اور مقربین کی زندگیوں میں بھی پاتے ہیں، نیز ان کی تعلیم وتربیت اور راہنمائی کے ذریعے انسان نے دنیا کا حقیقی چہرہ دیکھا اور اسے ایک تجربہ گاہ، کیمیا خانہ، دواخانہ، پُرشکوہ عمارت یا بہت بڑی نمائش قراردیا۔بدیع الزمان سعید نورسی کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو انبیائے کرام کی اتباع کا حکم دے کر انہیں ان کے روحانی پہلوؤں سے آگاہی بخشنا چاہتے ہیں، تاکہ اس فیاض سرچشمے سے استفادے کا راستہ کھلے۔

مزیدبرآں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کی علامات و امتیازات سمجھے جانے والے معجزات کی تجلّیات کے مختلف پردوں میں انسان کو مادی ترقی کے وسائل سے بھی آگاہ فرمایا ہے یا کم از کم اس موضوع پر کچھ نہ کچھ اشارے ضرور دیئے ہیں، جن کے ذریعے

Marfat.com

حساس اور متجسس روحوں میں دریافت کے نظام کو تحریک دی، ان کے ذہن میں ٹیکنالوجی کی ترقی کے دروازے وا کیے اور ان کے دماغ میں طوفان برپا کرنے کے لیے راہ ہموار کی۔ ہر معجزہ تکوینی امر ہونے کی حیثیت سے ایک اشارہ اور یاددہانی اور مختلف شعبوں میں ان چنیدہ ہستیوں کی خصوصیات کی جستجو کی دعوت بھی ہے، مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کے کارخانے میں تیار کی گئی معجزاتی کشتی، "حسبی اللہ" کے کارخانے میں بنائی گئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قمیص، جس نے آگ کو برداشت کیا اور نہ صرف اَزبستس (ASBESTOS) بلکہ حرارت کے خلاف اس سے بھی زیادہ قوتِ مدافعت رکھنے والی دھات کی یاد دلائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی مجہول الحقیقت گھڑی جو اللہ تعالیٰ نے انہیں معجزانہ طور پر عطا فرمائی تھی تاکہ وہ مشکل ترین حالات میں بھی اوقات معلوم کر سکیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہمیں پانی کے پمپوں اور فوارہ نما کنوؤں (ARTESIAN WELLS) کی یاد دلاتا ہے، حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں میں لوہے کا نرم ہو کر مختلف سانچوں میں ڈھل جانا ذہنوں میں فولاد کی صنعت کا خیال پیدا کرتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کے تخت کو اس کی تمام تر زیب و زینت کے ساتھ منگوانا ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ سے بھی زیادہ ترقی یافتہ ٹیکنالوجی کی طرف ذہن کو منتقل کرتا ہے، نیز اس جلیل القدر نبی کے لیے دو ماہ کی مسافت کا ایک دن میں طے ہو جانا طیاروں کی جدید ترین ٹیکنالوجی کا خیال پیدا کرتا ہے، اسی طرح جنات وشیاطین کے ان کے لیے مسخر ہونے میں مابعد الطبیعاتی دنیاؤں میں مداخلت کے امکان کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ اس میں روحوں کی جستجو کی آخری حدود میں داخلے کے لیے مادی وغیر مادی سرگرمیوں کے دروازے کھولنے کی طرف اشارہ ہے، نیز ان کا حیوانات کی بولیاں بولنا پرندوں، چیونٹیوں اور دیگر حیوانات کی زبانوں کے فن اور باہمی افہام و تفہیم کے خفیہ رموز (CODE WORDS) کو جاننے کے امکان پر نہ صرف دلالت کرتا ہے، بلکہ اس کی ترغیب بھی دیتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ کے حکم سے بے جان جسم میں روح ڈالنا، پیدائشی اندھوں کو بینا کرنا، برص کے مریض کو شفا دینا اور مردوں کو زندہ کرنا انسانی تصور کو جدید طب اور علم حیاتیات سے بھی زیادہ وسیع میدان میں لے جاتا ہے اور اس سلسلے کا اختتام فخر انسانیت حضرت محمد ﷺ کے سینکڑوں معجزات پر ہوتا ہے، جو سابقہ تمام انبیائے کرام کے معجزات کے ہم پلہ ہیں۔

Marfat.com

نبوت اللہ تعالیٰ کے علم ضروری کو لینے اور سمجھنے کی خداداد صلاحیت اور قابلیت سے عبارت ہے۔ نبی اس علم کو اس کی اصل حقیقت کے مطابق حاصل کرتا ہے اور پھر اسے بغیر کسی قسم کی آمیزش کے دوسروں کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ جس طرح ایک عام انسان اور دیگر موجودات کی نسل میں اضافہ اور زندگی کی سرگرمیاں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ جبلت(17) کے تحت ناگزیر طور پر جاری رہتی ہیں، اسی طرح بلند مقام پر فائز ہستیوں کے نبوت سے متعلق فرائض بھی طبعی امور کی مانند انجام پاتے ہیں۔ (تناسل اور زندگی کی سرگرمیوں کے ساتھ یہ تشبیہ تشبیہ بالادنیٰ کی قبیل سے ہے۔) بالخصوص ان کی ذمہ داریاں اور فرائض ان کے مشاہدہ و مراقبے کی قدر و منزلت کی حفاظت، درست تشخیص اور ضرورت کے مطابق محنت کی صورت میں لطیفہ ربانی اور حس، شعور اور ارادے کے امتزاج سے حاصل ہونے والے وجدان کی توانائی کی بدولت ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ اپنے باطنی نظام کی وجہ سے اپنے اوپر نازل ہونے والی وحی کو اپنی فطرت کا حصہ سمجھتے ہیں اور اسے اپنی طبیعت کا تقاضا سمجھتے ہوئے دوسروں تک پہنچاتے ہیں اور اس دوران وہ تھکاوٹ محسوس کرتے ہیں اور نہ انہیں راحت کا خیال آتا ہے، بلکہ احکام خداوندی کو بجا لانے میں ہمیشہ سرگرم عمل رہتے ہیں، لیکن اپنی اس سرگرمی کے کسی نتیجے کے منتظر نہیں رہتے، بلکہ اسے اپنی فطری ضرورت سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔

جمہور علمائے کرام خدائی انتخاب، ربانی وظیفے اور باطنی نظام سے مربوط انبیائے کرام کی اِس خدمت اور سرگرمی کو ان کے پاکیزہ وجدان کی ناگزیر سرگرمیوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس توجیہہ کے مطابق نبوت ان ارواح کے لیے ایک بیش بہا خدائی عطیہ ہے، جو اپنی فطرت وطبیعت کی سلامتی، درست ماہیت اور اپنے داخلی نظام کے لحاظ سے اپنے پورے وجود کے ساتھ اپنے مقصدِ تخلیق کی طرف متوجہ وجدان (جسے ہم پوری طرح وا وجدان کا نام بھی دے سکتے ہیں) کی وجہ سے اس عطیے کو آگے تقسیم کرنے کی پوری اہلیت رکھتی ہیں۔ نبی اس عطیے اور خداداد صلاحیت کا خصوصی نمائندہ ہوتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ نبوت انسانی ادراک کے لیے ناقابلِ فہم امور کو سمجھ اور جان کر انہیں بغیر

Marfat.com

کسی کمی بیشی کے دوسرے مخاطبین کی طرف منتقل کرنے کا نام ہے۔اس پہلو سے نبی کو ابتدا و انتہا کا نقطۂ اتصال سمجھا جاتا ہے۔ارشادی باری تعالیٰ ہے: ﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۶۹) "وہ جسے چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے اور جس کو دانائی ملی بے شک اس کو بڑی نعمت ملی۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کو اعلیٰ درجات سے نوازتے ہیں اور پھر ان چندہ ہستیوں کے واسطے سے الوہیت و ربوبیت کے اسرار سے دوسروں کے وجدان کو آشنا کرکے ان پر حقیقتِ حال آشکار کرتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے وجود اور تخلیق کی نعمت کا ہم پلہ اکرام ہے، بلکہ اس نعمت سے بھی بڑھ کر احسان ہے۔ ممکن تھا کہ ہم پھسل کر راستے سے بھٹک جاتے یا راستہ بھول کر ہلاک ہو جاتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرما کر ہماری طرف ان پاکیزہ، معصوم اور عظیم ہستیوں کو بھیجا۔بلاشبہ وجود بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، لیکن وجود عطا کرنے کے بعد انبیائے کرام کے واسطے سے کائنات اور واقعات کی وضاحت اور توجیہہ پیش کرنا اور اس کے نتیجے میں ان کے الوہی اور اخروی پہلوؤں کو اجاگر کرنا مستقل لطف و احسان ہے۔دلِ بینا اور پاکیزہ طبیعت کا مالک ہر انسان ان وضاحتوں اور توجیہات سے استفادہ کرکے مختلف اعلیٰ درجات تک پہنچ سکتا ہے، بلکہ بعض لوگ ایسے مقامات پر بھی پہنچے ہیں، جہاں وہ رشکِ ملائکہ بن گئے، لیکن اس کے برعکس جو لوگ تکبیر، ظلم، انحراف اور اندھی تقلید کا راستہ اختیار کرتے ہیں، انہیں اپنے وجود کی نعمت کا احساس نہیں ہوتا ہے اور اپنی بے بصیرتی کی وجہ سے جان بوجھ کر احسان و اکرام کے دوسرے امتحان میں بھی یہ کہتے ہوئے ناکام ہو جاتے ہیں: ﴿لَوْلَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا﴾ (سورۃ الفرقان:۷) "اس پر کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا گیا کہ اس کے ساتھ خبردار کرنے کو رہتا؟" اور اس طرح عصیان و سرکشی اختیار کرکے اپنے آفاق کو مکمل طور پر تاریک بنا دیتے ہیں۔

انبیاء و مرسلین کی بعثت و تعیین ان اعلیٰ سطح کے معاملات میں سے ہے، جن کا تعلق صرف حق تعالیٰ کی ذاتِ عالیہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ سے متعلق ہر کام کو ابراہیم حقی

Marfat.com

کے اس شعر کی روشنی میں دیکھنا چاہیے جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:"اس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ سے کسی فضول کام کا سرزد ہونا محال ہے۔"ان حکمتوں کو انسانی عقل کے افق کے مطابق تلاش کیا جاسکتا ہے۔ہمارے جیسے ہی انسانوں میں سے انبیائے کرام بھیجنے،زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ان کے ہمارے جیسے احساسات رکھنے، جو باتیں ہمیں اچھی لگتی ہیں،ان سے انہیں بھی راحت ملنے، لذت والم میں ہمارے جیسا ذوق رکھنے، جن چیزوں کی ہمیں ضرورت ہوتی ہے ان کی انہیں بھی ضرورت محسوس ہونے اور دیگر مخاطبین کی طرح ان کے بھی مکلف ہونے سے ہم بہت سی اہم حکمتوں اور مصلحتوں کا استخراج کرسکتے ہیں، مثلاً ان میں سے ایک حکمت ان کی تقلید بلکہ زیادہ مناسب لفظوں میں ان کی پیروی کو آسان کرنا اور زمین پر حق تعالیٰ کے آسمانی پیغامات کی نمائندگی کرنا بھی ہو سکتی ہے، لیکن اس کے ساتھ ہم یہ بھی کہتے ہیں:"معاملات کے باطن سے صرف حق تعالیٰ ہی واقف ہیں۔" ہم "فللہ الحجۃ البالغۃ"(اللہ ہی کی حجت غالب ہے۔) کے سامنے اپنی اطاعت کی تجدید کرتے ہیں اور اس بات پر یقین رکھتے ہوئے کہ سب سے بڑی دانائی کی بات علیم وحکیم ذات کے سامنے خاموشی اختیار کرنا ہے،اپنی زبانوں کو اپنے دلوں کے ساتھ مربوط کرکے "مراقبہ تمکین"(18) میں مستغرق ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔

حضرات انبیائے کرام اور مرسلین عظام کی ان تمام خصوصیات کے باوجود ہماری نظروں سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں رہنی چاہیے کہ وہ ہماری طرح بشر ہیں۔وہ ایسے بشر ہیں، جن کی اہم ترین خصوصیت ایمان اور عبدیت ہے اور جس فریضے کی ادائیگی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا انتخاب کیا ہے وہ دوسروں تک ایمان اور عبادت کے پیغام کو پہنچانا اور ان کے اور حق تعالیٰ کے درمیان موجود رکاوٹوں کو دور کرنا ہے۔ان کے فرائض منصبی میں پہاڑوں اور پتھروں کو سونے میں تبدیل کرنا، دریاؤں کا رُخ پھیرنا، لق ودق صحراؤں کو سرسبز وشاداب بنانا یا آسمان سے کھانا اتارنا ہرگز شامل نہیں۔گو قرآنِ کریم خود انبیائے کرام کے ہاتھ پر نبوت کے تعلق سے ان جیسے بہت سے تکوینی معجزات کے ظہور پذیر ہونے کا اعلان کرتا ہے، لیکن یہ معجزات محض مشیتِ ایزدی سے ظہور پذیر ہونے والے الطافِ ربانیہ کا مظہر ہیں اور انہیں ان پر خلوص اور امتیازی مقام کے مالک

Marfat.com

انسانوں کی عبدیت، احساسِ ذمہ داری اور حق تعالیٰ کے بارے میں ان کے موقف پر ملنے والا فوری اجر اور خاص لطف بھی سمجھا جاسکتا ہے، نیز وہ انبیائے کرام کی امتوں کے دلوں میں اطمینان پیدا کرنے کا خاص ذریعہ بھی ہیں۔

دعوتِ نبوت کے تناظر میں انبیائے کرام کے ہاتھ پر پتھر یا مٹی کا سونے چاندی میں یا کوئلے کا ہیروں میں تبدیل ہونا اور مُردوں کا ان کے انفاس سے جی اٹھنا ان کی نبوت کی قبولیت کا راستہ ہموار کرنے کے لیے ایک تجلیٔ لطف اور ان کی امیدوں کو یقین میں تبدیل کرنے کے نام سے احسان کی بادِ نسیم ہے۔ یہ معجزات حق تعالیٰ کے فضل وعنایت سے بے گانی روحوں کو ایمان کی حقیقت سے روشناس کرانے، کفر پر ڈٹی ہوئی طبیعتوں کو نرم کرکے ان میں اللہ تعالیٰ کا احساس پیدا کرنے اور پھر ان مردہ دلوں میں روح پھونکنے سے زیادہ تعجب خیز نہیں ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے رونما ہونے والے یہ معجزات نبوت کے دائرے میں اصلی محور کی حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ یہ ثانوی درجے کے واقعات انبیائے کرام کی تائید اور تسلی اور مخاطبین کے اذعان ویقین کا ذریعہ ہیں۔

میں اس بات کی دوبارہ یاددہانی مفید سمجھتا ہوں کہ انبیائے کرام کے بنیادی فرائض میں تکبر، ظلم، بے راہ روی، اسلاف کی اندھی تقلید اور نفسانی و جسمانی خواہشات کی پیروی جیسے بُرے اخلاق و عادات جو وصول الی اللہ کے راستے میں رکاوٹ بنتے اور اللہ سے دوری کو آسان بناتے ہیں، سے انسان کو پاک کرنا، تواضع، حدود سے عدم تجاوز، درست طرزِ فکر، حق کی پابندی اور قلبی و روحانی زندگی پر توجہ جیسے اچھے اخلاق اور عمدہ عادات انسانوں میں پیدا کرنا، انہیں اپنے حالات اور ذمہ داریوں کے بارے میں یاددہانی کرانا، انہیں خالق کے ساتھ تعلقات کا احترام اور مخلوق کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرنے کی تعلیم دینا، دلوں کو یہ سمجھا کر لانہایت کے محاسن کی طرف متوجہ کرنا کہ چونکہ وہ ہمیشہ رہنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں اس لیے ابدیت کے سوا کوئی بھی چیز ان کی پیاس نہیں بجھاسکتی، خطا و صواب، نافع وضار، حُسن و قبح، حق وباطل اور بقاوفنا جیسے ساری انسانیت کو درپیش مسائل کے درمیان تمیز کرنے کی تلقین کرکے انہیں لغزش سے بچانا، پہلے سے

Marfat.com

کوئی رائے قائم کیے بغیر ایسے طریقے سے انہیں یہ معاملات سمجھنا کہ عام طور پر ذہن اسے سمجھ جائیں اور زندہ ضمیر لوگ انہیں قبول کرلیں،ہدایت کا ہدایت اور گمراہی کا گمراہی ہونا دلائل سے ثابت کرتے ہوئے انہیں حق تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں رکھ کر وصول الی اللہ کے غیر متناہی محاسن سے اور انحراف اور گمراہی کے بُرے نتائج سے روحوں کو آگاہ کرنا،انہیں ہوا و ہوس کی بجائے حق تعالیٰ کی رضا کے مطابق الوہیت اور ربوبیت کے عقیدے کی تعلیم دینا،رضائے حق کے جذبے سے ہر چیز کی توثیق کرنے اور اس افق تک پہنچانے والے راستوں کی طرف ان کی راہنمائی کرنا اور انہیں آخرت میں منکرین کی سزا اور مؤمنین کو ملنے والی جنت کی نعمتوں کے بارے میں بتانا وغیرہ شامل ہے۔

انبیائے کرام سے ان کے فرائض کے دائرے سے خارج کسی چیز کی امید رکھنا نبوت سے عدم واقفیت اور انبیائے کرام کی کھلم کھلا توہین ہے۔ان کے فرائض سے خارج چیز کی امید یا مطالبے کے بارے میں قرآنِ کریم کا جواب بہت واضح ہے: ﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ﴾(سورۃ الانعام:۵۰) ”کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔میں تو صرف اس حکم پر چلتا ہوں جو مجھے اللہ کی طرف سے آتا ہے۔“ انبیائے کرام وحی خداوندی کی پیروی کرتے ہیں اور اس کی دعوت و تبلیغ اور پیروی میں اپنی ساری جدوجہد صرف کردیتے ہیں۔وہ جو کچھ جانتے ہیں یا کہتے ہیں یا جس پر عمل کرتے ہیں اور جو وہ چاہتے ہیں وہ اُس پیغام کی اشاعت اور پیروی ہے،جو علیم و حکیم خدا نے انہیں مخصوص اسلوب میں تلقین کیا ہے۔دوسرے لفظوں میں وہ خدائی پیغام کو تقسیم کرنے اور پہنچانے والے شاہی کارندے اور وحی کے خوش ذائقہ چشمے کے نگہبان ہیں۔اگر وہ کوئی توجیہہ پیش کرتے ہیں یا بعض مواقع پر وحی کے محکمات کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ایسا کلی علم کے منہج کے مطابق اور اس کے دائرے میں رہتے ہوئے کرتے ہیں اور اپنی ہر بات میں خدا کی خوشنودی اور مرضی کی حفاظت کرتے ہیں۔

Marfat.com

انبیائے کرام ہمیشہ وحی کے سائے میں زندگی گزارتے ہیں، اپنے تمام کاموں میں صرف رضائے حق کے طلبگار رہتے ہیں، جس راستے کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان کی راہنمائی کی ہوتی ہے، صرف اسی پر چلتے ہیں، اپنی تمام حرکات وسکنات کے نتائج کے بارے میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتے ہیں اور اپنی جدوجہد کے ثمرات کو اخرویات کی اقلیم کے آخری کنارے تک منتقل کرتے ہیں۔ انبیائے کرام اور ان کے سچے پیروکاروں پر دنیا کی محبت اور مقام ومنصب کی خواہش کبھی غالب نہیں آسکتی۔ ہر کام اور سرگرمی میں حسن تقویٰ ان کا پشت پناہ ہوتا ہے۔ وہ وحی کی اطاعت کو سراسر ہدایت سمجھتے ہیں۔ وہ اس سیدھے اور روشن راستے پر اپنی کامل ترین عقلی، روحانی، قلبی اور شعوری صلاحیتوں کے ساتھ چلتے ہیں، اس پر چلنے کو اپنی اور دوسروں کی نجات کا ضامن سمجھتے ہیں اور اپنی زندگی کے تانے بانے کو اس نظریے اور یقین کے گرد بُنتے ہیں۔

جب بھی انسان کی عقل، منطق اور محاکے (ان تینوں کو ایک چیز بھی سمجھا جاسکتا ہے۔) نے نبوت اور اس کے متوقع نتائج کو تسلیم کیا اور اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سرچشمے سے پورا پورا استفادہ کیا اس وقت وہ اپنی ذات کی مساحت کی آخری حدود تک پہنچانے والے راستے پر چل پڑا (اور اسے چلنا چاہیے) اور دوسروں کی گمراہی کا ذریعہ بننے سے بچ گیا (اور اسے بچنا چاہیے)۔ اس قسم کے طرزِ عمل سے سب سے پہلے سارے وجود اور کائنات پر فرمانروائی کرنے والے علم محیط اور قدرتِ مطلقہ کو تسلیم کرنا مطلوب ہے۔ آپ اسے ارضیات کے سماویات کی طرف ارتقا کرنے اور جوہر کی روح کا اَعراض پر تفوق ثابت کرنے کے لیے عقل ومنطق کے نتائج، مناہج وتحقیقات اور عقل ومنطق کی مدد سے کیے جانے والے مختلف تجربات کو وحی کی کسوٹی کے سامنے جھکانے سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں۔ حق بات یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ عقل کے خالق ہیں، اسی طرح وہ وحی کے واسطے سے غوروفکر کے راستے کی طرف اس کی راہنمائی کرنے والے بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عقل کے ذریعے انسان کی آنکھیں کھولی ہیں اور وحی کے ذریعے عقل کو غوروفکر کی درستگی کی ضمانت فراہم کی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے عقل کے سامنے غوروفکر کے وسیع مواقع چھوڑ کر انسان پر اپنے کامل بیان کے ذریعے اتمام حجت کر دیا ہے۔ دوسرے

Marfat.com

لفظوں میں اللہ تعالیٰ ہر چیز پر محیط وحی کو منتشر اور غیر مربوط حالات کا سامنا کرنے والی عقل اور محاکمے کے مختلف راستوں کو ایک کرنے اور قیاس کے نتائج اور خود مقیاس کی جانچ پرکھ کرنے کے لیے ایک تجربہ گاہ کی مانند بنایا ہے۔

مذکورۃ الصدر ملاحظات کی روشنی میں ہم یقین رکھتے ہیں کہ انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والتسلیمات کی پیروی اختیار کیے بغیر مختلف اور باہم گڈمڈ راستوں پر امن کے ساتھ چلنا اور گمراہی کا شکار ہوئے بغیر جینا ممکن نہیں۔ انبیائے کرام میں سے ہر ایک اپنے اپنے دور میں امانت دار، تجربہ کار اور راستے کی مختلف خصوصیات سے باخبر تھا۔ ہمارا ایمان ہے کہ وحی انسانی عقل کو ہذیان سے بچانے والی اکسیر ہے اور انبیائے کرام اس اکسیر کو حسبِ موقع استعمال کرنے والے ماہر طبیب ہیں۔ یہ چنیدہ ہستیاں وہ روشن دماغ راہنما ہیں، جو عقل انسانی کو مختلف قسم کی گمراہیوں سے بچاتے ہیں اور اس کے سامنے مابعد الطبیعات کے ان آفاق کو کھولتے ہیں، جو لاہوتی اور طبیعاتی اہداف سے سوا ہوتے ہیں۔ جو عقل، منطق اور محاکمہ ان مرشدوں کے دستِ حق پرست پر بیعت کرتے ہیں وہ خودی کی سرحدوں تک بسلامت پہنچنے کی ضمانت دیتے ہیں۔ ہم نبوت اور وحی پر ایمان رکھنے والی عقل، منطق اور محاکمات کے نتائج کا احترام کرتے ہیں، لیکن ہمارا یہ بھی پختہ ایمان ہے کہ وہ وحی کے خلا کو قطعاً پُر نہیں کرسکتے اور نہ ہی وحی کے سچے اور کامل مبلغین کی جگہ لے سکتے ہیں۔

Marfat.com

اللہ، کائنات، انسان اور نبوت

انبیائے کرام کا ایک اہم پہلو اور فیض یہ بھی ہے کہ وہ واقعات کا مبنی بر حقیقت مطالعہ اور ان کی درست توجیہہ کرکے کائنات اور حقیقتِ الوہیت کے درمیان توازن قائم رکھتے ہیں۔ صرف انبیائے کرام کے لیے ہی یہ ممکن ہوسکا کہ وہ کائنات کا "من حیث الکل" احساس کرکے (ایک دوسرے کے لیے نمونے کی حیثیت رکھنے والی) اشیاء کی عمومی صورتوں میں ان کی تجلی اور تمام موجودات پر محیط کونی صفات کے حامل قوانین وحدت کو مکمل طور پر سمجھ سکیں۔ یہ تمام انبیائے کرام خصوصاً حضرت روح سید الانام علیہ اکمل التحیات کا واضح ترین معجزہ ہے۔

انسانیت اپنی علمی وسعت اور تکنیکی ترقی کے باوجود ابھی تک انسان، کائنات اور مابعد الطبیعات سے متعلق حقائق کے ابجد سے واقفیت حاصل کر رہی ہے، لیکن انبیائے کرام ان حقائق سے ہزاروں سال پہلے تھوڑی سی محنت اور عرصے میں واقف ہوگئے تھے۔ اشیاء کو ان کے حقیقی مالک کی طرف منسوب کرنے کے بارے میں انہیں جو بات کہنی چاہیے تھی انہوں نے اپنی قوموں سے وہی بات کہی تھی، چنانچہ خارق عادت نظام، حق تعالیٰ کے ہاں مخصوص مقام اور اُخرویات سے مسلسل آنے والے پیغامات کی روشنی میں بعض نے اجمال اور بعض نے تفصیل کے ساتھ ان حقائق کا اظہار کیا۔

انبیائے کرام ان حقائق تک دورِ حاضر میں تحقیق کے مروّجہ علمی مناہج سے پہنچے اور نہ ہی تجربی مناہج سے، بلکہ اس علم اور معرفت تک ان کی رسائی ناقابلِ تصور حد تک اپنے عقلی، حسی، شعوری اور ادراکی کمال کے ساتھ ساتھ اپنی قلبی وسعت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصی تعلق کی بدولت ہوئی۔ انہوں نے ہر جگہ اور ہر چیز پر حاوی علم اور ارادے کی وحدت کا مشاہدہ کیا اور ہر چیز اور واقعے کی پیشانی میں واحد و اَحد کو پکارنے والے اشارات، معالم اور نشانیوں کو پڑھا اور ان کی وضاحت کی۔

انہوں نے اعلان کیا کہ وہ احساسات، فکر اور اعتقاد میں وحدت کے علمبردار ہیں۔ یہ دعوی کرنا بہت مشکل ہے کہ سائنس نے حقیقتِ انسان، کائنات اور الوہیت کے اُن باہمی

Marfat.com

تعلقات کے بارے میں کوئی قابل ذکر پیش رفت کی ہے، جن کے بارے میں انبیائے کرام ہزاروں سال پہلے بتاچکے ہیں۔سائنس ابھی بھی بہت سے موضوعات پر بے مائیگی کا شکار ہے۔وہ کل اُن امور کی تصحیح کرے گی، جنہیں آج درست سمجھتی ہے، یقینی طور پر غلط قرار دیئے جانے والے امور کی محتمل الخطا امور کی مدد سے درستگی کی کوشش کرے گی، بلکہ اپنے آپ سے باربار جواب طلبی کرے گی، اپنے اضافی مسلّمات کی مختلف مفروضوں سے اصلاح کریگی، مگر جزئیات کی حدود کو پار نہیں کر سکے گی۔

چنانچہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ سائنس نے ابھی تک ایسا مستحکم اصول وضع نہیں کیا، جو اِن موضوعات پر اٹل قرار دیا جاسکے، حقیقتِ مطلقہ کی تعبیر کے بارے میں تو اسے بالکل ہی کامیابی نہیں ہوئی ہے اور جن حقائق تک وہ پہنچی ہے، وہ مسافروں کے زادِراہ اور محققین کے قرضہ حسنہ سے زیادہ کچھ نہیں۔

تاہم یہ خیال رہے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اس سے سائنس اور اس کے نتائج کے مقام کو گرانا یا علمی مباحث کی تحقیر ہرگز مقصود نہیں ہے، بلکہ ہماری رائے اس کے برعکس ہے۔ہم سائنس اور اس کے نتائج کو انتہائی قابل احترام اور قابل قدر سمجھتے ہیں۔ ہمارامقصود ایک ایسے ماخذ علم کی طرف توجہ دلانا ہے، جس کی طرف آج کل التفات نہیں ہوتا۔وہ ماخذ انسان کی حقیقت، وجود اور تخلیق کے بارے میں صحیح ترین، کامل ترین، وسیع ترین اور غلطی کے احتمال سے پاک ماخذ ہے۔یہ نبوی ماخذ ہے، جس نے بعض کتبِ سابقہ میں پیش آنے والی تحریف کے سوا اپنی تروتازگی کو ہمیشہ برقرار رکھاہے۔ عصری علوم بعض اوقات جامع قدرپیمائی اور کلی پہلو سے وجود اور واقعات میں پائے جانے والے نظام، ہم آہنگی اور کام سے متعلق بہت اہم امور کا انکشاف کرتے ہیں۔ہم انہیں پورے احترام سے قبول کرتے ہیں، لیکن ایک مخصوص نظام کے تحت تربیت یافتہ گروہ نے اُن معلومات اورتوجیہات کا اجمالی طور پر قدیم ترین ادوار میں اعلان کردیاتھا، جن تک زمانہ جدید ترین ٹیکنالوجی کے ذریعے آج پہنچا ہے۔اگر بعض علمی حلقے اس طرف توجہ

Marfat.com

نہیں دیں گے اور ان حقائق کا کماحقہ احترام نہیں کریں گے تو ہم (ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے)ان کے سامنے اپنی رائے پیش کریں گے اور جس بات کو ہم حق سمجھتے ہیں اس کا کھلم کھلا اظہار کریں گے۔

کتنے ہی ایسے اہم حقائق ہیں، جن کا جدید سائنس نے آج انکشاف کیا ہے، لیکن انبیائے کرام وحی کے وسیع لَدُنّی علوم اور اپنی امتیازی فراست کی مدد سے انسانیت کو ان سے قدیم ترین ادوار میں مختلف صورتوں میں اجمالی طور پر متعارف کرا چکے ہیں۔ جدید ترین ٹیکنالوجی کے ذریعے عصری تجربہ گاہوں میں ہونے والی تحقیقات انبیائے کرام کے پیش کردہ حقائق کے بارے میں کوئی بھی موقف اختیار کریں، تاہم یہ حقیقت ہے کہ کروڑوں انسان اب بھی ان کے پیغامات اور توجیہات کی روشنی میں معاملات کو پرکھتے اور ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ دوسری طرف سائنس اور فلسفے کے نام پر پیش کیے جانے والے جدید ترین نظریات دوسرے نئے اور مختلف نظریات کی وجہ سے تبدیل ہو رہے ہیں اور آج کے سائنسدان کل کے سائنسدانوں کے نظریات کو پرکھ رہے ہیں۔ اس جانچ پرکھ کے دوران جو نظریات صحیح ثابت نہیں ہوتے وہ نئے نظریات کے لیے جگہ خالی کر دیتے ہیں اور اس طرح کل تک سائنس کے نام پر لوگوں کی نظروں میں مسلمات کا درجہ رکھنے والے نظریات ایک ایک کرکے غلط ثابت ہو رہے ہیں اور نئے نظریات آہستہ آہستہ ان کی جگہ لے رہے ہیں، لیکن انبیائے کرام کے بیان کردہ حقائق (تنگ فکر منتسبین کی غلط توجیہات کے سوا) مستحکم بنیادوں کی حیثیت سے اپنی صلاحیت برقرار رکھے ہوئے ہیں اور انسانیت مسلسل ان کی طرف رجوع کر رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حقائق اس بزرگ و برتر ذات کی طرف سے آئے ہیں، جو ساری کائنات کا نظام ایک نمائش کی طرح چلاتی ہے اور اسے ایک کتاب کی طرح لکھتی اور ایک پُرشکوہ محل کی طرح مزین کرتی ہے۔

لہٰذا مخصوص نظام کے تحت تربیت یافتہ اور قدرت مطلقہ کی حامل ذات سے خصوصی تعلق رکھنے والے انبیائے کرام پر انسان، کائنات اور خالق کائنات کے بارے میں علم اور قولِ فیصل کے حصول کے سلسلے میں اعتماد کرنے اور وجود کے پردوں میں عیاں

Marfat.com

وپنہاں امور کے حقائق کے بارے میں صرف انہی کی تعبیر وتشریح کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

ان ہستیوں کا اہم ترین فریضہ کائنات اور واقعات اور انسانی زندگی اور طرزِ عمل کے باہمی تعلقات کو متعین اور مستحکم کرکے ان میں یکسانیت اور ہم آہنگی پیدا کرنا ہے، نیز اس یکسانیت اور ہم آہنگی کو قائم رکھنے والی صاحب اقتدار ابدی ذات کے بارے میں انسانی ذمہ داریوں کا تعین واثبات بھی اُن کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ان حضرات کی ساری کائنات کے بارے میں بالعموم اور انسان کے بارے میں بالخصوص تصریحات میں ہی قابل اعتماد اور درست بات پائی جاتی ہےاوریہی حضرات درج ذیل سوالات کادرست جواب دے سکتے ہیں:انسان کہاں سے آیاہے؟کہاں جارہاہے؟اورکیوں آیاہے اورکیوں جارہاہے؟

لہٰذا زمین پراپنے وجود کی غرض وغایت،راستے کے ضروری قواعد وضوابط اور راستے کی منزل کے بارے میں صحیح ترین معلومات کے حصول کے لیے حق تعالیٰ کے رسولوں کے پیغامات کی پناہ میں آئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ صرف اور صرف اسی وسیلے سے ہم کائنات کی اپنے وسیع وعریض دائرے میں حرکت،وجود کے پردوں کے پیچھے چھپے وجود اور زمین پر مسلسل آنے جانے کے حیرت انگیز نظام کی غرض وغایت کو سمجھ سکتے ہیں،جس کے نتیجے میں ہمیں اطمینان،سلامتی اور راحت نصیب ہوتی ہے،ایسی سلامتی اور راحت جو ظاہری وباطنی اورعیاں و پنہاں وجود کے علم و اصلاح،اپنے آپ کو کائنات کا ایک اہم حصہ سمجھتے ہوئے زمین پر اپنے مقام ومرتبے کے فہم،اشیاء و واقعات میں جاری و ساری عمومی ہم آہنگی کے ساتھ موافقت، ہماری دنیا و آخرت کی سعادت کے لیے اسباب اور وسائل فراہم کرنے والی ذاتِ عالیہ کی طرف توجہ اور شکست وہزیمت سے ہمیشہ اجتناب پر مبنی ہوتی ہے،کیونکہ ہم اپنے دلوں میں موجود ابدی خواہشات کی تکمیل پر یقین رکھتے ہیں۔

حصول علم کے طریقے اور انسان کے لیے اس کے دستیاب وسائل متعین اور محدود ہیں اور یہ بالکل واضح حقیقت ہے کہ ان محدود وسائل کے ذریعے حاصل ہونے والا علم بھی

Marfat.com

محدود ہوتا ہے اور محدود رہے گا۔ میری رائے میں اس قدر علم و معرفت کے ذریعے تو ہم عمومی ہم آہنگی اور زمین پر قائم معتدل نظام کی حقیقت کو بھی نہیں سمجھ سکتے، چہ جائیکہ ہم اس کی مدد سے دنیا میں اپنے وجود و تخلیق کے مقصد کو سمجھ سکیں اور کائنات کے ساتھ اپنے تعلق کے بنیادی نکتے کو پا سکیں، لیکن دوسری طرف ساری کائنات پر حاوی نظام کے اصولوں اور مخلوقات میں اپنے مقام و مرتبے کے لحاظ سے اعلیٰ مقاصد کے مطابق اپنی زندگی کو تشکیل دینے کی ذمہ داری بھی انسان ہی کے کندھوں پر عائد ہوتی ہے، نیز وہ دنیا میں اپنی ضرورتوں کے مطابق معیشت کا بندوبست کرنے کا بھی پابند ہے، لیکن اگر انسان زندگی کے اس پُر خطر، نامعلوم، پُر پیچ اور نشیب و فراز اور پھسلن والے راستے پر چلتے ہوئے اپنی زمام اس نامعلوم سفر کے ماضی و مستقبل اور ابتدا و انتہا سے واقف راہنما کے ہاتھ میں نہ دے تو اس کے لیے بے شمار غلطیوں اور شدید مشکلات کا سامنا کرنے سے بچنا ناممکن ہو گا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے بغیر وہ اپنے مقصدِ تخلیق کو سرے سے پا ہی نہ سکے۔

چونکہ ہم زندگی کے سفر کے دوران پیش آنے والی ناگہانی صورتحال کے بارے میں یقین کے ساتھ پہلے سے کچھ نہیں کہہ سکتے، اس لیے اگر ہم انسان کو "اُخرویات" سے لاکر زمین پر بسانے اور پھر اسے یہاں سے دوبارہ دیارِ آخرت کے سفر پر گامزن کرنے والے رحمان و رحیم خالق کے رسولوں اور راہنماؤں کی پیروی نہیں کریں گے تو ہمارے اعصاب جواب دے دیں گے، ہم سرگردانی و گمراہی میں مبتلا ہو کر راستے سے بھٹک جائیں گے، کتابِ فطرت کو غلط انداز سے پڑھیں گے اور درست نقطہ نظر سے کائنات کی نمائش کو دیکھ سکیں گے اور نہ ہی دنیا کے پُر شکوہ محل اور اس کے اندر کے اسرار کی حقیقت سمجھ سکیں گے، بلکہ انسان اشیاء و واقعات (جن میں سے ہر ایک قدرت کا کرشمہ ہے) اور ان کے مختلف مظاہر اور صورتوں کو قوانین فطرت کے ساتھ مربوط کر کے انوکھے اور خارقِ عادت امور کو بھی عام واقعات کی طرح دیکھے گا اور اس طرح اس کے آفاق پر اور بھی تاریکی چھا جائے گی۔

صرف حق تعالیٰ کے خوش بخت، مقتدیٰ اور ہدایت دینے والے رسولوں نے ہی وجود اور واقعات کو ہمیشہ درست انداز سے پڑھا ہے۔ وہ شکل و صورت سے گزر کر جوہر

Marfat.com

کی گہرائیوں میں اترے اور زیرِ مشاہدہ چیزوں کے مغز تک پہنچ کر ہر چیز کے ظاہر و باطن سے آگاہی حاصل کی، کیونکہ انہوں نے وجود کی توجیہہ کرتے ہوئے ہمیشہ مفہوم کو سب کے سامنے پیش کیا اور ہر اثر میں موثر کا پتا دینے والے اشارات کو مختلف لہروں کی حامل تجلیات کی شعاؤں سے اخذ کیا۔ چونکہ وہ اپنی سیاحت اور روحانی غور و فکر کے راستے پر خالق جلیل کی طرف کھچے ہوئے چلتے ہیں، اس لیے انہوں نے حاصل شدہ علم کے اجزاء کو معرفت میں ڈھال کر اپنے اپنے عرفانی مقام کے مطابق "معروف" سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ مضبوط قلبی وروحانی تعلق قائم کرلیا، جس کے نتیجے میں وہ سرسبز وشاداب باغات جیسے پُرفضا ماحول میں ہر چیز پر محیط "انسانیت" کے مقام تک پہنچ گئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف جذبات سے اس قدر سرشار ہو کر متوجہ ہوئے جیسے وہ ہر لحظہ گہری محبت اور روحانی ذوق کی آبشار میں بہہ رہے ہوں۔

یہ مبارک ہستیاں وجود اور ماوراء الوجود کو ایک خاص نقطہ نظر سے دیکھتی ہیں، چنانچہ وہ اپنے نورِ بصیرت سے ہر چیز پر مطلع ہو جاتی ہیں، خالق تعالیٰ کی قدرت کے بیان کردہ دائرے میں رہتے ہوئے اشیاء و واقعات کی قدر پیمائی کرتی ہیں اور کسی بھی چیز کی حقیقت کو حقیقتِ نفس الامر کے مطابق دیکھتی ہیں۔ جب وہ وجود کی کلی اور جزئی حیثیت سے توجیہہ کرتی ہیں تو تمام اشیاء کے باہمی اور خالق تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں توازن کا خصوصی خیال رکھتی ہیں، جس کے نتیجے میں وہ داخلی تضاد کا شکار نہیں ہوتیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان، کائنات اور الوہیت کی حقیقت کے بارے میں درست رائے، فکر اور تعبیر اختیار کرنے میں ہمیشہ صرف انہیں ہی کامیابی نصیب ہوئی ہے، صرف انہوں نے ہی توحید کی تمام ضروریات ومقتضیات کی آواز اٹھائی ہے، صرف انہوں نے ہی ذاتِ الٰہیہ کے ساتھ ساتھ اسمائے الٰہیہ، صفاتِ سبحانیہ اور شئونِ ذاتیہ کے درمیان درست موازنہ کیا ہے اور صرف انہوں نے ایک ہی سرچشمے کی خاص تجلیات "الوہیت وربوبیت" کی خصوصایت کی درست تعبیر پیش کی ہے۔

اگر رسول بھیج کر انسانیت پر احسان کرنے کی مشیتِ ایزدی کی تجلی نہ ہوتی تو زمانے بھر کے اعلیٰ ترین دماغ بھی تمام تر جدوجہد کے باوجود اس قسم کے حقائق تک کبھی

Marfat.com

رسائی حاصل نہ کرسکتے، بلکہ امر واقع کو دیکھتے ہوئے اس سلسلے میں ان کی ناکامی بالکل واضح حقیقت ہے۔ گو میں ابھی سے اس بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ مستقبل میں سائنس کی وسعت پذیری، ارتقا اور نقطہ نظر کے اختلافات کے نتیجے میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہونے والی ہیں، لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ موجودہ صورتحال کا ہمیشہ قائم رہنا محال ہے۔ کاش! ابھی تک حیرت وغفلت کا شکار رہنے والی انسانیت ادراک کے دائرے سے خارج امور مثلاً وجود اور ماوراء الوجود کی حقیقت کے بارے میں تھوڑی دیر کے لیے خدائی پیغامات اور انبیائے کرام کی توجیہات کی طرف التفات کرتی اور آج تک انسان کو شک میں مبتلا رکھنے والے گمراہ کن علوم کے دھوئیں اور کہر آلود فضا سے باہر نکل کر نبوی الہامات کی فضاؤں میں پرواز کرتی، تب شاید انسان وجود کی حقیقت، کائنات میں اپنا مقام اور ذمہ داریاں، اشیاء و واقعات سے ماورا امور، اشیاء کے باہمی تعلقات اور تکوینی امور میں پایا جانے والا تناسب اور عمومی ہم آہنگی زیادہ صاف نظر سے دیکھتا اور زیادہ بہتر انداز سے سمجھتا، نیز اس طرح شاید وہ ایک طرف اپنے خالق تعالیٰ کے ساتھ تعلقات کے ایک خاص انداز کو اپناتا اور دوسری طرف ساری کائنات میں جاری وساری نظام کی مخالفت سے محفوظ رہتا اور وجود کے ساتھ تصادم اختیار نہ کرتا، لیکن انسانیت نے بالعموم اور سرکش نفوس نے بالخصوص یہ طرزِ عمل نہیں اپنایا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور نافرمانی کرکے اشیاء و واقعات سے تصادم کی راہ اختیار کی، جس کے نتیجے میں وہ عذاب سے نہ بچ سکے اور ایسی صورتحال میں ان کے لیے عذاب سے بچنا ممکن بھی نہ تھا، کیونکہ انسان کو عطا کردہ ذرائع علم محدود ہیں اور پیش آمدہ مشکلات کے حل کے لیے دستیاب وسائل بہت تھوڑے ہیں، اس لیے دستیاب ذرائع اور وسائل کے ذریعے کائنات کے بہت تھوڑے حصے کو دریافت کرنا ممکن ہے اور اس میں بھی خطا و صواب کا امکان سدا برقرار رہتا ہے۔

اپنی زندگی کو مایوسی کا شکار ہونے اور اپنی امیدوں پر پانی پھرنے سے بچانے کے لیے انسان کو چاہیے تھا کہ اپنے گردوپیش میں پھیلی ہوئی ساری کائنات اور دنیا، معتدل نظام اور اشیاء کے باہمی تعلق کو اپنے افق کی تنگی، اپنے علم کی محدودیت اور اپنے افکار کی بے ثباتی کی نظر سے دیکھنے کی بجائے سب سے پہلے کائنات اور واقعات کے داخلی مفہوم کی وسعت کے لحاظ سے اور پھر اپنی خواہشوں، امنگوں اور امیدوں کی طولانیت کے لحاظ

Marfat.com

سے دیکھتا، لیکن اس بارے میں اسے بارہا ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور جب تک وہ اپنے راستے اور منزل کے بارے میں بے پروائی کا مظاہرہ کرتا رہے گا، اس وقت تک مایوسی اور ناکامی سے اپنا دامن کبھی نہیں چھڑا سکے گا۔

عالم ارواح سے دنیا کی طرف آنے اور پھر یہاں سے برزخ اور برزخ سے ابدیت کی طرف رختِ سفر باندھنے والے انسان کو ہر مرحلے پر مخصوص قسم کی مشکلات کے حامل اس طویل راستے پر نقصان، ہچکچاہٹ، تناؤ اور قلق کے بغیر امن اور اعتماد کے ساتھ تسلسل سے سفر جاری رکھنے کے لیے نہ صرف انسانی علم سے بلکہ زمان و مکان سے بھی ماوراء قسم کے علم کی ضرورت ہے، جبکہ وہ بے چارہ اکثر حالات میں انتہائی بے بس ہوتا ہے اور جس دنیا کو بزعم خویش اچھی طرح جانتا ہے، اس میں بھی بعض اوقات اسے دو قدموں کے بعد پیش آنے والی صورت حال کا علم نہیں ہوتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مستحکم قسم کی منصوبہ بندی کے متقاضی اس راستے پر چل کر اپنی منزلِ مقصود تک کبھی بھی نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ راستہ بہت طویل اور دشوار ہے۔ اس کی منزلیں بے شمار، پہاڑ بہت بلند اور کھائیاں بہت گہری ہیں۔ کیا اس کے بعد صحیح منزل کی طرف راہنمائی کرنے کے لیے اس قدر مشکل راستے کے نشیب و فراز سے واقف راہنماؤں کی ناگزیریت پر کوئی اور دلیل پیش کرنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

انبیائے کرام علیہم السلام نے ہر دور میں ہدایت کے اس پیغام کی ذمہ داری کو اٹھایا، انسانیت کے راستے کو منور کیا، اس راستے پر چلنے والوں کی آنکھوں سے پردہ ہٹایا، اللہ، کائنات اور اشیاء کی حقیقت کے بارے میں اپنے پیروکاروں کے آفاق کو روشن کیا اور انہیں تنہائی کے غم اور منزل سے ناواقفیت کی پریشانی سے نجات دلائی۔

نبوت نے پہلے انسان سے جو نبی بھی تھے، بنیادی مسائل کے بارے میں ایک مشترکہ لائحہ عمل تشکیل دیا، چنانچہ انہوں نے توحید، حشر و نشر، نبوت، عبودیت، عدل اور دیگر اساسیات کی دعوت دی، انسانی ذہن کی پختگی، عمومی تقاضوں اور زمانے کے حالات کے مطابق فروعی مسائل کے بارے میں مختلف قسم کی ہدایات دیں اور تنبیہات کیں اور

Marfat.com

اپنے پیروکاروں کی نظروں کو ہمیشہ بلند مقاصد کی طرف متوجہ کیا، چنانچہ دینی زندگی میں اساسیات کا خطِ استقامت ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، البتہ اساسیات کے لحاظ سے فروعی حیثیت رکھنے والے معاملات میں کچھ اختلاف رہا ہے، جو بذاتِ خود ضروری اور ناگزیر ہے۔

قرآن کریم بلوغ کو پہنچ چکنے والی انسانیت کے لیے آخری پیغام اور صدا ہے۔ اس آخری خدائی پیغام نے پہلے تمام مذاہب کی محکم اساسیات پر زور دیا ہے اور ہر زمان ومکان کی ضروریات کی تکمیل کی ضمانت فراہم کرکے دین کی کتاب کو مکمل کر دیا ہے، لہٰذا انسانیت پر لازم ہے کہ اس آخری پیغام کی روشنی میں اپنا سفر جاری رکھے، ارتقا اور تبدیلی کی توانائی کو اس کے نظام سے مربوط کرکے استعمال کرے اور اس کی نگرانی میں حقیقتِ مطلقہ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔

بلاشبہ آنے والا دور قرآن کا دور ہے اور آنے والی حکومت "فخرِ انسانیت" سے ملقب ہستی کی حکومت ہے۔ کان ان کے پیغام پر لگے ہوئے ہیں، ان کی مشعلیں راستے کو منور کیے ہوئے ہیں اور ہر کام کو توحید کے معیار پر پرکھنے والے موحّدِ اعظم کی بات کو آج فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔

Marfat.com

غیب کی خبریں بتانے والی آخری ہستی

اللہ، کائنات اور انسان کی حقیقت کے بارے میں شجرِ وجود کے تخم، کتابِ فطرت کے سرورق اور دعوتِ حق کی بلندترین پکار حضرت محمد ﷺ کی بات فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔ وہ غیب اور غیب الغیب کے بارے میں بتانے والی آخری ہستی اور اشیاء و واقعات کی صحیح تفسیر کرنے والے ہیں۔ وہ نہ صرف انسان اور خالق کے باہمی تعلقات کو بے غبار انداز میں بیان کرنے والے ہیں، بلکہ ان تعلقات کے تقاضوں کی کھلے الفاظ میں وضاحت بھی کرنے والے ہیں۔ وہ نیکی کی راہنمائی کرنے والے، سب سے بڑے امانت دار، حق تعالیٰ کے مقرب ترین، ایک لحاظ سے سب سے پہلی ہستی اور ایک لحاظ سے سب سے آخری شخصیت ہیں۔

ملائکہ آپ ﷺ کی راہ تکتے رہے ہیں اور انبیائے کرام آپ کی بشارتیں سناتے رہے ہیں۔ اولیائے کرام آپ سے روشنی حاصل کرنے والے آپ ہی کے ثمرات ہیں۔ نبوت کی مشعل آغاز میں آپ کے وجودِ میمون سے منور ہوئی اور آپ ﷺ ہی کے ذریعے اُس کی حقیقت اور مفہوم کا لبِ لباب روشن اور منورترین صورت میں جلوہ گر ہوا۔ آپ ﷺ کا نور سب سے پہلا نور ہے اور آپ کے آخری نور کا طوفان آپ کے عالم خارجی میں جلوہ گر ہونے سے عبارت ہے۔ ایک دوسری حیثیت سے آپ ﷺ انفس و آفاق کی فہرست، کائنات کا مغز اور ست، شجرِ تخلیق کی غایت کے شیریں ترین پھل اور خالق جلیل کے نام پر جن وانس کے سردار ہیں۔

آپ ﷺ کے جوہر اور حالت کے اوصاف ناقابل بیان ہیں۔ آپ کی شخصیت بے مثال، آپ کی ذات کے ''اُخروی پہلو'' یکتائے روزگار اور آپ کا پیغام رسالت کھلی برہان ہے۔ آپ کی شہرت کا دائرہ حضرت آدم علیہ السلام تک پھیلا ہوا ہے، آپ کی ضیاء کے ذکر سے زبانیں آپ کی پیدائش سے پہلے ہی تر تھیں اور آپ کا قدوم میمون

Marfat.com

(آپ ﷺ کے قدم مبارک ہمارے سروں کے تاج ہیں۔) ساری انسانیت پر احسان ہے۔ آپ ﷺ کی ہستی وجود کی سیپی کا شفاف ترین گوہر اور آپ کی رسالت جامع ترین رسالت ہے۔ آپ کا علم سارے علوم کا خلاصہ، آپ کا عرفان روشن ترین ہستیوں کو اپنے گرد جمع کر لینے والا چشمہ صافی اور آپ کا افق ایک ایسی رصد گاہ ہے، جس کی طرف پاکیزہ روحیں لانہایت سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے دوڑی چلی آتی ہیں۔ آنکھیں آپ کے پھیلائے ہوئے نور کی برکت سے چیزوں کی اصل حقیقت کو دیکھنے سے بہرہ مند ہوئیں اور کانوں نے آپ ﷺ کے ارشادات کے نغموں میں پہلی بار الفاظ کے موتیوں کی لاہوتی دھنیں سنیں، آپ ﷺ کی محفل میں کتنے ہی رازوں سے پردہ اٹھا اور کتنے ہی موتیوں جیسے افکار کو جِلا ملی، آپ ﷺ کو دیکھنے اور آپ ﷺ کی بات سننے والوں کی روحوں کا زنگ زائل ہوگیا اور ان کی آنکھوں کے سامنے سے تاریکی چھٹ گئی۔ آپ ﷺ نے اولین و آخرین کے بارے میں بتا کر انسانی ادراک سے خارج چیزوں سے روشناس کرایا، غیر معلوم حقائق کو مفہوم کا لباس پہنایا اور مقصدِ تخلیق کے لحاظ سے ساری کائنات کو ایک شعری نغمے اور ادبی شاہکار میں بدل دیا۔

سارے علوم آپ کے علم کے سمندر کا ایک قطرہ، ساری حکمت آپ کی معرفت کی آبشار کی معمولی سی بوند اور سارا زمانہ آپ کی عمرمبارک کے ایک لمحے کا عشرِ عشیر ہے۔ کرّہ ارض جو کائنات کے مقابلے میں مچھر کے پر کا وزن بھی نہیں رکھتا آپ کی جائے ولادت کے صدقے ساری کائنات کا ہم معنی بن گیا ہے۔ آپ کائنات کے خدائی خاکے میں سب سے پہلی ہستی، نبوت کے مسئلے پر آخری فیصلہ کن بات کہنے والے خطیب، ظاہر کے حقیقی شارح اور باطن کے رازوں کو فاش کرنے والی شخصیت ہیں۔ آپ روح القدس سے علمی اور عقلی حقائق وصول کرنے کے لیے اپنے مناسب اخلاق، وسیع شعور، بلند ادراک، "مابعد الملکوت" کے لیے وا دل اور "مابعد البعد" سے واقفیت کی صلاحیت کی بدولت نبوت کے تخت کے شہنشاہ ہیں، نیز آپ اُخرویات کی طرف متوجہ ایک روحانی پُرزے کی طرح روحوں اور عقلوں تک بغیر کسی خلل اور خرابی کے پیغام رسالت پہنچانے کی حیثیت سے عالم رسالت کے بلیغ ترین ترجمان ہیں۔

Marfat.com

آپ ﷺ اپنی خصوصیات کو برقرار رکھتے ہوئے بمقتضائے نبوت ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے روشناس کراتے اور ہم میں حق تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کا احساس پیدا کرتے ہیں۔اس حیثیت سے آپ غیر واضح حقائق کو بیان کرنے اور ہماری روحوں کو ناقابلِ ادراک امور سے واقف کرانے والے عظیم ترین معلم اور مبلغ اور دینی احکام کی تبلیغ، انسانی اقدار کی تعلیم اور اخلاقی رویوں کی نمائندگی کے لحاظ سے شارع، قانون ساز اور حقائق کی حقیقت کے شارح ہیں۔

نبوت،رسالت اور ان کے زیرِ نگرانی ولایت کا ظاہر اور باطن دونوں کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے،بلکہ ان کی عقلیں بھی اس خدائی منصب کے رنگ میں رنگی ہوتی ہیں، لیکن وہ ان کے پیچھے کافی مسافت پر کھڑے ہوکر ان کے حکم کی منتظر رہتی ہیں۔ان کی عقلوں جیسی اپنی حدود سے واقف اور نبوت کی ماتحت عقل "روحِ اعظم" سے منور ہوکر انسان کی حقیقت کا ایک بہت اہم پہلو بن جاتی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ باطن کے ساتھ ظاہر اور اوّل کے ساتھ آخر کا احساس ہونے لگتا ہے۔

وجود کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہوتا ہے۔ظاہر آنکھ سے دکھائی دیتا ہے، اعضائے حس سے محسوس ہوتا ہے اور عقل ومحاکمے سے اس کی قدر ومنزلت کا تعین ہوتا ہے۔اس کے مقابلے میں باطن تک اللہ کی مدد سے صرف ان لوگوں کی رسائی ہوتی ہے، جنہیں پیدائشی طور پر اسے محسوس کرنے کی صلاحیت سے نوازا گیا ہوتا ہے، چنانچہ وہ خود مابعد الظاہر میں مخصوص آواز، نفس،رنگ اور نقش کو ٹٹولتے ہیں۔انبیائے کرام مختلف پیمائش کی موجوں کی مدد سے اس آواز اور نفس کو تمام عمر سنتے اور ہمیشہ ان کے مقتضا پر عمل کرتے ہیں۔

حضرت روح سید الانام(علیہ اکمل التحیات) اپنی مخصوص حالت کے مناسبِ حال اپنے مخصوص نظام کے لحاظ سے مطلق برتری کی آواز اور رمز ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں ایسی ایسی چیزیں دکھاتے اور سناتے ہیں،جو دوسروں کو نہیں دکھاتے اور سناتے۔ان کی روح میں بسا اوقات زمان ومکان سے بھی بالاتر حقیقت پیدا کرکے انہیں روحانیوں سے بھی آگے لے جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ حق تعالیٰ کے معزز ترین بندوں یعنی ملائکہ پر بھی سبقت لے کر "قاب قوسین او ادنیٰ" کے مقام تک پہنچ جاتے ہیں۔

Marfat.com

حق تعالیٰ کے ہاں بلند مقام کے ساتھ ساتھ انہیں مخلوق کی نظروں میں بھی اعتماد اور قدرومنزلت حاصل ہے۔ آپ نے عمر بھر استقامت سے سرِمو انحراف نہیں کیا، جس کے نتیجے میں دوست ودشمن سب نے آپ پر اعتماد کیا اور آپ نے حق تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی وحی کو اس کے لاہوتی حسن کے ساتھ مخاطبین تک پہنچایا۔ آپ کا ذکرِ خیر ہمیشہ عصمت کے ساتھ کیا گیا۔ آپ نے طبیعت اور ماورائے طبیعت کو صحیح انداز سے پڑھا اور طبیعیات و مابعد الطبیعات سے مربوط اپنی تیز فراست اور نورانی روح کی مدد سے ان کی ہمیشہ درست وضاحت کی، یہی وجہ تھی کہ ہر روشن ضمیر اور خالی الذہن ہو کر سوچنے والا شخص کسی قسم کی سستی کا مظاہرہ کیے بغیر آپ کی طرف دوڑ پڑا، سرکش ترین لوگوں نے آپ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے اور اعلیٰ ترین دماغوں نے آپ کے پیغامِ رسالت میں عقل کی تخلیق کے مقصد کو پا کر آپ کی اطاعت اختیار کی۔ آپ کی بدولت انسانیت حیوانیت وجسمانیت سے نکل کر قلب و روح کی زندگی کے مقام کے افق کی طرف متوجہ ہوئی۔ آپ وجود کا افق ہونے کی حیثیت سے خارجی وجود تک پہنچانے والے دروازے کی طلسماتی چابی اور تخلیق کائنات کی غایت ہونے کے اعتبار سے حق تعالیٰ تک پہنچانے والا سیدھا راستہ اور ابدی سعادت کی شفاعت کا سرچشمہ ہیں۔

آپ ﷺ سے پہلے تمام انبیائے کرام نے وہی بات کہی جو آپ نے ارشاد فرمائی اور آپ ﷺ کے بعد آنے والے تمام اولیاء واصفیاء جن کے خارقِ عادت حالات ان کے دعوے کی صداقت کے گواہ ہیں، نے آپ کی تصدیق کی، آپ کی صداقت کی شہادت دی اور اپنی خوش بختی کے آپ کے مرہونِ منت ہونے کا اعتراف کیا، کیونکہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور توحید کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا۔ انبیاء ومرسلین کی آوازیں اور انفاس اور اولیاء واصفیاء کے تمام تر کشف ومشاہدات آپ ﷺ کی تائید وحمایت کرتے ہیں۔

آپ ﷺ ایمان کی بلند وبالا عمارت تھے۔ آپ ﷺ جو کچھ کہتے اس پر انتہائی باریک بینی سے خود عمل کر کے دکھاتے، اپنے تصرفات کو اُخرویات کو پیشِ نظر رکھ کر تولتے اور اپنی زندگی یوں گزارتے جیسے آپ اللہ تعالیٰ کو اور اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھ رہے ہوں۔ آپ اپنے تصرفات کے بارے

Marfat.com

میں انتہائی حساس مزاجی اور ذمہ داری کا ثبوت دیتے، اچھے انجام والے راستے پر مسلسل چلتے رہتے اور اپنی منزل سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہ ہوتے، بلکہ جس نقطے کے لیے آپ کو منتخب کیا گیا تھا، ہمیشہ اس کی طرف رواں دواں رہتے اور اس دوران اپنے اور خدا تعالیٰ کے درمیان پائے جانے والے تعلق کی روشنی میں ساری انسانیت کے لیے معانی کے خطوط کھینچتے جاتے۔

آپ ﷺ نے ہی وجود کے معنی کی وضاحت کرکے اسے اس کے حقیقی مالک سے منسوب کیا، اشیاء و واقعات کی تہہ میں موجود حکمتوں اور مصلحتوں سے پردہ اٹھایا اور ہمیں بار بار یہ بات یاد دلائی کہ ہم اس دنیا میں تنہا نہیں ہیں، چنانچہ آپ نے ہماری روحوں میں یہ احساس پیدا کرکے کہ ہماری نگرانی کی جارہی ہے، ہمارے دلوں کو اطمینان دلایا، ہم سے وحشت کا ازالہ کرکے ہمارے حوصلوں کو بلند کیا اور ہمیں ایسا سکون پہنچایا، جیسا سکون ہم اپنے ماں باپ کے گھر میں محسوس کرتے ہیں۔ اگر ہم اس آرام دہ ٹھکانے میں ہر چیز کو اپنی جگہ پاتے ہیں، اگر ہمارے دل حقیقت کے عشق سے دھڑکتے ہیں اور اگر ہم کائنات پر کسی قدر غور و فکر کرتے اور اس کے بارے میں کچھ جانتے ہیں تو یہ سب آپ ﷺ کے شعلے کی ایک چنگاری ہے اور ہم انسان، وجود اور ساری کائنات کے بارے میں جو کچھ بھی جانتے ہیں وہ آپ ﷺ کے ذریعے ہماری روحوں کو اجمالی طور پر حاصل ہونے والی واقفیت کی تفصیل ہے۔

آپ ﷺ انسانیت کے معمار تھے، ہیں اور رہیں گے اور جس طرح آپ ﷺ نے اپنے دور میں ایک ہی دفعہ میں اور ایک ہی کوشش سے گمراہ کن تصورات، غیر انسانی طرزِ عمل، ہزاروں سالوں سے مزاجوں میں سرایت کردہ بداخلاقی اور بدمزاجی کی کجرویوں کی اصلاح کی، بکھرے ہوئے اُس معاشرے کو اپنی آواز سنائی، جو آج ایک لڑی میں پرویا ہوا ہے، جلد یا بدیر انہیں اپنے ضوابط کے ذریعے منظم کیا اور اپنی رسالت کی قوت کا مظاہرہ کیا اگر آپ چاہیں تو اسے انسان، کائنات اور خدا کی حقیقت کی درست توجیہہ اور صحیح مشاہدے، انسان کے کائنات میں اپنے شایانِ شان مقام پانے اور یقینی طور پر اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کی تیاری سے تعبیر کرسکتے ہیں۔

حضرت روح سید الانام (ان پر لاکھوں مرتبہ درود و سلام ہو۔) ایسے پیغام رسالت کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں، جو ہر ایک کو ایک نقطے پر جمع کرسکتا ہے۔ آپ علیہ السلام کی ذمہ داری

Marfat.com

جامع اور دلوں اور آنکھوں کے لیے پُرکشش تھی اور آپ اپنی شخصیت میں ہمہ جہتی، اپنے تصرفات میں اطمینان واعتماد اور اپنے کردار میں ہمیشہ جسمانیت سے متجاوز لاہوتیت کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ اپنی روشنی سے آنکھوں کو چندھیا دینے والے ان ظاہری اوصاف کے علاوہ آپ ﷺ ایسے اخلاقِ عالیہ کے مالک تھے، جن کا آج تک کوئی اندازہ نہ لگا سکا۔ قرآنِ کریم میں آپ ﷺ کے اخلاق کو "خلق عظیم" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص خالی الذہن ہو کر آپ کی مجلس میں آجاتا تو ہمیشہ کے لیے آپ کی شخصیت کا اسیر بن جاتا تھا۔ آپ ﷺ ان محاسن ومکارم کے ساتھ ساتھ مسحور کن اندازِ گفتگو کے بھی مالک تھے، چنانچہ جب آپ گفتگو فرماتے تو شاطر ترین شخص کی زبان پر بھی تالے پڑ جاتے، اس پر گہری خاموشی طاری ہو جاتی اور وہ آپ کی پُرکشش گفتگو کے بہاؤ میں بہنے لگتا۔

اب ہم اوپر ذکر کردہ اوصاف کی کچھ وضاحت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی صورت وسیرت میں بڑی جامعیت اور ہمہ جہتی رکھی تھی۔ آپ انتہائی درجے کی تواضع، انتہائی درجے کے رعب اور انتہائی درجے کی جاذبیت کے مالک تھے، حتیٰ کہ اگر آپ کی مجلس میں متکبر اور مغرور ترین شخص بھی آتا تو آپ کی ہیبت سے کانپنے لگتا اور اس سے غیر ارادی طور پر اپنی مرضی کے خلاف افعال سرزد ہونے لگتے۔ کسریٰ کے متکبر نمائندے بھی آپ کی ہیبت سے حواس باختہ ہو گئے اور کچھ نہ بول سکے، لیکن اس قدر رعب، سنجیدگی اور وقار کے ساتھ ساتھ آپ کی شخصیت میں دلوں کو اپنی طرف کھینچنے والی ایک عجیب قسم کی نرمی بھی پائی جاتی تھی، حتیٰ کہ جو آپ ﷺ کے قریب رہتا وہ یوں محسوس کرتا، جیسے آپ ﷺ اسے اپنی اولاد، والدین اور ہر محبوب سے زیادہ عزیز ہیں، بلکہ وہ سائے کی طرح ہر وقت آپ کے ساتھ رہتا اور کسی بھی صورت آپ سے جدا ہونا گوارا نہ کرتا۔ آپ کے حالات آپ کی خود اعتمادی کا پتا دیتے اور آپ کے افعال، اقوال اور چہرے کے تاثرات ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف آپ کے متوجہ رہنے پر دلالت کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ امن قائم کرتے اور سب کے دلوں کو اطمینان وسکون کی دولت سے مالا مال کرتے تھے، اسی لیے آپ ہمیشہ "امین" کے لقب سے جانے جاتے رہے۔

آپ ﷺ کی نگاہوں سے امن کی روشنی پھوٹتی، آپ کی گفتگو ہمیشہ امن کے قیام کے بارے میں ہوتی اور آپ کی مجلس میں ہمیشہ امن کے ترانے سنائی دیتے۔ آپ کے ہاں عمومی

Marfat.com

تصرفات، عقل، روح، جذبات اور شعور کے درمیان توازن پایا جاتا تھا۔ آپ کی اعلیٰ درجے کی ذکاوت، عمدہ فراست، تذبذب اور تردد سے ناآشنا ثابت قدمی، پختہ عزم اور اقدام، حیرت انگیز حکمت عملی، جھوٹ اور فریب دہی سے سخت اجتناب، خوفناک ترین حالات میں بھی صبر و استقامت، مصائب میں بھی مسکراہٹ، مشکلات کو صحیح طریقے سے سمجھ کر ان سے خلاصی اور سخت ترین درشتگی، غصّے اور شدّت کے متقاضی حالات میں بھی انتہائی بردباری اور وقار کا مظاہرہ آپ کی وہ خصوصیات اور اخلاق ہیں، جو آپ کو دوسرے لوگوں سے ممتاز اور آپ کے مقام و مرتبے کا اظہار کرتے ہیں۔ آپ نے ایسے مواقع پر دادِ شجاعت دی، جہاں دوسرے سارے لوگ مضطرب اور حواس باختہ ہوگئے۔ آپ کی وجہ سے شکست فتح میں اور پسپائی پیش رفت میں بدل جاتی اور میدانِ جنگ کی دھول میں آپ کی کامیاب حکمت عملی کے پرچم لہرانے لگتے۔

آپ ﷺ اپنے گھر والوں کے لیے بے نظیر سربراہِ خانہ، اپنے صحابہ کے لیے اپنی برادرانہ نرمی کی وجہ ان کے دلوں میں گھر کر جانے والے کامل معلم و مرشد اور اپنے پیروکاروں کے لیے بے مثال راہنما تھے، نیز آپ کسی بھی انسان کی مدد سے پیچھے نہ ہٹنے والے راست باز، قادرالکلام خطیب، صاحبِ دل ربانی، قوتِ فیصلہ کے مالک، بے مثال سربراہِ مملکت اور شکست کو فتح میں بدل دینے والے سپہ سالار تھے۔ غرض آپ کی شخصیت میں ہر قسم کے کمالات اعلیٰ ترین حد تک پہنچے ہوئے تھے، لیکن اس کے باوصف آپ ہمیشہ ایک عام انسان کی طرح رہتے اور اپنے آپ کو انہی میں سے ایک فرد سمجھتے، چنانچہ آپ اپنے حقیقی کمالات کے اپنی طرف انتساب کیے جانے کو بھی ناپسند فرماتے، گو لوگوں کے ادب کا یہی تقاضا تھا کہ وہ انہیں آپ کی طرف منسوب کرتے۔ آپ ﷺ اپنے صحابہ کو گاہے بگاہے اس سے سختی سے منع فرماتے، بلکہ بسا اوقات تو انہیں اس سے روکنے کے لیے ڈانٹ بھی پلاتے تھے۔

آپ ﷺ کائنات کی تخلیق کا سبب تھے، لیکن آپ اسے مچھر کے پر کے برابر بھی اہمیت نہ دیتے تھے۔ آپ نے بادشاہوں کو تخت نشین کر کے ان کے سروں پر تاج رکھے، لیکن خود انتہائی زاہدانہ زندگی گزاری، جیسے آپ کا دنیا سے روزہ ہو۔ آپ نے دوسروں کو سیر کیا، لیکن خود بھوکے رہے، دوسروں کو کپڑے پہنائے، لیکن خود خوش پوشاکی کا اہتمام نہ فرمایا، بلکہ معمولی سی نعمت پر بھی

Marfat.com

اپنے رب کا ہزار بار شکر ادا کیا اور اٹھتے بیٹھتے جذبہ احسان مندی سے سرشار رہے۔ آپ معرفت، محبت اور خشیت کے میدان میں ملائکہ سے مسابقت کرتے۔ آپ دنیا میں رہے، لیکن دنیادار نہ بنے بلکہ آخرت کے راستے پر چلتے رہے، لیکن آخرت کے ساتھ آپ کا تعلق بھی اس کی ذات کی وجہ سے نہ تھا، کیونکہ آپ کا دل اپنے رب کی طرف متوجہ رہتا اور آپ کی آنکھیں اس کے آثار اور ان اسمائے حسنیٰ کی تلاش میں رہتیں، جو ان آثار کو رنگ، صورت اور زینت عطا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ دنیا کو آخرت کی خلیج اور ایسے کھیت کی حیثیت سے دیکھتے، جسے کاشت کرنے کے بعد کاٹ لیا جاتا اور آپ اس کی پیداوار کو آخرت کی پونجی میں تبدیل کر دیتے۔ آپ ﷺ بیجوں کو اٹھائے اُن میں نشوونما کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے صبح وشام چلنے والی ہواؤں کی مانند چلتے پھرتے، چنانچہ آپ غریبوں کی دیکھ بھال کرتے اور بھوکوں کو کھانا کھلاتے، لیکن خود اکثر خالی پیٹ بھوک کی حالت میں سو جاتے۔ آپ دنیا و آخرت کے بادشاہ تھے، لیکن جب آپ اپنے پروردگار سے ملے تو آپ نے اپنے ورثاء کے لیے کوئی محل چھوڑا اور نہ زمین، کوئی مال چھوڑا اور نہ کوئی سامانِ زینت۔ آپ نے اپنی شان کے مطابق زندگی گزاری، دنیا کو اس کی حیثیت کے مطابق اہمیت دی اور اپنی شخصیت کے شایانِ شان طریقے سے یہاں سے رخصت ہو گئے۔ گو آپ تارکِ دنیا نہ تھے، لیکن آپ نے کبھی دنیا کو سمیٹا بھی نہیں، آپ نے دنیا کو اتنی ہی اہمیت دی اور اسے اتنا ہی برتا جتنا کہ اس میں رہنا تھا اور آخرت کو اتنی اہمیت دی اور اس کے لیے اتنی محنت کی جتنا کہ اس میں رہنا ہے۔

اپنی اعلیٰ نجابت وشرافت اور تعلق مع اللہ کی وجہ سے پیدا ہونے والی خوشگوار اور محیر العقول ہیبت کے باوجود آپ ﷺ انتہائی متواضع انسان تھے، گویا آپ متضاد اوصاف کے جامع تھے، حتیٰ کہ اگر کسی شخص کو آپ ﷺ کے اوپر ذکر کردہ اوصاف و خصوصیات کا پہلے علم نہ ہوتا تو وہ آپ کو ایک عام انسان سمجھتا تھا۔ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے اپنی عزت وتوقیر کی پروا نہ کرتے، ان کے ساتھ بیٹھتے، ان کے ہمراہ کھاتے پیتے، ان سے اپنی امتیازی خصوصیات کو چھپاتے اور ان کی ایسی حفاظت فرماتے جیسے آبرو کی حفاظت کی جاتی ہے۔ بعض اوقات آپ جمالی تجلی کی کرنوں کے لطائف کے ذریعے حاضرین سے دل لگی بھی فرماتے، لیکن آپ کی دل لگی میں بھی درسِ عبرت اور باریک نکات ہوتے اور اس کا مقصد یہ ہوتا کہ آپ ﷺ کی شخصیت

Marfat.com

میں پائے جانے والے رعب، ہیبت اور دبدبے کا بوجھ صحابہ پر گراں نہ گزرے، چنانچہ آپ ﷺ اپنی عزت کو تواضع سے مزین فرماتے، اپنی ہیبت کو شفقت کے ذریعے اعتدال میں لاتے اور اپنے ناسوتی رنگ کو مزید پُر لطف بنانے کے لیے اس کا اپنے مقام کے شہد اور لذیذ ذائقے کے ساتھ امتزاج کرتے تھے۔

آپ ﷺ بردبار، امن پسند، باوقار اور انتہائی نرم مزاج انسان تھے، حتیٰ کہ جب لوگ بغض، غصّے اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے آپ غصّے میں آگ بگولا شخص کے غصّے کو ٹھنڈا کرتے اور ایک مسکراہٹ سے سخت ترین دشمن کو بھی زیر کر دیتے اور جب آپ کو تصادم کی طرف لے جانے کی کوشش کی جاتی آپ تحکیم کی کرسی پر جا بیٹھتے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی حرمت کی ہتک یا کسی عمومی حق کی پامالی نہ ہوتی اس وقت تک آپ عفوودرگزر سے کام لیتے رہتے تھے۔ سیرتِ نبویہ کے سینکڑوں واقعات آپ کی عفوو درگزر کے گواہ ہیں۔

ایفائے عہد میں آپ کا کوئی ثانی نہیں۔ آپ ﷺ نے زندگی میں کبھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ آپ ﷺ نے بعثت سے پہلے یا بعد میں کبھی اشارۃً بھی کوئی خلافِ واقع بات نہ کہی۔ آپ کی سیرت امانت اور صدق ووفا کا نمونہ تھی اور عہد شکنی کرنے والوں سے آپ کی احتیاط معروف ومشہور تھی۔

آپ ﷺ خطابت کے شہنشاہ تھے۔ کلام کو اپنی حقیقی قدرومنزلت آپ کی زبان پر آکر ملی۔ آپ ﷺ نے کبھی کاغذ و قلم پکڑا، نہ کسی کتاب کو پڑھا، نہ کسی کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیے اور نہ ہی آپ کو کسی کو اپنا استاد کہنے کی کبھی ضرورت پڑی، لیکن اس کے باوجود آپ کے "استاذالکل" ہونے پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس میں ایک تو خدائی احکام کی حفاظت کا پہلو ہے، دوسرے نبی کی فطری صلاحیتوں کی بیرونی اثرات سے حفاظت بھی ہے، تاکہ ذہنی صلاحیتیں اور اجنبی معاملات خدائی احکام کی غلط توجیہہ نہ کریں، کوئی اور رنگ اختیار نہ کریں اور کسی غلط سانچے میں نہ ڈھلیں۔ آپ اس مفہوم کے لحاظ سے اُمّی تھے۔ (ہماری جانیں ایسے اُمّی پر فدا!) لیکن اس کے باوجود استاذالکل ہونے کی حیثیت سے دنیاوآخرت کے بارے میں آپ کے اقوال، احکام اور فیصلوں نے ساری انسانیت کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا، جس میں ماہرین علم وفن، فلاسفہ اور روشن روحیں

Marfat.com

سب شامل ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ کوئی بھی شخص آپ ﷺ کی گفتگو کی متانت کے مقام کو گرا نہ سکا۔ کسی نے آپ کے کسی فیصلے پر اعتراض کیا اور نہ ہی آپ کے کسی اقدام میں عیب نکالا۔

آپ علم کا ایسا روشن اور درخشندہ تالاب اور خزینہ تھے کہ کسی نے بھی زمانہ قدیم میں پیش آنے والے واقعات اور زمانہ ماقبل التاریخ میں فنا ہو جانے والی اقوام کے دین، مذہب، ثقافت اور رسوم و رواج سے متعلق آپ کی خبروں پر اعتراض نہ کیا اور کوئی اعتراض کر بھی کیسے سکتا تھا! کیونکہ آپ رسولِ خدا تھے اور اس تالاب اور خزینے کے علم کا درست سرچشمہ خود حق تعالیٰ کی ذات والاصفات تھی۔ آپ خطابت کے میدان میں فیصلہ کن بات کہنے والے شہنشاہ تھے، منطق میں محاکمے کے شہسوار تھے اور فکری اعتبار سے اپنی رسالت کی وسعت جتنی وسعت کے حامل بحر بے کراں تھے۔ آپ کی عبارت میں روانی، گفتگو میں وضاحت اور اسلوب میں وسعت اور Richness تھی، چنانچہ آپ ایک ارشاد میں دنیا بھر کے حقائق سمو دیتے اور چند کلمات میں اتنے امور بیان کر دیتے جن کے لیے کئی جلدیں درکار ہوتیں اور اہل تفسیر و تاویل کے ہاں ودیعت رکھنے کے لیے انتہائی قیمتی جواہرات جیسی گفتگو فرماتے تھے۔ آپ کی حدیث مبارک "مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے ہیں۔" میں آفاق کی اسی وسعت کی طرف اشارہ ہے۔

لوگ چاروں طرف سے آپ پر طرح طرح کے سوالات کی بوچھاڑ کر دیتے تھے، لیکن آپ فوراً بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ان کے سوالات کے جوابات دے دیتے تھے۔ آپ کی گفتگو اتنی آسان ہوتی تھی کہ اسے عام لوگ آسانی سے سمجھ لیتے تھے۔ آپ مختصر اور رواں انداز میں ایسے طریقے سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار فرماتے تھے کہ کسی قسم کی الجھن باقی نہ رہتی تھی، نیز گفتگو کرتے ہوئے آپ اس بات کا لحاظ رکھتے تھے کہ مخاطب عالم ہے یا ناواقف، ذہین ہے یا کند ذہن، ناتجربہ کار ہے یا تجربہ کار ماہر، نوجوان ہے یا ادھیڑ عمر اور مرد ہے یا عورت۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ کی گفتگو سے سارے مطمئن ہو جاتے تھے۔

آپ ﷺ کے ارشادات اور خطبات بے شمار ہیں۔ آپ نے مختلف امور پر گفتگو فرمائی اور متنوع قسم کے موضوعات پر روشنی ڈالی، لیکن آپ ﷺ کا ہر ارشاد اور خیال واقع کے بالکل مطابق ہوتا تھا۔ آپ کی کسی بات یا تقریر میں خلافِ واقع ہونے کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا، حتیٰ کہ

Marfat.com

ہر وقت آپ کی لغزشوں کی تلاش میں رہنے والے سخت ترین دشمن بھی آپ کی طرف کسی جھوٹی بات کو منسوب کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

حق بات تو یہ ہے کہ ایسا شخص جس نے بچپن سے شباب تک اور پھر چالیس سال کی عمر میں نبوت سے مشرف ہونے تک اپنے قول و فعل کو خلافِ واقع ہونے سے بچانے کا بال سے زیادہ باریک بینی سے اہتمام کیا ہو، اس کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر سکتا ہے۔ اس قسم کا تصور گناہ کے دائرے سے نکل کر صریح کفر کی حدود میں داخل ہونے اور عقل و دانش کا کھلم کھلا مذاق اڑانے کے مترادف ہے، نیز ماضی، حال اور مستقبل کے آفاق جتنی وسعت رکھنے والے احکام کے موضوعات اور انسانی عقل سے بالاتر متنوع قسم کے محتویات کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ آپ عقائد پر گفتگو فرماتے، عبادات کے احکام مقرر فرماتے، معاشرتی، معاشی، عسکری اور انتظامی امور سے بحث فرماتے، اپنے ارشادات پر عملدرآمد کراتے، اپنے اقدامات کے ثمرات سے مستفیض ہوتے اور اپنے صحیح اقدامات کو تاریخ میں رقم کرا کر انہیں انصاف پسند اور غیر جانبدار ضمیر میں ودیعت کرتے۔ اس کے بعد ہزاروں مفسرین، مفکرین، مختلف فنون کے ماہرین اور سینکڑوں فلاسفہ نے آپ کے ارشادات، معاشرتی و معاشی اقدامات، عسکری و انتظامی نظاموں اور تربیتی اصولوں پر مہر تصدیق ثبت کی، مزید برآں لاکھوں اولیاء و اصفیاء اپنے ہر فیصلے اور بیان میں آپ کی تصدیق کر کے آپ کی تائید کرتے اور بآواز بلند یہ کہتے ہیں کہ وہ ان مراتب اور مقامات تک آپ ﷺ کی راہنمائی ہی میں پہنچے ہیں، لہٰذا آپ ﷺ کی کسی بات سے انکار مخبوط الحواس، بدقسمت اور دماغ سے فارغ شخص ہی کر سکتا ہے۔ آج تک کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا گیا جس نے بے شمار مسائل خصوصاً مہارت اور تجربے کے متقاضی موضوعات کے بارے میں کوئی بات کہی یا کوئی حکم لگایا ہو اور اس کی وہ بات یا حکم ہمیشہ درست اور صحیح ثابت رہا ہو۔ شیخ بدیع الزمان نورسی فرماتے ہیں: "ایک انسان بعض اوقات متعدد علوم و فنون میں قابل اعتبار اضافہ کر سکتا ہے، لیکن آپ ﷺ کی ذات اقدس ساری کائنات اور ہر قسم کے واقعات سے متعلق لطیف امور کے بارے میں مہارت اور حکمت سے انوکھے اسلوب میں کسی قسم کے تردد اور ہچکچاہٹ کے بغیر ہر جگہ اور ہر زمانے میں سچ ثابت ہونے والے ایسے ارشادات فرماتی ہے کہ آپ کو دیکھنے اور پہچاننے والا اور خالی الذہن ہو کر آپ کی بات کو غور سے سننے والا شخص "میں ایمان لایا۔" کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔

Marfat.com

ایمان اور حرکتِ عمل کا بلند ترین نمونہ

انسانیت میں نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کے سوا کسی شخص میں ایمان اور حرکتِ عمل کا لازمی اور مطلق امتزاج نہیں ہوا۔ آپ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط ایمان کے ذریعے ارتباط تھا۔ آپ ﷺ کو اپنے رسولِ خدا ہونے پر یقین کامل تھا۔ آپ نے اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور ہر وقت ذمہ داری کے گہرے شعور کے تحت اپنے فرائض سرانجام دیئے۔ آپ ﷺ کو اپنے عقیدے اور دعوت، اپنے راستے کی استقامت اور توفیق الٰہی کی معیت کے بارے میں ادنیٰ تردد بھی نہ تھا۔ آپ ﷺ صدق وامن کے ایسے پیکر تھے، جس کی شہادت ہر کسی نے دی۔ جسے آپ ﷺ سے واقفیت کی سعادت نصیب ہوئی اس نے آپ ﷺ کی تصدیق کی، آپ ﷺ پر اطمینان واعتماد کا اظہار کیا اور آپ ﷺ پر ایمان لانے، آپ پر بھروسا کرنے اور آپ ﷺ کی پیروی کرنے کو اللہ تعالیٰ کا گراں قدر عطیہ سمجھا۔

آپ کا اپنی ذات پر مکمل اعتماد، آپ کے بتلائے ہوئے اصولوں میں پائی جانے والی لاہوتیت اور متانت اور آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں پائی جانے والی استقامت اور سنجیدگی آپ کی شخصیت میں پائے جانے والے ایسے یکتا ذخیرے اور خزینے تھے کہ ہزاروں لاکھوں لوگ اپنے رگ وریشے میں سرایت کیے ہوئے رسوم ورواج اور عادات کو چھوڑ کر مسلسل آپ کی طرف لپکنے لگے۔ یہ ایسا نادر واقعہ ہے کہ جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی، نیز اس سے آپ کے رسولِ خدا ہونے کی تائید بھی ہوتی ہے۔ ماہرین نفسیات و تعلیم کو چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کے بپا کردہ عالمگیر اور عمومی انقلاب کی اساسیات پر ذرا غور کریں اور آپ کے علوم، صلاحیتوں اور افکار پر تحقیق کریں، جبکہ وہ خود جدید ترین وسائل تربیت کو بروئے کار لانے کے باوجود چند بچوں سے چند بری عادات تک نہ چھوڑوا سکے۔

آپ ﷺ نے ایک ایسے ماحول میں پرورش پائی جو مناصب ومراتب کے حصول کی حرص کی وجہ سے مضطرب اور وحشت کے احساس کی وجہ سے مسلسل بے چین تھا۔ اسے لوٹ

Marfat.com

مار پر فخر تھا۔ وہ شہرت کا دلدادہ اور عیش و عشرت کی زندگی کو واحد مقصدِ زیست بنائے ہوئے ظلم و ستم، بد گوئی، انا پرستی، حسد اور فحاشی کے لیے وا تھا۔ وہاں ظالموں کے چلانے، مظلوموں کے واویلے، کمزوروں کے کراہنے اور اندھی طاقت کے گرجنے کے سوا کوئی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ محمد عاکف نے اس ماحول کی یوں منظر کشی کی ہے:

اس دور میں ساری روئے زمین
آج کی بہ نسبت زیادہ سنگین بحران کا شکار تھی۔
انسان بجوؤں سے زیادہ وحشی طبیعت کے مالک تھے۔
جس کی کیچھلیاں نہ تھیں وہ بھی اپنے بھائیوں کو چیڑ پھاڑ رہا تھا۔
دنیا کے آفاق میں بد امنی پھیلی ہوئی تھی اور جھگڑے وبا کی طرح عام تھے۔
جیسے آج مشرق کی حالت ہے وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔

گروہوں کے گروہ دغابازوں اور انتقام کی آگ میں جلنے والوں کے تھے۔ بہت سے لوگ برتری کے بخار میں مبتلا تھے۔ ظلم و ستم کے بوجھ تلے پسنے کو اطاعت و فرمانبرداری سمجھنے والوں، اپنی خواہشات کے مطابق جابرانہ حکومت کرنے والوں، اندھی طاقت کے نمائندوں، شعور سے عاری اور غلاموں کی طرح استحصال کی شکار عوام، اخلاقی ضابطوں سے آزاد لوگوں، انسانی اقدار و فضائل کو دھمکانے اور محدود کرنے والوں، بے پرواہ، غیر سنجیدہ، دھوکے میں مبتلا اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کو بندوں کے مقرر کردہ ضابطوں کے تحت سرانجام دینے پر مجبوروں اور تنگ دستوں اور فقراء کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ یہ اس دور کا منظر نامہ ہے۔ ایسی مضطرب انسانیت کے ذریعے کہ جس میں پیدا ہونے والا ہر خلل ایک وسیع خلا کا سبب بن جاتا تھا، آپ ﷺ نے ایسے ممتاز معجزاتی اور کامل ترین معاشرے کی تشکیل کی کہ تاریخ میں جس کی مثال نہیں ملتی۔

آپ ﷺ ان منزّل من اللہ اصولوں کی روشنی میں سیدھے راستے پر چلتے رہے ہیں، جن میں لاہوتیت اور قربِ الٰہی کے پہلو سے بہت وسعت پائی جاتی تھی، جو کائنات کے عمومی نظام سے مکمل طور پر ہم آہنگ اور دنیا و آخرت کے لحاظ سے کافی گنجائش کے حامل تھے۔ چنانچہ انسانیت نے اس انوکھے ماحول میں قوانین فطرت اور دین اور تقویٰ اور مابعد الطبیعاتی مسائل کے درمیان امتزاج

Marfat.com

اور ہم آہنگی کا مشاہدہ کیا۔ آپ کے پیغامِ رسالت اور اسوۂ حسنہ میں اشیاء و واقعات کے ساتھ تصادم پایا جاتا ہے اور نہ ہی انسان کی مادی اور روحانی ضروریات کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

آپ ﷺ مختلف ثقافتوں اور فلسفوں سے تعلق رکھنے والے متفرق افراد کے ذریعے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ایسے منظّم معاشرے کی تشکیل کرتے، جو ریس کے گھوڑے کی طرح فرشتوں کے ساتھ مسابقت کرتا تھا، آسانی سے عداوت واختلاف کا شکار ہوسکنے والے ایک دوسرے سے نامانوس انسانی گروہوں میں افراط و تفریط کے راستوں کو مسدود فرماتے، دنیا کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے آخرت کی طرف اشارہ فرماتے، بدن کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے روح کی طرف بھی توجہ مبذول کراتے اور ہر چیز کو اس کا صحیح مقام عطا فرماتے۔

آپ ﷺ کا پیغامِ رسالت عقائد، عبادات، معاملات، معاشیات، انتظامات، حقوق، بین الممالک تعلقات، صلح و جنگ کے قوانین، تعلیم وتربیت کے اصولوں اور (یقیناً قوانین فطرت کے دائرے میں رہتے ہوئے) تزکیہ نفس اور تصفیہ روح کے طریقوں جیسے بہت سے امور پر مشتمل تھا۔ آپ ﷺ ان تمام امور کی اساسیات کو عام لوگوں کے لیئے قابلِ فہم انداز میں بیان فرماتے اور ان کے آسانی کے ساتھ قابلِ عمل ہونے کو اپنے اسوۂ حسنہ کے ذریعے عملی طور پر ثابت فرماتے، بلاشبہ آپ ﷺ کی شخصیت بہترین نمونہ تھی۔

آپ ﷺ کے بعد آپ کے اصولوں کے مطابق دسیوں سلطنتیں وجود میں آئیں اور سینکڑوں اقوام پر حکومت کی گئی اور دشمنوں کے بغض وعداوت، غیظ وغضب اور تخریبی کاروائیوں کے علی الرغم لاکھوں روشن روحیں، مفکرین، سخی دل رجالِ کار، بڑے بڑے فقہاء اور متبحر علماء آسمانِ انسانیت پر آفتاب ومہتاب بن کر چمکے۔ مقامِ نبوت سے سرفراز ہوتے ہی آپ ﷺ کو بغض، عداوت اور ناپسندیدگی سے بھرے ہوئے دور ونزدیک کے دشمنوں پر مشتمل وسیع اور ضدی قسم کے مخاطبین کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آپ ﷺ کے قدم ڈگمگائے، نہ آپ مایوس ہوئے اور نہ ہی آپ نے کسی مخالفت کی پرواہ کی، بلکہ آپ ایک عملی معاشرت کے قیام کے لیے اپنے پیغامِ رسالت کی تعلیم و تلقین کرتے رہے اور ایمان وامن سے محروم انسانی گروہوں کی طرف سے پیش آنے والی طرح طرح کی

Marfat.com

مخالفتوں کے سامنے ڈٹے رہے۔ اس معرکے میں آپ خوفزدہ ہوئے، نہ آپ نے جزع وفزع کی اور نہ ہی پلک جھپکنے کی مقدار بھی متردد ہوئے، نیز آپ ﷺ نے آزمانے اور بار بار تجربہ کرنے، غلطی کر کے اس کی تصحیح کرنے، باطل کا ساتھ دینے اور موقع پرستی کی حکمت عملی اختیار نہیں کی۔

جب آپ ﷺ نے ساری دنیا کے سامنے کائنات کی نئی توجیہہ پیش کی تو آپ ﷺ کو کسی قسم کے ردِّ عمل کا اندیشہ نہ تھا، بلکہ آپ ﷺ نے تمام مذہبی وغیر مذہبی اداروں کے سامنے بآوازِ بلند (ہماری روحیں اس آواز پر فدا ہوں) حق بات کا اظہار فرمایا۔ آپ ﷺ نے بہت سے اقتصادی، سیاسی، عسکری اور ثقافتی معاملات پر توجہ دی اور جہاں ضرورت محسوس کی وہاں حذف و اضافہ کیا۔ چونکہ آپ ﷺ کے قدم ڈگمگائے اور نہ آپ کبھی متردد ہوئے، اس لیے آپ ﷺ کے پیروکاروں کے لیے بھی ڈگمگائے یا متردد ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تبلیغِ رسالت کے معاملے میں آپ پہاڑ کی طرح ثابت قدم رہے اور سب کے لیے اطمینان وسکون کا سرچشمہ بنے رہے۔ آپ نے اپنے وعدوں، بشارتوں اور وعیدوں میں ہمیشہ یقین کی روح پھونکی اور منزل کو دور سمجھ کر جلدی مچانے کی وجہ سے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھنے والوں کے کان میں خوشگوار انتظار کے اسرار کی سرگوشی کی، اِس طرح آپ نے خود صبر کو بھی مات دینے والے صابر ہیرو تیار کیے اور اپنے نبوی ماحول میں آنے والی مفلوج روحوں، پست ہمتوں اور عجلت پسند طبیعتوں کے حامل افراد سے نبوی عزم کی مالک اولوالعزم شخصیات پیدا کیں۔

مکہ کے خوشگوار دورِ تبلیغ میں یا فریق مخالف کی طرف سے مسلط کردہ جنگ وقتال اور تنگیوں کا سامنا کرتے ہوئے آپ ﷺ اپنے پیغام رسالت کے سلسلے میں کسی کے سامنے جھکے اور نہ ہی آپ نے کبھی مداہنت اختیار کی۔ جب آپ نے تن تنہا پرانے موروثی اور متعفن نظام کی جھوٹی اقدار کو کمزور کر دیا تو آپ کو خوفناک مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور آپ طرح طرح کے خطرات اور دھمکیوں کا نشانہ بنے، لیکن یہ سب کچھ آپ ﷺ کو اپنے راستے سے نہ ہٹا سکا، بلکہ آپ نے سچائی اور بہادری سے جدوجہد جاری رکھی اور ہمیشہ کے لیے بدبخت لکھے جانے والے خونی قاتلوں کے درمیان سے نکل کر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے اور غارِ ثور میں دشمنوں کے محاصرے میں گھرے ہوئے بعض اوقات ڈگمگانے والے لوگوں کے لیے

Marfat.com

ثابت قدمی اور استقامت کا نمونہ پیش کیا، نیز آپ کے طویل سفر کے دوران جب بھی مخالفین نے آپ کا راستہ روکا یا بدر کے موقع پر آپ پر جنگ مسلط کی یا جب آپ ﷺ نے غزوہ احد کے موقع پر اپنے خون کے پیاسوں کا راستہ روکا یا غزوہ خندق کے موقع پر انتقامی محاصرے کا سامنا کیا یا حنین کے میدان میں اپنے سینے پر تیروں کی بارش کو روکا تو آپ نہ صرف کوہِ استقامت ثابت ہوئے، بلکہ آپ نے اپنے بلند حوصلے کے ذریعے پست ہمتوں کے حوصلے بلند کیے، دوسروں کی غلطیوں کے نتیجے میں ہونے والی شکست کی ہواؤں کو فتح کی بادِ نسیم میں تبدیل کیا اور ہر طرف شکست کا تاثر دینے والے موت کے مرثیوں کو فتح و کامرانی کے ترانوں اور گیتوں میں بدل کر کے مہلک احتمالات کو خاک میں ملا دیا۔

شجاعت میں آپ ﷺ کی کوئی نظیر نہ تھی اور جس قدر آپ شجاع تھے، اسی قدر اچھے مدبّر بھی تھے۔ ایک مقام پر آپ اپنی جان تک کی پرواہ نہ کرتے تو دوسرے مقام پر اپنے حسنِ تدبیر سے اہل خرد کو حیرت میں مبتلا کر دیتے تھے۔ آپ کو موت کا کوئی ڈر نہ تھا، بلکہ آپ ہر لمحے اس کے منتظر رہتے تھے۔ در حقیقت عمر کے بارے میں آپ ﷺ کا نقطہ نظر زندگی کے بارے میں آپ ﷺ کے اس فہم سے ہم آہنگ تھا کہ عمر دعوت کی خدمت کے لیے استعمال کی جانے والی ایک ثانوی چیز ہے۔ زندگی صرف خدا کے دین کی سربلندی اور حق تعالیٰ کی خدمت کے لیے قابلِ زیست ہے، وگرنہ حقیقت کی رُو سے زندگی کا کوئی مقصد باقی نہیں رہتا۔ آپ ﷺ کے نزدیک یہ زندگی ابدی جہانوں تک پہنچانے والے پل کی حیثیت رکھتی ہے اور اِسی حیثیت سے اسے قابلِ انتفاع چیز سمجھا جانا چاہیے۔

آپ ﷺ نے ساری زندگی اسی نقطہ نظر سے گزاری، اٹھتے اٹھتے آپ کو دوسروں کے احیاء کی فکر رہی، آپ نے دوسروں کو خوشی اور مسرت دینے پر اکتفا کیا اور اپنی ہر چیز دوسروں کی خاطر قربان کر دی۔ آپ ﷺ نے دوسروں کو خوشحالی عطا کی، لیکن خود عام سی زندگی بسر کی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے معمولی خوراک و پوشاک استعمال فرمائی۔ آپ ﷺ کی ساری حیاتِ طیبہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے عجز، فقر اور احتیاج کا احساس رکھنے والے کی زندگی سے عبارت تھی اور تادمِ واپسیں اِس کیفیت میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ آپ ﷺ کے نزدیک دوسروں کو زندگی عطا کرنا خود

Marfat.com

جینے سے شیریں تر، دوسروں کو کھانا کھلانا خود کھانے سے لذیذتر اور دوسروں کو خوش کرنا خود خوش رہنے سے بہتر تھا۔ آپ ﷺ کے پاس جو کچھ بھی ہوتا اسے ضرورت مندوں پر خرچ کر دیتے، ہر فقیر و مسکین کی طرف دستِ تعاون بڑھاتے، قرضداروں کا قرض ادا فرماتے، دوسروں سے انتہائی محبت فرماتے، انتہائی زنگ آلود دلوں سے بھی زنگ دور فرماتے اور اس طرح ان تاریک دہلیزوں کو نور پھیلانے والے خانہ ہائے خدا میں تبدیل فرما دیتے۔

جب یہ یکتائے روزگار شخصیت جس نے اپنی حیاتِ طیبہ کو کروڑوں زندگیوں سے زیادہ بابرکت بنالیا تھا، اس دنیا سے کوچ کر کے عالم آخرت میں پہنچی تو اس کی مبارک زرہ اس دنیا کے ایک عام سے انسان کے پاس چند درہموں کے عوض گروی رکھی ہوئی تھی۔ حاصل یہ کہ جو شخص آپ ﷺ کو انصاف کی نظر سے دیکھتا اور بصیرت کے ساتھ آپ سے واقف ہوتا ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے ایمان، معرفت، صبر، بردباری، وفاشعاری، زہد، شجاعت، سخاوت، ثابت قدمی، تواضع، وجاہت، گفتگو، مصاحبت، حرکات و سکنات اور اپنے تمام انفرادی، عائلی، معاشرتی، انتظامی، معاشی، عسکری اور تربیتی حالات کے لحاظ سے انتہائی غیر معمولی انسان تھے۔ یہ بالکل بدیہی بات ہے اور اس کی درج ذیل وجوہ ہیں:

۱- آپ ﷺ پہلے تمام انبیاء و مرسلین کے مکمل وارث تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام سے آپ علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کرنے کا عہد لیا تھا اور یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ یہ عہد درحقیقت ان کی امتوں کی طرف سے تھا۔

۲- آپ ﷺ کو ایک عالمگیر اور ابدی پیغامِ رسالت دے کر مبعوث کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ کو دیگر انبیائے کرام کی طرح کسی خاص قوم یا کسی متعین شہر کی طرف نہیں بھیجا گیا تھا۔ اس دعوے کے سچے شواہد خصائص نبوت کی کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

۳- آپ ﷺ انسانیت کی طرف بھیجی گئی مجسّم رحمت اور اس کے آخری راہبر تھے۔ اس کی دلیل قرآنی آیات اور اس کی صریح برہان آپ علیہ السلام کی سیرتِ طیبہ ہے۔

Marfat.com

۴- آپ ﷺ اپنی اُمّت کے لیے حفاظتی زرہ ثابت ہونے والی مجسّم رحمت ہیں۔ آپ کی وجہ سے آپ کی اُمّت آپ کے بعد مکمل طور پر ہلاکت سے محفوظ ہوگئی۔ یہ امن کا ایسا پروانہ ہے، جو آپ کے سوا کسی نبی کی امت کو نہیں دیا گیا۔

۵- آپ ﷺ ایسے ممتاز اور بلند مرتبہ انسان ہیں کہ حق تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام میں سے صرف آپ کی قسم اٹھائی۔ آپ ﷺ ''لعمر ک'' (آپ کی عمر کسی قسم) کے تمغۂ امتیاز کے حامل ہیں۔ درحقیقت چونکہ آپ علیہ السلام کی حیات طبیہ شفاف آئینے میں مرادِ حق تعالیٰ کا عکس ہے، اس لیے حق تعالیٰ نے اس کی قسم اٹھائی ہے۔

۶- صرف آپ ﷺ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ جہاں حق تعالیٰ نے دیگر انبیائے کرام کو ان کے ناموں سے خطاب فرمایا ہے وہاں آپ کو نبی ورسول کے خصوصی خطابات سے پکارا ہے۔ اس میں اہلِ ایمان کے لیے آپ علیہ السلام کے ساتھ ادب سے پیش آنے کا درس بھی ہے۔

۷- صرف آپ علیہ السلام کو ''جوامع الکلم'' یعنی جامع اور بلیغ مگر مختصر کلام کی خوبی عطا کی گئی ہے۔ اس موضوع کی طرف ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں۔

۸- ایک مہینے کی مسافت پر موجود دشمنوں کے دلوں میں آپ ﷺ کا رعب ڈال کر آپ کی نصرت کی گئی ہے۔ یہ حق تعالیٰ کے آپ ﷺ کے ساتھ خصوصی لطف وعنایت کا مظہر ہے۔

۹- آپ ﷺ ہی وہ خوش قسمت انسان ہیں کہ گناہوں کا جن کے قریب سے بھی گزرنا محال ہے۔ مزید برآں آپ ﷺ توبہ کے دروازے کے ہمیشہ کھلے رہنے کا وسیلہ بھی ہیں۔

۱۰- آپ علیہ السلام کو ایسی کتاب عطا کی گئی ہے، جس کی حفاظت کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے اور جو قیامت تک کے لیے تغیر وتبدل اور تحریف سے محفوظ ہے۔ یہ امتیاز دیگر کتابوں کو حاصل نہیں ہے۔

Marfat.com

۱۱- دنیا میں رہتے ہوئے آپ ﷺ کو دیدارِ خداوندی اور تمام "اُخرویات" کی گہرایوں پر اطلاع کا شرف بخشا گیا، نیز مقامِ معراج آپ ﷺ کی عبودیت کی گہرائی اور بلندی کا انعام تھی، جاتے ہوئے خداداد کمالات کا مظاہرہ کرتے اور آتے ہوئے ثمرات نبوت کے تحائف اپنے ہمراہ لائے تھے۔

ان خصوصیات کے ساتھ ساتھ جو سمندر کے ایک قطرے کی حیثیت رکھتی ہیں، آپ ﷺ کو اور بھی بہت سے درجات اور مقامات سے نوازا گیا ہے، مثلاً قرآنِ کریم اور دیگر تکوینی معجزات جن کے احاطے کے لیے کئی جلدیں درکار ہیں۔ در حقیقت آپ علیہ السلام کی شخصیت کے تمام پہلو آپ کی شخصیت کے ملکوتی پہلو سے پھوٹتے ہیں۔ اس حیثیت سے دیکھیں تو کسی بھی تعریف وتوصیف کے دامن میں اتنی کشادگی نہیں پائی جاتی کہ وہ آپ کی ماہیت کا احاطہ کر سکے، کیونکہ آپ کی ماہیت ملائکہ سے بھی بلند تر اور اس کا تعین ساری کائنات سے قدیم تر اور سب سے پہلے ہے۔ آپ ﷺ کے وجودِ میمون کا سب سے پہلا نور اور تخم ہونا بالکل عیاں ہے۔ آپ علیہ السلام ہی کی برکت سے مقدّس قلم نے لکھنا شروع کیا، آپ ہی کی برکت سے انسانیت کے منصوبے کا تحقق ہوا اور آپ ﷺ ہی "وجودِ حق" پر سلسلہ نبوت کی صریح اور خوبصورت ترین برہان ہیں۔ آپ ذات سبحانہ وتعالیٰ کے پہلے شفاف آئینہ، صفاتِ الٰہیہ کے پاکیزہ اور شفاف ترین مظہر، حق سبحانہ وتعالیٰ کے فصیح ترین قولی اور حالی ترجمان، دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی مجسّم رحمت اور ہم پر اللہ تعالیٰ کے لطف وانعام کا رمز ہیں۔ آپ ﷺ ہی کی برکت سے الوہیت کے تمام اسرار وضاحت کے ساتھ معلوم ہوئے۔ آپ ﷺ ہی کے ذریعے سارے جہاں روشن ہوئے اور ظاہری کہر اور دھواں دور ہوا، جس کے نتیجے میں کائنات کے دوسرے رُخ کے حقائق کھل کر سامنے آگئے اور آپ ﷺ ہی کی برکت سے اُن تمام اشیاء کی پوری تفصیل سمجھی جا سکی، جن کا علم حضرت آدم علیہ السلام کو اجمالی طور پر دیا گیا تھا۔

آپ ﷺ ہی وہ واحد اور نایاب وسیلہ ہیں، جو ہمیں بغیر کسی کجی اور انحراف کے حق تعالیٰ تک پہنچاتا ہے۔ آپ ﷺ ہی کے پاس خدائی خزانوں کے اسرار کی کنجیاں ہیں اور آپ ﷺ ہی کائنات کی ابتدا و انتہا کے راز کے امین ہیں۔

Marfat.com

یہ بے مثال شخصیت وہ جہتِ قبلہ ہے، جس کی اطاعت کو حق تعالیٰ نے اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ ساری کائنات آپ ﷺ کے پھیلائے ہوئے انوار سے منور ہو کر ایک کتاب، سائن بورڈ اور مستحکم محل کی صورت اختیار کر گئی اور تاریکی میں ڈوبی ہوئی یہ عظیم کائنات جگمگا اٹھی، نیز آپ ﷺ ہی کی برکت سے ظلمت ضیاء میں بدل گئی اور آپ کے روشن افق پر زمین و آسمان آخری بار آپس میں مل گئے۔

آپ ﷺ کا پیغامِ رسالت قرآن، آپ کا افق عرفان، آپ کا کلام برہان اور آپ کی ذاتِ اقدس سعادتِ دارین کا وسیلہ ہے۔ آپ ﷺ ہی وہ ذاتِ بابرکات ہیں، جنہیں ایک ہزار معجزانہ نشاناتِ اعزاز کے ذریعے لطفِ خداوندی حاصل ہوا اور جن کا نام قرآنِ کریم کے ابلاغ کے ساتھ مرتبط ہے، چنانچہ قرآنِ کریم کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کا ذکرِ خیر بھی قیامت تک ہوتا رہے گا۔ آپ ﷺ انسانی شرف کا مدار، حقائق نبوت کا مرکزی نقطہ، انبیائے کرام کے لشکر کے سپہ سالار اور جن وانس کے ایسے سچے راہنما ہیں، جس کی معیت میں کوئی گمراہ نہیں ہو سکتا۔ فضولی کے الفاظ میں آپ ﷺ کا کلام "انبیائے کرام کے لشکر کا علمبر دار" ہے۔ آپ کی کتاب حق تعالیٰ کا سب سے عظیم تحفہ ہے، کیونکہ وہ "روح اعظم" کی تجلی کا مظہر ہے اور آپ کا پیغامِ رسالت ہماری روحوں کے لیے اکسیرِ حیات ہے۔ آپ ﷺ ہی کے ذریعے انسانیت حقیقی انسانی اقدار سے متعارف ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ رنگ میں رنگی گئی۔ آپ ﷺ کی عدم موجودگی خالص حسرت اور فراقِ محض ہے اور آپ سے دوری صریح گمراہی اور واضح نامرادی ہے۔

آپ ﷺ اسمائے الٰہیہ اور صفاتِ سبحانیہ کا مرکزی نقطہ اور آسمان نبوت کا قطبی ستارہ ہیں۔ حقیقت کا پہلا ظہور اور اجمال دونوں آپ ﷺ سے تعلق کی بدولت پروان چڑھے۔ آخری مجسم عنایتِ الٰہیہ آپ ہی سے عبارت ہے اور قیامت کے دن سارے دروازوں کو کھولنے والی شفاعت کی کنجی آپ ہی کے سپرد کی گئی ہے۔

حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کو دیا گیا پیغام رسالت دیگر تمام انبیائے کرام کے پیغاماتِ رسالت سے ممتاز ہے اور الطاف خداوندی کے آپ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہونے میں آپ کی تکریم واعزاز ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا پروردگار آپ سے خاص اسلوب میں گفتگو فرما کر ایک

Marfat.com

طرف آپ کا اعزاز فرماتا ہے تو دوسری طرف ہمیں آپ ﷺ سے گفتگو کرنے کا ادب سکھاتا ہے، چنانچہ لطف و تکریم کے افق سے آپ ﷺ کو ﴿ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ O مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ O وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ O وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (سورۃ القلم: ۴-۱) "ن۔ قلم کی اور جو کچھ لکھنے والے لکھتے ہیں اس کی قسم کہ اے پیغمبر ﷺ تم اپنے پروردگار کے فضل سے دیوانے نہیں ہو اور بے شک تمہارے لیے بے شمار اجر ہے اور یقیناً تم اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر ہو۔" کے خطاب سے عزت بخشی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کائنات کو لکھنے والے قلم کی روشنائی، کائنات کی سطروں کی کتابت کے مقصد کے توازن کی روح اور حقیقت، اسرارِ الٰہیہ کے ظہور کے نامعلوم حقائق کے فصیح ترین ترجمان اور لاہوتی حقائق کی معرفت کا خزینہ ہیں۔ آپ علیہ السلام آیتِ مبارکہ: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾ (سورۃ: آل عمران: ۳۱) "اے پیغمبر ﷺ لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔" میں ذکر کردہ عالی مقام کے سب سے بہتر امیدوار، ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ﴾ (سورۃ الفتح: ۱۰) "اے نبی جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔" کے مقام کے روشن ترین مظہر اور ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى﴾ (سورۃ الضحیٰ: ۵) "اور تمہارا پروردگار عنقریب تمہیں اتنا کچھ عطا فرمائے کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔" کے مقتضا کے مطابق رضا کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز، بلند ترین انسان خوشنودیٔ حق تعالیٰ کے نور پھیلانے والے نمائندے اور سالکین کو راستہ دکھانے والا نور ہیں، نیز آپ ﷺ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾ (سورۃ الانبیاء: ۱۰۷) "اور اے نبی ﷺ ہم نے تم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" کے مضمون کی رُو سے اس دنیا میں ایمان و معرفت سے اور آخرت میں جنت اور دیدارِ خداوندی سے مزین عوالم کا دروازہ اور خفیہ کنجی، دروازے کے بعد حاصل ہونے والی تمام لذتوں کا نورانی وسیلہ، ناقابلِ فہم حقائق کے مفسّر، ذات عالم سبحانہ و تعالیٰ کے بارے میں خصوصی مفتی، صفاتِ باری تعالیٰ کے افق کی پُرنور چمک، اپنے پیروکاروں کے امانت دار راہنما، اہلِ توحید کے امام اور قبلہ، احساس و شعور کی دنیاؤں پر چھائی ہوئی کہر اور دھوئیں کی تاریکیوں کا ازالہ کرنے والے نورِ الٰہی کے ایک شعلہ، حق

Marfat.com

تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کے لیے اپنے دل وقف کرنے والے پُر خلوص اور وفاشعار دوست، شیطان اور شیطنت کے سخت ترین دشمن، دنیاوآخرت میں اپنی پناہ گاہ میں آنے والوں کے لیے محفوظ فصیل اور مجرموں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔

آپ ﷺ کی برکت سے ناقابل برداشت تکلیفیں بھی ہلکی ہو گئیں اور امت مسلمہ سے بھول چوک کا گناہ اٹھادیا گیا۔ آپ کی سلطنت اور ماحول میں مغفرت اور عذاب نے اپنا رنگ بدل لیا اور ہر ایک دل مغفرت کی امید سے لبریز ہو گیا۔

آپ ﷺ ہی وہ خصوصی مدعو ہیں، جنہیں حق سبحانہ وتعالیٰ نے آسمانوں کی سیر کے لیے بلایا تھا۔ آپ ہی "قاب قوسین" کے اس مقام کو عبور کرنے والے ہیں کہ جس پر سب کی نظریں لگی ہوئی تھیں۔ "سدرۃ المنتہیٰ" کی ضیافت صرف آپ ﷺ کو عطا کیا گیا تحفہ ہے اور "مازاغ البصر وماطغیٰ" کی رُو سے آپ علیہ السلام نے سر کے چکرائے اور آنکھوں کے پتھرائے بغیر جو کچھ دیکھا تھا وہ آپ علیہ السلام کی حفاظت اور ثابت قدمی کی صورت میں حق تعالیٰ کے خصوصی لطف واحسان سے عبارت ہے۔ آپ علیہ السلام نے اپنی ذاتی خصوصیات کی بنا پر سب سے بڑے معجزے کو ظہور پذیر ہوتے ہوئے دیکھا، لیکن آپ کی بصارت میں کوئی کمزوری پیدا نہ ہوئی۔

بلکہ آپ سارے اہل آسمان کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے ہمراہ پہلی مرتبہ کسی انسان کے ہم سفر اور خادم کی حیثیت سے عقل وادراک سے ماورا سفر پر روانہ ہوئے۔ اس سفر کے دوران آپ ﷺ عالم طبیعیات کو بجلی کی چمک کی رفتار سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے عبور کر کے عالم مابعد الطبیعات کی طرف روانہ ہوئے، چنانچہ آپ نے بہت سی ایسی چیزوں کو دیکھا، جنہیں دوسرے لوگ نہ دیکھ سکے۔ سدرۃ المنتہیٰ آپ ﷺ کی پہلی منزل اور "قاب قوسین او ادنیٰ" وہ انتہا ہے، جہاں خِرد ہتھیار ڈال دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ملاقات فہم وادراک سے ماوراء سعادت وخوش بختی ہے۔

شیخ غالب(۱۹) کے الفاظ میں ان سب مقامات ومراتب کے سزاوار "رسولوں کے مدیر ومعتمد، احمد، محمود اور محمد ہیں۔" آپ علیہ السلام نے مشاہدہ کیا اور پھر جو کچھ دیکھا وہ ہمیں دکھانے کے لیے لوٹ آئے۔ آپ علیہ السلام نے سنا اور پھر اسے ہماری روحوں کے گوش گزار کرنے کے لیے واپس تشریف

Marfat.com

لے آئے اور ہمارے وجدان میں اوّل وآخر اور ظاہر وباطن کے اسرار کا القاء کیا۔ آپ علیہ السلام "اوّل" کا اہم ترین رمز اور آخر کار روشنی پھیلانے والا آئینہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذات کی حیثیت سے احد اور صفات کے لحاظ سے واحد کے بلند ترین داعی ہیں، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ حقیقی انسانِ کامل ہیں، جنہیں علم ذات، صفات اور اسمائے حسنیٰ کا خازن وامین مقرر کیا گیا ہے۔ وہ پہلے تعین سے ہی احمد کے لقب کے تحت افقِ انسان کے مہاجر، محمد کے لقب کے تحت مکہ سے مدینہ آنے والے مہمان، محمود کے لقب کے تحت برزخ سے لواء الحمد کے علمبر دار، جنت کے پردوں اور جمالِ خداوندی کے نگران اور اپنے تمام اسمائے مبارکہ کے ذریعے روحانی عوالم کے سرچشمہ فیض اور عالم جسمانی کے اصل جوہر ہیں۔

اے کائنات کے مغز اور تخم! اے شجرِ تخلیق کے ثمر اور حقیقتِ توحید کی بلند آہنگ آواز! اگر آپ نہ ہوتے تو کائنات اور ہمارے وجود کی کوئی معنویت نہ رہتی۔ اگر ہم اپنی پوری صلاحیتیں صرف کر کے اپنے آپ سے کچھ واقفیت حاصل کر سکے ہیں اور کچھ درستگی کو پا سکے ہیں تو وہ آپ ہی کے طفیل ہے۔ آپ کی تشریف آوری سے کائنات اور واقعات کی حقیقت آشکارا ہوگئی اور ان سے تاریکی کا پردہ چھٹ گیا۔ آپ کی آمد سے چیزوں کا رنگ ڈھنگ بدل گیا اور وہ ماوراء الوجود حقائق کی فصیح وبلیغ ترجمان بن گئیں۔

اگر آپ کا سایہ دنیا پر نہ پڑتا تو ہم تباہ وبرباد ہو جاتے، کیونکہ ہم نے ابدی ہلاکت میں مبتلا ہونے سے آپ کے سائے کی برکت سے نجات پائی ہے۔ کائنات کی مشکل ترین گرہ کو کھولنے کی ذمہ داری ازل سے آپ ہی کے سپرد کی گئی تھی۔ آپ سے پہلے آنے والوں نے تو اس مشکل ترین گرہ کے مجملات کے ابجد کو دہرانے پر اکتفا کیا، لیکن آپ نے اس کی گرہ کشائی کر کے مجملات کی تفصیل بیان کی۔ پہلی تقدیر اور آخری تسلیم کے ذریعے دونوں جہانوں کی کنجیاں آپ ہی کے سپرد کی گئیں، کیونکہ آپ ہی دنیا کا دروازہ کھولنے والے اور آخرت کا راستہ دکھانے والے ہیں۔ آپ نے اپنے پیغامِ رسالت کے ذریعے توحید کی حقیقت کی ترجمانی کی اور جن وانس کو نجات دلائی۔

آپ کے دنیا میں تشریف لا کر اسے منور کرنے سے پہلے سینکڑوں، ہزاروں نورانی حُدِی خوانوں نے دعوتِ توحید کی حدی خوانی کی، لیکن ان میں سے کوئی بھی آپ کے لحنِ داؤدی(20) کے درجے تک نہ پہنچ سکا۔ وہ اپنی خداداد صلاحیتوں میں حدود کے پابند تھے، اس لیے وہ انہیں

Marfat.com

عبور کر کے آپ کے آفاق تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے پیغاماتِ رسالت کی تبلیغ میں پوری جدوجہد صرف کی اور ہر ناقابلِ عبور گھاٹی کو عبور کیا۔ مخالفین نے ان میں سے بعض کے راستے کو مسدود کیا اور بعض کی گردنیں اڑا دیں اور بعض "اخرویات" کے سفر پر روانہ ہو گئے، لیکن ابھی وہ راستے کے آغاز یا درمیان میں ہی ہیں۔ ان میں سے بعض کو سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور بعض پر ہر جگہ سنگباری ہوئی۔ وہ سب ہر لحظہ شوق و عشق کے جذبات سے سرشار رہتے اور ہر لمحے جیتے اور مرتے۔ ان میں سے اکثر نے اپنے مقصد کو پا لیا اور ان کی برکت سے ہزاروں انسانوں کو نجات ملی۔ ان میں سے صرف آپ ﷺ ہی نے اپنی آواز مختلف براعظموں تک پہنچائی اور آپ ﷺ ہی قدموں کے ڈگمگائے بغیر سینہ سپر کھڑے رہے۔ چند ایک بدقسمتوں کے سوا آپ کے پیروکاروں میں سے کوئی بھی راستے سے نہ بھٹکا۔ ایک بہت عظیم کام سرانجام دینا آپ کے پیشِ نظر تھا۔ آپ کے سارے پیروکاروں نے محنت کی، مسلسل جدوجہد اور دوڑ دھوپ کی، لیکن کبھی تھکے اور نہ ہی راستے سے پیچھے ہٹے۔

وہ آپ کے شایانِ شان ہیں اور آپ اُن کے، وہ آپ سے محبت کرتے ہیں اور آپ اُن سے۔ دستِ قدرت نے انہیں آپ کی مصاحبت کے لیے تیار کیا تھا۔ (اللہ تعالیٰ اس مصاحبت کے کیف و سرور کا شعور ہمارے دلوں میں بھی پیدا کر دے۔) چنانچہ وہ آپ کی مصاحبت کے شایانِ شان اور سزاوار تھے۔ جب آپ نے شبِ عروس (21) کی مسرت کی طرح پُر مسرت انداز سے وصال کے لیے رختِ سفر باندھا تو آپ نے دل کی آنکھ سے انہیں ٹکٹکی باندھ کے دیکھا اور اُن تر و تازہ چہروں کو دیکھ کر آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔ آپ سے پہلے کسی بھی مبارک ہستی کو معراج نصیب نہ ہوئی۔ آپ نے کائنات کا چکر لگایا اور ہر مابعد الطبیعاتی حقیقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، لیکن اس کے باوجود آپ اپنے صحابہ اور ان کے بعد آنے والے امتیوں کو ان محاسن کے جلووں میں یاد کرتے رہے، جن کی روشنی سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ آپ کے دل میں اپنی دیکھی ہوئی حقیقتیں دوسروں کو دکھانے، اپنی سنی ہوئی باتیں دوسروں کو سنانے اور اپنے احساسات میں دوسروں کو شریک کرنے کے شوق اور لگن کی آگ کبھی نہ بجھی۔ آپ کے آنے اور جانے اور ذی استعداد روحوں کے لیے دروازہ کھولنے کے کیا ہی کہنے ہیں۔ آپ اپنی شان کے مطابق گئے اور اپنی شان کے مطابق واپس آئے اور انسانیت کی ساری تاریخ میں منفرد اور

Marfat.com

امتیازی حیثیت رکھنے والے اس آسمانی سفر میں ازلی الطاف کا آپ کے انفاس سے ارتباط ہوا اور زمین وآسمان کے مکین آپ کے اعزاز میں آپ پر مسلسل سلام بھیجتے اورآپ کے انتظار میں کھڑے رہے۔ ہر طرف روشنیوں اور انوارات کی برسات تھی، جس کا دائرہ اثر تمام زمانوں پر محیط تھا۔ ہم پُرامید ہیں اورآئندہ بھی رہیں گے کہ ان انوارات کی بارش کے چند قطرے اس سرکش ونافرمان زمانے پر بھی گریں گے۔ چونکہ آپ وفا کے پیکر ہیں اوراپنی جود وسخا اور لطف وعنایت کی بارش سے ساری روئے زمین کو سیراب کرتے ہیں، اس لیے آپ اِس دور کے اپنے عاشقوں کو کبھی بھی محروم نہ کریں گے جیسا کہ پہلے بھی آپ نے انہیں کبھی محروم نہیں کیا، کیونکہ اگر ہم میں سے کوئی نور کی طرف چلتا ہے تو آپ کی لائی ہوئی روشنی میں ہی چلتا ہے اوراگر ہم میں زندگی کی کوئی کیفیت موجود ہے تو وہ آپ سے انتساب ہی کی برکت ہے۔

اے ہمیشہ اونچی فضاؤں میں پرواز کرنے والے مبارک نبی! آپ ہماری روحوں کی جان ہیں اورآپ کا پیغامِ رسالت ہماری لاعلاج بیماریوں کی دوا ہے۔ ہم آپ سے امید رکھتے ہیں کہ آپ ایک بار پھر ہمارے پاس تشریف لائیں گے اور ہمیں بلاروح نہ چھوڑیں گے۔ ہمیں آپ سے امید ہے کہ آپ ایک بار پھر گفتگو فرمائیں گے اوراپنے اوپر اعتماد کرنے والوں کو پریشان حال نہ چھوڑیں گے۔ ہمارے راستے میں بہت سے لوگ ہمارا بُرا چاہنے والے ہیں اور فتنوں کی اتنی ہولناک آگ بھڑک رہی ہے کہ جس کے دھوئیں سے ہمارے آفاق بھرے پڑے ہیں! آپ اپنی معیت کو ہمارے لیے نشاناتِ راہ بنادیجئے اور ہمارے دلوں میں اپنی ہدایت وراہنمائی کے اطمینان کا احساس پیدا کردیجئے۔ اس راستے پر ہزاروں لاکھوں لوگ چلے۔ انہوں نے کبھی خارزار جگہوں کو عبور کیا اور کبھی انعام واکرام کے طور پر پھولوں کو چُنا۔ کبھی انہیں بار بار تھک کر نڈھال ہونا پڑا اور کبھی وہ لرزنے اور کپکپانے لگے، تاہم انہیں ہمیشہ سنجیدگی کے ساتھ جدوجہد کرنے والوں جیسا بدلہ عطا کیا گیا۔ مصائب کے اس کٹھن راستے کی ابتدا میں بھی آپ ہی ہیں اورانتہا پر بھی آپ ہی کی ذات ہے۔ گو آپ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں، لیکن آپ تسلی اور سکون کے لیے ہمیشہ ہمارے دلوں کی گہرائیوں میں موجود ہیں۔ اگر ہم میں اب تک زندگی کی کوئی حرارت موجود ہے تو ہماری ارواح کو آپ کی پلائی ہوئی اکسیر کی تاثیر ہے۔ اگر ہمارے دل

Marfat.com

مسلسل آپ کی طرف متوجہ ہیں تو یہ آپ کے پیغامِ رسالت کی کشش وجاذبیت کا کرشمہ ہے۔ اگر ہمارے دلوں میں رچ بس جانے والی آپ کی پکار نہ ہوتی اور ہمارے روحانی آفاق کو آپ کے حیات افروز انفاس کا احساس نہ ہوتا تو ہم خزاں رسیدہ پتوں کی مانند جھڑ کر فنا ہو جاتے اور آپ کو تکلیف پہنچانے کا باعث بنتے۔ ہماری شدید خواہش ہے کہ ہم خزاں رسیدہ پتوں کی مانند ہوا میں نہ اڑتے پھریں اور آپ کے لیے تکلیف کا باعث نہ بنیں، لیکن افسوس کہ ہمیں یہ خواہش پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔

آپ ہمارے مردہ دلوں میں نئی روح پھونکنے کے لیے تشریف لائے، چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس ذمہ داری کو خوب نبھایا۔۔۔ذرا اُن مقامات پر چلتی پھرتی زندہ لاشوں کو دیکھئے، جہاں ایک عرصے تک باغاتِ ارم کی مانند زندگی کی حکمرانی رہی۔ ذرا ان کوّوں کو بھی دیکھئے، جو بلبلوں سے دشمنی کے باعث شور مچا رہے ہیں اور ہر سُو مینڈکوں کے جشنوں کے شوروغل کو بھی سنیے۔ ہماری حالت پر رحم کھا کر تشریف لے آیئے اور اپنی عدم موجودگی سے زندگی کے خواہش مندوں کو موت کے حوالے نہ کیجئے۔ بہت سی جگہوں پر عرصہ دراز تک آپ کے نام کا سکہ چلتا رہا وہاں اب شیطانوں نے اپنے جھنڈے گاڑے ہوئے ہیں اور انہوں نے دنیا کو روح اور معنویت سے محروم کر کے عدم کے پھندوں میں پھانس رکھا ہے۔ آپ کا ایک بار روحوں پر جھانک لینا ہی شیطانی کھلونوں کو توڑنے اور زمانہ دراز سے پسی ہوئی انسانیت اور دبائی ہوئی آوازوں میں نئی روح پھونکنے کے لیے کافی ہے۔ کتنے ہی گروہ دشوار گزار گھاٹیوں کو راستہ سمجھ کر انہیں گھسٹ گھسٹ کر عبور کر رہے ہیں اور بعض کو سرے سے راستے کا پتا ہی نہیں ہے۔ نفاق کی آندھیاں ہر طرف شور مچا رہی ہیں اور سخت سرد موسم مسلسل وحشت پھیلا رہا ہے۔ فاوسٹ کی اولاد پہلے سے بھی کہیں سادہ لوح ہے، لیکن ''مفیستو'' کہیں زیادہ تیز اور ہوشیار ہے۔ ہم ہمیشہ مغلوب چلے آرہے ہیں اور ہمیشہ پیچھے رہ جانے کی قیمت چکاتے ہیں، گویا تاوان کی ادائیگی ہمارا مقدر ہے۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ ہماری ایسے اہانت و تحقیر کی جاتی ہے جیسے کمینے لوگوں کے دستر خوان پر یتیموں سے بدسلوکی ہوتی ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ہم غدّارانہ افکار کے جال سے چمٹے ہوئے ہیں۔ آپ کی موجودگی میں

Marfat.com

ہمارے ساتھ کمینوں کے دستر خوان پر یتیموں جیسا سلوک کیسے ہو سکتا ہے؟ اور آپ کی سلطنت میں حامی وناصر سے ہماری محرومی چہ معنی دارد؟ ہر گز نہیں، ہم کمینوں کے دستر خوان کے یتیم ہیں اور نہ ہی حامی وناصر سے محروم ہیں، بلکہ ہم ان راہ گیروں کی مانند ہیں، جنہوں نے اپنے آپ کو گرم گرم آرام گاہوں سے نکال کر گلیوں میں ڈال دیا ہو۔ ہم اس وقت تک اِدھر اُدھر گھاس میں منہ مارنے اور اپنے اوپر ظلم کرنے سے نجات حاصل نہیں کر سکتے جب تک ہم آپ کی طرف لوٹ کر آپ کی پھولوں جیسی خوشبو کو نہ سونگھیں گے۔ راہزن ہر طرف دندنا رہے ہیں۔ چوروں اور بُرے لوگوں کا شور ہر طرف سنائی دے رہا ہے۔ انہوں نے ہر چیز کو جس میں ہمارے دل بھی شامل ہیں، مباح سمجھتے ہوئے لوٹ لیا ہے۔ اِس دور میں "عقل معاد" کے پرٹوٹے ہوئے ہیں۔ وجدان کی دھڑکنیں مضطرب ہیں اور ہماری روحیں ہذیان کے پھندوں میں گرفتار ہیں۔۔۔ آپ ہمیں غفلت کی نیند سے بیدار کرنے کے لیے اپنا دہن مبارک کھولیے اور اپنی خوشبو کا تازہ جھونکا ہماری طرف بھیجیے، تاکہ ہم اپنی خُودِی کو پا سکیں۔ فنا کا قانون آپ کی روح کی قوتِ تاثیر کے راستے میں کبھی حائل نہ ہو گا۔۔۔ اور کوئی بھی آپ کے نام گرامی کو دلوں سے محو نہ کر سکے گا۔ آپ ازل کی طرف سے ہمیں عطا کردہ انمول تحفہ اور ابد الآباد کے باغوں کے رکھوالی ہیں۔ آپ کے الفاظ سے کانٹے پھولوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور جب آپ گفتگو فرماتے ہیں تو جھوٹ کے کھلیانوں میں آگ لگ جاتی ہیں۔

ہم نے آپ کی چوکھٹ کی پناہ لی ہے۔ ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہماری اپنے آپ سے دوری کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم سے ایسے ہی ہم کلام ہوں، جیسے آپ ﷺ اپنے صحابہ سے گفتگو فرماتے تھے۔ اگر آپ نے ایک بار اپنے ہونٹوں کو جنبش دی تو سخن کے طلسم گروں کا جادو ٹوٹ جائے گا اور جن کی قسمت میں گنگا پن لکھا ہے، ان کی زبانوں کی گرہیں کھل جائیں گی، گو وہ اس کے مستحق نہ بھی ہوں۔ کتنے ہی مردہ ادوار آپ کے انفاس (ان انفاس پر ہماری جانیں قربان ہوں!) کی برکت سے زندہ ہو گئے! کتنی ہی بار اسرافیل علیہ السلام کئی قدم پیچھے ہٹ گئے اور آپ کے صُور کی آواز سے گونجنے والے انفاس کو سننے کے لیے احتراماً کھڑے ہو گئے! اور کتنی ہی بار لق ودق صحراء آپ کے انفاس کی برکت سے سرسبز وشاداب باغات میں تبدیل

Marfat.com

ہو گئے۔ مجھے نہیں معلوم آپ "ایک دفعہ واپسی کی امید" کو گستاخی سمجھتے ہیں یا نہیں، لیکن اگر اس میں گستاخی کا پہلو ہے بھی، تب بھی یہ آپ کے ہمارے دلوں سے پوشیدہ ہونے کی بہ نسبت ہلکی بات ہے۔ ہم بارآوری کے منتظر لاوارث تخم ہیں اور آپ بارآوری کے لیے بھیجی گئی ہواؤں کی مانند ہیں۔ ہم زندگی کے منتظر بے جان جسم ہیں اور آپ کے انفاس ہمارے لیے اکسیرِ حیات ہیں۔ لہٰذا آپ ہوا کی مانند ہمارے سروں پر سے گزریں، ہمیں بیداری کا راستہ دکھائیں ہم پر موسلا دھار بارش کی طرح برسیں اور ہم میں بہارِ نو کی نوید سنا کر تہلکہ مچا دیں۔ ہم لطف و کرم کے غیر متوقع مظاہرے کے منتظر ہیں، ہم آپ کے قدموں کے نشانات پر اپنا سر رکھتے ہیں اور ہماری آنکھیں آپ کے متوقع ظہور کے افق پر جمی ہوئی ہیں۔

یہ آپ کی دنیا ہے۔ اس میں آپ کے سوا کس کی بات چل سکتی ہے؟ جب سے آپ نے روئے زمین پر قدم رنجہ فرمایا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت کا صرف نام ہی باقی رہ گیا ہے۔ اب آپ ہی کا سکہ اور فرمان چلتا ہے۔ جو بھی لشکر آپ کے مقابلے میں آئے گا شکست کھائے گا، خواہ اس کی کمان اسکندر (رومی) کے ہاتھ میں ہی کیوں نہ ہو۔ جب آپ کے لحنِ داؤدی کی بازگشت ترانوں کی صورت میں سارے جہان میں سنائی دے رہی ہے تو پھر داؤد علیہ السلام کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟ جب آپ کی بات فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے تو کیا آپ کے سوا کسی اور کی لب کشائی قابل ملامت نہیں؟ ہم زمین پر گرے پڑے ہیں، ہمیں اپنے قدموں پر آپ کے سوا کوئی نہیں کھڑا کر سکتا۔ انسانیت کی کمر شکستہ اور ٹیڑھی ہو چکی ہے، اسے آپ کے عزم وارادے کے سوا کوئی سیدھا نہیں کر سکتا۔

ہمارے سروں پر آپ کا سایہ (گو دور سے ہی کیوں نہ ہو) احیائے نو کے مترادف ہے۔ آپ کی حقیقی ولادت تمام شیطانی شمعوں کو بجھا دے گی اور تاریکیوں میں دھکیلی جانے والی روحوں کو لازوال نور کی طرف کھینچ لائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہمراہ ایسا نور پیدا کیا ہے، جو ساری دنیا کو جگمگا دے گا۔ اس نور کے سرچشمے کا بٹن آپ کی انگلی کے نیچے ہے۔ اگر آپ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگیں گے تو وہی مشیتِ خداوندی ہو گی اور اگر آپ کچھ ارشاد فرمائیں

Marfat.com

گے تو ہم اطاعت گزاری کے ساتھ اسے سنیں گے، لہٰذا مانگیے، تاکہ مشیتِ خداوندی گویا ہو اور ارشاد فرمایئے تاکہ کان درست بات سنیں۔

آپ خدا اور مخلوق دونوں کے ہاں ساری دنیا سے بہتر ہیں۔ ہم آپ کے نازواندا ز پر فدا ہیں۔ آپ ہمارے لیے اکسیرِ حیات ہیں۔(22) حضرت مسیح علیہ السلام تو اذنِ خداوندی سے مردہ جسموں کو زندہ کیا کرتے تھے، لیکن آپ سینکڑوں ہزاروں سال سے مردہ دلوں میں نئی روح پھونک رہے ہیں۔ تشریف لایئے اور ایک بار پھر سارے جہاں میں اپنی شہرت کا ڈنکا بجا دیجیے، تاکہ نفاق، عداوت اور فتنے کی آگ بجھ جائے اور دنیا کا کونہ کونہ آپ کے شہر کے رنگ میں رنگ جائے۔

اگرچہ میرے یہ الفاظ میری شکستگی کی بازگشت ہیں، لیکن میری امید سب کی امیدوں کی ترجمان ہے۔ ہم نے آپ کو ہمیشہ سارے جہانوں کے لیے رحمان کی رحمت کی حیثیت سے جانا اور اپنے آپ کو آپ کی چوکھٹ پر یہ درخواست کرتے ہوئے پایا ہے: ”عالی پناہ! سخاوت کیجیے اور کسی بھی تنگدست و بے مایہ شخص کی دستگیری سے ہاتھ نہ روکیے، کیونکہ سخاوت کے سرچشمے کو سوالی کی مدد سے ہاتھ روکنا زیبا نہیں دیتا۔“(23)

(رَبَّنا اٰتِنَا من لدنک رحمۃ وھییء لنا من أمرنا رشداً واجعل لنا من أمرنا فرجاً ومخرجاً وصَلِّ وَسَلِّم علیٰ سیّدنا محمد صلاۃ تکون لک رضاءً ولحقہ أداءً وَصَلِّ وَسَلِّم أیضاً علیٰ جمیع اخوانہ من النبیین والصدیقین-والشہداء والصالحین-آمین یامعین-)(24)

Marfat.com

اسلام پر ایک طائرانہ نظر

اسلام سلم اور سلام سے ماخوذ ہے۔اس کے درج ذیل معانی ہیں: ”بندے کا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہوئے اس کے احکام کو بجالانا، سلامتی کے ارادے سے سیدھے اور درست راستے پر چلنا، انسانیت اور ہر چیز کے لیے امن کا باعث بننا اور اپنے ہاتھ اور زبان سے دوسروں کو محفوظ رکھنا۔“

اسلام کی اصل اور ابتدا ایمان اور یقین ہے اور اس کی تکمیل احسان اور اخلاص پر ہوتی ہے۔ مختصر الفاظ میں اسلام کی حقیقت کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ وہ الوہیت کی ناقابلِ تشکیک تصدیق، حق تعالیٰ کی دل سے توثیق، فرائض کی ایسی باریک بینی اور رقتِ قلب سے ادائیگی جیسے وہ اللہ کو یا اللہ اسے دیکھ رہے ہوں اور ہر کام میں رضائے الٰہی کے حصول کی کوشش سے عبارت ہے۔

بعض حضرات نے مختصراً اسلام کی تعریف یوں کی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے، قول، فعل اور حال کے ذریعے شکر بجالاتے ہوئے اس کی اطاعت و عبودیت کا اظہار کرنے اور ہمیشہ بیم و رجا کی کیفیت میں رہنے سے عبارت ہے۔ جس کی یہ کیفیت ہو وہ مؤمن و مسلم (نہ کہ محض اسلام سے منسوب!) اور ابدی سعادت کے حصول کا امیدوار ہے۔

اسلام وہ آسمانی دین ہے، جس کی اساس وحی الٰہی ہے اور جسے رسول ﷺ نے نہ صرف پہنچایا، بلکہ اس پر عمل کر کے بھی دکھایا، جس کے نتیجے میں اسلام ہر لحاظ سے قابلِ عمل دستورِ حیات کی حیثیت اختیار کر گیا۔

مؤمن اور مسلم وہ شخص ہے، جو اِس دین پر ایمان لا کر اپنی زندگی کا احیاء کرتا ہے۔ اس کی اساس اور باطن ایمان، یقین اور تسلیم سے عبارت ہے، جبکہ اس کا ظاہر اطاعت، پیروی اور عمل صالح پر مشتمل ہے۔ سلفِ صالح نے اس دین کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ان خدائی احکام کا مجموعہ ہے، جو انسان کو اُس کے اختیار و ارادے سے خیرِ محض کی طرف لے جاتے ہیں۔ تاہم اس فعّال و حرکی (Dynamic) ادارے کے دنیوی و اُخروی ثمرات اُسی

Marfat.com

قدر ظاہر ہوتے ہیں، جس قدر زندگی میں روح پھونکنے کے لیے اُس سے ایک اہم عنصر کی حیثیت سے کام لیا جائے اور عملی طور پر اُسے برتا جائے، بصورت دیگر اسے زندگی کے دائرے سے خارج کر کے اچھے نتائج کی امید حماقت ہو گی۔

عربی لغت کے لحاظ سے اسلام اور ایمان کے درمیان امتیاز کے باوجود راجح رائے یہ ہے کہ ایمان کے بغیر اسلام اور اسلام کے بغیر ایمان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ایمان باطن ہے اور اسلام قول، فعل اور حال کے ذریعے اس کا ظاہر ہے۔ دین حق ظاہر و باطن دونوں کے جامع خدائی نظام کا نام ہے۔ چنانچہ دین ایمان اور اسلام کو (اپنے تمام شعبوں اور کلیات سمیت) زندگی کے احیاء کے لیے استعمال کرنے اور انہیں زندگی کی جان قرار دینے سے عبارت ہے۔ اس مفہوم میں اس نظام کو قبول کر کے اس کے مطابق زندگی ڈھالنا حقیقی مؤمن کا طرزِ عمل ہے اور جو شخص اس انداز سے دین پر عمل کرتا ہے وہ متدین اور پرہیز گار (نہ کہ محض دین سے منسوب)(25) کہلاتا ہے۔ اس معیار کی رُو سے جو تعلیم یافتہ مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ دین محض ایمان سے عبارت ہے یا جنہوں نے اسے صدقِ دل سے قبول ہی نہیں کیا وہ دونوں دھوکے میں مبتلا ہیں اور دین اور دینداری (پرہیز گاری) پر دنیا و آخرت کی بھلائی کے خدائی وعدوں سے محروم ہیں اور محروم رہیں گے۔

لیکن ابھی اوپر ذکر کردہ ملاحظات کی بنیاد پر عمل کو ایمان کا جزو سمجھنا درست نہیں۔ جو شخص عمل کو فرض تو سمجھتا ہے، لیکن اسے چھوڑ دیتا ہے یا اسے ٹھیک طرح سے ادا نہیں کرتا وہ اگرچہ گنہگار ٹھہرے گا، لیکن اس کا ایمان قابلِ قبول ہو گا، نیز ان ملاحظات کا مرجیہ کے عقائد سے بھی کوئی تعلق نہیں، کیونکہ ایمان کے اعتقاد کے ساتھ ساتھ گناہوں کو ہلکا سمجھنا اور چیز ہے اور ''اگر اللہ چاہیں گے تو بخش دیں گے اور اگر چاہیں گے تو عذاب دیں گے۔'' کی رُو سے اس مسئلے کو دیکھنا بالکل مختلف بات ہے۔ قرآن کریم کی رُو سے ایمان ایسی لازمی اور ناگزیر اساس ہے، جس کے بغیر کوئی بھی عمل قابلِ قبول نہیں، جبکہ اسلام ایمان کے انسان کی طبیعتِ ثانیہ بننے کا واحد ذریعہ ہے۔ عمل بغیر ایمان کے نفاق ہے اور ایمان کے ہوتے ہوئے عمل میں کوتاہی فسق ہے۔ مخفی اور مضمر کفر ہونے کی وجہ سے نفاق کبھی بھی قابل معافی نہیں، جبکہ فسق و فجور کسی بھی وقت

Marfat.com

توبہ واستغفار اورانابت الی اللہ کے ذریعے قابلِ معافی ہے۔اس لحاظ سے ہمیں عمل کو ہلکا اور حقیر نہ سمجھنے والے تارکِ عمل کے بارے میں حسنِ ظن رکھنا چاہیے اوراسے کافر نہیں قرار دینا چاہیے، تاہم جو تارکِ عمل اہل ایمان کوان کے ایمان کی وجہ سے حقیر اور بے وقوف سمجھتا ہے، اس کے بارے میں یہ حسنِ ظن نہیں رکھا جاسکتا۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ ایمان کا اصل محل اور جائے استقرار قلب ووجدان ہے، تاہم اللہ تعالیٰ بمقتضائے اسلام اس وجدانی قبول کے ساتھ ساتھ ایک اوراہم بنیادی چیز بھی ہم سے چاہتے ہیں اوروہ ہے عمل صالح اور حُسنِ اخلاق، لہٰذا مؤمن کو چاہیے کہ سوائے اکراہ واضطرار کی حالت کے اپنے تمام نظری وعملی معاملات میں اپنے ایمان وتصدیق کی حفاظت کرے۔

مسلمان کہلانے کے لیے ہمیں نہ صرف شرک بلکہ اس کے شائبے سے بھی بچنا چاہیے، نیز خلوص کے ساتھ دل کا اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہونا چاہیے۔عبادت ایسی ہونی چاہیے جیسے ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں یاکم ازکم اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں اور معاشرتی تعلقات میں اسلام کے مامور بہ حُسنِ اخلاق کوضرور ملحوظ رکھنا چاہیے۔یہ سب کچھ انسان کی زندگی میں جلوہ گر اسلامی روح کی مختلف صورتوں کا پرتو ہے۔یہ تمام امور جنہیں ہم مشہور حدیثِ جبرائیل کے مطابق ایمان، اسلام اوراحسان سے تعبیر کرتے ہیں، باہم مرتبط اورایک دوسرے کے متقاضی لوازم کا ایک ہی سلسلہ اورایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو ہیں، لیکن اس تحفّظ کے ساتھ کہ ایمان اصل اساس ہے۔درحقیقت وہ ایک ہی حقیقت کے ظاہر اورباطن ہیں۔باطن ظاہر کا تقاضا کرتا اور اس سے تقویت حاصل کرتا ہے، جبکہ ظاہر باطن پر مبنی اوراس کے ذریعے قائم ہوتا ہے، اسی طرح عملی معاملات نظری امور کی روح اور جوہر کی آواز ہوتے ہیں۔

جب اصل حقیقت یہ ہے تودین کے محض وجدانی معاملہ ہونے کا پروپیگنڈا کرنا دین کی روح کی اہانت، گستاخی اور حدود سے تجاوز ہے۔ جو شخص دین کو قبول کرنے کا اظہار کرتا ہے (حقیقتِ حال اور باطن سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہیں) اور پھر یہ کہتے ہوئے کہ میں صرف اپنے دل میں موجود ایمان کو معتبر سمجھتا ہوں دین کے عملی پہلوؤں پر عمل پیرا ہونے کو انتہاء پسندی خیال کرتا ہے، دراصل وہ اپنے نفس کو بے بنیاد اوہام کی امید دلاتا ہے اور مسلمان معاشرے میں ایمان

Marfat.com

کو بطور ڈھال کے استعمال کرتا ہے۔ ایمان اور اسلام کی حرص وہوس پر مبنی کوئی بھی توجیہہ اسے آسمانی دین کے دائرے سے نکال کر ایک انسانی نظام میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اسلام انسانیت کو حرص وہوس کے پنجے سے نکال کر حق اور خدائی ہدایت کی طرف جانے کے لیے انسانیت کی طرف خدائی وحی ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ انسان کو حیوانیت کی قید اور جسمانیت کی تنگی سے نکال کر اسے قلب وروح کی وسیع وعریض سلطنت کی سیر وسیاحت کے لیے تیار کرنے والے خدائی احکام کا مجموعہ ہے۔ اس بے نظیر نظام کی روح ایمان، جسم اسلام، شعور احسان اور سب سے بڑا عنوان "دین" ہے۔

جیسا کہ ہم نے آغاز میں ہی کہا ہے دین اہل عقل اور اصحابِ شعور لوگوں سے مخاطب ہوتا ہے، انہیں ان کے ارادے اور اختیار سے دنیوی واُخروی بھلائی کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اپنی دعوت پر لبیک کہنے والوں کو ابدی سعادت کی خوشخبری سناتا ہے۔ دین کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ انسانوں کو ذمہ داریوں کے بوجھ تلے پیس کر رکھ دے، بلکہ ان کے کرنے کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم وارادے اور تقدیر میں موجود اچھائی، بھلائی اور درستگی کو ایک عادی شرط کی حیثیت سے اپنے ارادے سے مربوط کر دیں۔ دراصل اس میں انہیں پہلے سے عطا کردہ جزئی اختیار(26) کا مشیّتِ کلیہ کی طرف سے اعزاز واکرام ہے، واللہ اعلم۔ لہٰذا دین اسلام اپنی کارکردگی کے ذریعے الوہیت کی تعبیر اور اپنی توجیہہ کے ذریعے عبودیت کی تعبیر ہونے کی حیثیت سے دیگر تمام مذاہب سے واضح طور پر مختلف ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کے مخاطب وہ اصحابِ عقل وارادہ لوگ ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اس نظام کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے دین کی یہ توجیہہ بھی کی جاسکتی ہے کہ وہ مخصوص اہلیت کی حامل مخلوق کی طرف متوجہ خصوصی لطف وعنایت ہے، کیونکہ عقل وارادے سے محروم شخص دین کا مکلف ہو سکتا ہے اور نہ ہی بھلائی کی طرف راہنمائی کا محل بن سکتا ہے۔

عقل اور ارادہ دین کی پہلی شرط اور اس تدیّن (دینداری) کے اہم ترین رکن ہیں، جو اسلام کو دستورِ حیات بنانے سے عبارت ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص عقل وارادے سے محروم ہے وہ دین کی اس مسئولیت کا مکلف بنائے جانے کا اہل نہیں، جو خیر وشر میں امتیاز کی

Marfat.com

اہلیت کا تقاضا کرتی ہے۔ ایسا شخص جس طرح عقل واختیار کو پہلی شرط قرار دینے والے دین اور خدائی احکام کے مجموعے کی پابندی سے آزاد ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حق اور انسان کے کسب کے امتزاج سے وجود میں آنے والے تدیّن (دینداری) کا بھی مکلّف نہیں ہوتا۔

چونکہ یہ دین اپنی مخلوق سے واقف ہستی کا بنایا ہوا نظام ہے، اس لیے وہ ہمیشہ بھلائی کی طرف راہنمائی کرتا، اچھے انجام کی خوشخبری سنا کر دلوں کو اپنی مٹھی میں رکھتا اور بُرے انجام کی وعیدیں سنا کر محتاط رہنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے احکام واوامر ہمیشہ قابلِ عمل رہتے ہیں اور ان کی جدّت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ اس کی کارکردگی ازلی اور اس کا اعتدال ابدی اوصاف کا حامل ہے۔ سارے نظام پرانے ہو کر اپنی افادیت کھو بیٹھے ہیں، لیکن دین اسلام کے احکام تر و تازہ اور قابلِ رشک رہتے ہیں، البتہ پہلے سے قائم کردہ رائے کی وجہ سے کوئی صحیح بصیرت سے ہی محروم ہو تو دوسری بات ہے۔ انسانی عقل کے پیدا کردہ ہر وسیلہ خیر و سعادت کا مقدّر زوالِ قِدَم ہے، وہ ایک معاشرے سے دوسرے معاشرے میں جا کر تغیر و تبدل کا شکار ہو جاتا ہے، وقت کے ساتھ ساتھ بوسیدہ اور کمزور ہو جاتا ہے اور تحریف واصلاح کے مسلسل عمل کے نتیجے میں نیست ونابود ہو جاتا ہے۔ وہ ایک مخصوص سطح کی اضافی (Relative) بھلائیوں کی امید دلانے والے چھوٹے چھوٹے نظاموں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے، بلکہ یہ بھی اس وقت ہے جب کوئی انہیں سطحی نظر سے دیکھے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ انہوں نے انسانیت کی ضرورتوں کو ماضی میں کبھی پورا کیا ہے اور نہ ہی اس کی امیدوں کو مستقبل میں کبھی پورا کریں گے۔

دوسری طرف دین حق ایسے پیغامِ رسالت کی خوشخبریاں لایا ہے، جو ابدیت کے لیے تخلیق کردہ، اس کے لیے نامزد اور ہمیشہ ابدی سعادت کی امیدوں میں مگن رہنے والے حضرتِ انسان کے تمام مطالبات کی تکمیل کرتا ہے۔ اسلام نے انسان کو کبھی بھی اس کی ماہیت اور شخصیت کے منافی کسی بات کا پابند بنایا اور نہ ہی اس کی کسی (جائز) خواہش یا مطالبے کو نظر انداز کیا۔ عقل سلیم اور فکرِ صحیح کے حامل افراد اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اس دین میں انسان کی (جائز) خواہشات، مطالبات اور تمنّاؤں سے غفلت برتی گئی ہے، نہ ان سے روکا گیا ہے اور نہ ہی اس کے تکوینی احکام یا ان کی توجیہہ میں کسی قسم کا تناقض پایا جاتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ ایسا ممتاز

Marfat.com

نظام ہے، جسے انسان کی ماہیت، قابلیت، امیدوں اور رُجحانات کے مطابق تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور جو اسے اُخروی سعادت، رضائے حق تعالیٰ اور دیدارِ خداوندی کی خوشخبری سناتا اور امید دلاتا ہے۔

جب تک انسان دین اسلام کے مطابق اپنی زندگی گزارتا ہے وہ اس دنیا کی تمام جائز نعمتوں سے استفادہ کرتا، جنت تک پہنچانے والے راستوں پر پُرجوش انداز میں چلتے ہوئے اپنی زندگی گزارتا اور اس بات کو پیشِ نظر رکھ کر مطمئن رہتا ہے کہ لامحالہ آنے والے وقت میں وہ بے حد وحساب ثواب اور اچھے بدلے کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ کے مزید لطف واحسان سے بہرہ مند ہو گا۔ اگر کسی شخص کو رضائے حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ دائمی تعلق قائم رکھ کر زندگی گزارنے کی توفیق مل جائے (جو کہ دینداری کی اساس ہے) تو اس میں مبالغہ نہ ہو گا کہ وہ فرشتوں سے ہمسری کرنے لگے گا۔ اس کے برعکس دین حق کو للکارنے والا "عقل معاش" کا پیروکار، مذاہب کی صورت میں موجود مختلف اداروں کی طرف منسوب اور انسانی اور دنیوی (زمانی) نظاموں کا حامی شخص انسان کو اس کے حال یا مستقبل کے بارے میں مطمئن یا قائل کرنے والی کسی بات کی وضاحت کرنے سے قاصر ہے اور آئندہ بھی قاصر رہے گا، کیونکہ یہ دین زمین پر اللہ کے نظام سے عبارت ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق ہیں اور خالق کو ہر بات کا علم ہوتا ہے۔ دوسری طرف ایک محدود ادراک کی پیداوار ہونے کی وجہ سے ہر انسانی نظم اور منہاج شخصی، خاندانی یا قومی اغراض ومفادات کی آمیزش سے ناگزیر طور پر آلودہ ہوتا ہے، اسی لیے وہ خیرِ مطلق تک پہنچاتے ہیں اور نہ ہی ان سے ابدی سعادت کی امید رکھی جاسکتی ہے، بلکہ وہ آدھے راستے میں ہی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ شخصی اغراض، نسلی خیالات اور گروہی وطبقاتی مفادات کی وجہ سے محدود اُفق کے حامل مختلف ادارے اور نظام کتنے ہی ہمہ جہت کیوں نہ دکھائی دیں، انسان کی غیر محدود خواہشات اور تقاضوں کو کبھی بھی پورا نہیں کرسکتے، کیونکہ یہ طبعی امر ہے کہ ان کے بانی گدلے ذہن، مشوّش عقل، اندھی منطق، کوتاہ بیں شعور اور دھوئیں اور تاریکی سے آلودہ اُفق والے وجدان اور بصیرت کے مالک ہوتے ہیں، اس لیے وہ جو چیز دیکھنی چاہیے نہیں دیکھ پاتے اور اگر دیکھتے بھی ہیں تو اسے متفرق اور بکھرا ہوا دیکھتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی رائے پر منفی اور غلط اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

دین حق ایک ایسا وسیع وعریض خدائی نظام ہے، جو نئے دنیوی اور اُخروی آفاق کھولتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ لاہوتی نظام اعتقادی پہلو سے دین، عملی حیثیت سے شریعت

Marfat.com

اور معاشرتی ذمہ داریوں کے لحاظ سے ملت کہلاتا ہے۔ ''ملّتِ اسلامیہ'' کی اصطلاح میں یہی مفاہیم مقصود ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ تمام حرکات اور سرگرمیوں کا اسلوب ایمان کے جوہر کے مطابق ہوتا ہے، گو اس ایمان کی صورت جیسی بھی ہو۔ معاشرتی ہیئت بھی اپنے آپ کو ان تصرفات، سرگرمیوں اور اطوار کے مطابق ڈھالتی ہے، یہی وجہ ہے کہ صحیح ایمان کے حامل اور عمل صالح کو اپنی فطرت وجبلت کا حصہ بنانے والے مؤمن کے لیے ضروری ہے کہ وہ حقیقت کا عاشق، حق کا طرفدار، انصاف پسند، سیدھے راستے پر چلنے والا، امانتدار، حُسنِ اخلاق کا نمونہ، علم و معرفت کے راستے پر چلنے والا، دین کی قدسی کشش کی طرف شدّت سے میلان رکھنے والا اور بین الاقوامی توازن میں فیصلہ کن حیثیت حاصل کرنے کے لیے سرگرم رہے۔ آپ اسے ہر وقت سرگرم پائیں گے، بلکہ ضروری ہے کہ وہ ہر وقت سرگرم رہے، کیونکہ وہ اپنے اہداف کے حصول سے لمحہ بھر بھی پیچھے نہیں ہٹتا۔

کامل ایمان کے حامل، مرتبہ اذعان پر فائز، اپنے تمام اعمال کو حق کے معیاروں پر پرکھنے والے، ہر وقت اپنے رب کے ساتھ لو لگانے والے اور اپنے تمام تصرفات پر اِس ربانی تعلق کا اثر ڈالنے والے مؤمن کو کوئی بھی نہیں روک سکتا اور وہ کبھی بھی دوسروں کے مدار میں گردش نہیں کرتا، بلکہ وہ مرکز (امتِ وسط) کو تھامنے والی معزز ملت (امت) سے وابستگی کے احساس کا حامل اور اپنی تمام حرکات و سکنات میں اپنی عمدہ خصلتوں کے باعث ممتاز ہوتا ہے۔ وہ خالق کی وجہ سے ہر انسان اور ہر مخلوق کے بارے میں انتہائی احترام کے جذبات رکھتا ہے، انسانی مقام سے میل نہ کھانے والی گھٹیا باتوں سے بچتا ہے اور اپنے دین، ایمان، فکر اور طرزِ عمل کی برتری کی وجہ سے لوگوں میں ممتاز ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود اس میں تعلّی اور تکبر قطعاً پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی دوسروں کو زندگی کے بارے میں اپنے فہم اور فلسفے کو قبول کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ چونکہ وہ جس نظام پر ایمان رکھتا ہے وہ دین میں زبردستی کا دروازہ بند کرتا ہے، اس لیے وہ دوسروں کو اپنا ہمسر اور اپنے جیسا سمجھتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ دوسروں کو اپنے اعتقادات کو قبول کرنے پر مجبور کرنے کی بجائے اپنے مسلک سے محبت کرتے ہوئے زندگی بسر کرتا ہے، اپنی فکر اور معتقدات کی درست نمائندگی کی تشہیر کرتا ہے اور اس بات کا خصوصی خیال رکھتا ہے کہ وہ

Marfat.com

دوسروں کے لیے قابلِ رشک نمونہ بنے، لیکن ایسا کرتے ہوئے وہ دوسروں سے تعریف اور پسندیدگی کی قطعاً امید نہیں رکھتا، بلکہ اپنا ہر کام رضائے حق تعالیٰ کے حصول کے لیے کرتا ہے، چنانچہ اسے ہر بات، کام اور طرزِ عمل میں حق تعالیٰ کی خوشنودگی کی فکر رہتی ہے۔ وہ یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ فخر و نمود دل کے لیے مہلک جراثیم ہیں، چنانچہ وہ کامل اخلاص کے ساتھ حق تعالیٰ کی چوکھٹ کو تھام کر اپنے راستے پر چلتا رہتا ہے۔

دراصل اسلام اپنے پیروکاروں کو دوسروں سے اپنے اعتقادی نظام کو زبردستی منوانے کی ترغیب دینے کی بجائے انسانیت کو جبر و استبداد سے نجات دلانے اور انسانوں کی عقل و دانش کو مخاطب بنا کر انہیں نئے اختیار کے لیے اپنے آزادانہ ارادے کو استعمال کرنے پر ابھارنے کے لیے آیا ہے، کیونکہ جب بھی بغیر کسی کمی بیشی کے پوری طرح دین کا احیاء کیا گیا اس کی معنوی کشش کی وجہ سے پیچیدہ منطقی دلیلوں، جابرانہ طاقت، کھلی یا مخفی زبردستی یا جبر و اکراہ کی قطعاً ضرورت باقی نہ رہی۔ زبانِ حال نے ہر چیز کو صراحت سے بیان اور زبانِ مقال نے مبہم امور کی وضاحت کی دی اور پھر جب گفتار کا میدان خالی ہو گیا تو بیان (قرآنِ کریم) نے حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ وجدان سے مخاطب ہو کر اسے خوشخبری سنائی اور (انجامِ بد سے) ڈرایا، لیکن اس نے کبھی بھی گفتار یا کردار سے جبر و اکراہ کا سہارا نہیں لیا، بلکہ ہمیشہ اس سے اجتناب کیا، بلکہ جبر و اکراہ کو ممنوع قرار دیا، کیونکہ اسلام جبر و اکراہ کے تحت ایمان لانے والے کے ایمان کو قبول نہیں کرتا، کیونکہ جبر و اکراہ پر مبنی اعمال اس کی روح اور جوہر کے منافی ہیں، بلکہ دین حق اخلاص اور رضائے حق سے خالی عبادات کو بھی قابلِ التفات نہیں سمجھتا، چنانچہ وہ مجبور و مقہور کے ایمان کو نفاق اور اس کے اعمال کو رِیا قرار دیتا ہے، اسی وجہ سے اسلام نے دین میں جبر کی اجازت نہیں دی اور قرآنی تصریح ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۵۶) "دین اسلام میں کوئی زبردستی نہیں۔" کے ذریعے اسے ممنوع قرار دیا۔ اسلام نے ریا کو عین نفاق اور نفاق کو مخفی کفر قرار دے کر جبر و اکراہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ وہ کفر کی بیخ کنی کرنے، شرک کو فکر و شعور کے صفحات سے مٹانے اور ریا و شہرت پسندی کے دروازے مسدود کرنے کے لیے آیا ہے۔

لیکن جبر و اکراہ کی ممانعت دل کے اس داخلی اضطراب اور جبر سے مماثلت رکھنے والے میلان اور تاثر کے منافی نہیں، جو گفتار و کردار کے ذریعے حق کی تعبیر کے احترام کو جاننے کی

Marfat.com

اہلیت رکھنے والے ضمیر میں پیدا ہوتا ہے، لہٰذا یہ فطری اور بدیہی امر ہے کہ فرصت کے ہر موقع پر تمام انسانیت کے ضمیر سے قرآنی اسلوب کے مطابق مخاطب ہوا جائے، اعلیٰ فطری صلاحیتوں کو بیدار کیا جائے، دلوں کا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ کر انسانیت کو شرک اور اس کی آمیزش سے نجات دلائی جائے اور تمام انسانیت کو حسبِ ذیل پیغام پہنچا کر دلوں میں ایمان، اسلام کا نور اور اخلاص واحسان کا شعور پیدا کیا جائے: ''سب سے خالص اور شفاف ہدایت ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی ذات میں جلوہ نما ہے، انسان، اشیاء اور کائنات کی حقیقت قرآن کریم کی آواز میں پنہاں ہے اور حکومت اور حکمت صرف اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔'' اس کے نتیجے میں ہر کان میں یہ آواز پہنچ جائے گی: ''اصل توحید کی طرف آؤ!'' یہ طرزِ عمل اسلام پر ہمارے ایمان اور اپنے آقا حضرت محمد ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے کا لازمی تقاضا ہے۔

ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں اور ان کی رسالت تمام رسالتوں سے کامل واکمل اور اللہ کی طرف سب سے بہتر اور قابلِ اعتبار طریقے سے راہنمائی کرنے والی ہے۔ آپ علیہ السلام ہی کے ذریعے سلسلہ نبوت اور دین کی تکمیل ہوئی، لہٰذا یہ محال ہے کہ ایسا پیغامِ رسالت درستگی اور ہدایت کے سوا کسی اور چیز کی طرف راہنمائی کرے، جب بھی اس دین کو سچے ترجمان ملے یہ ایسا ظل الٰہی ثابت ہوا، جس کے سائے میں لوگوں نے جوق در جوق پناہ لی، تمام شیطانی نظاموں کا طلسم ٹوٹ گیا اور اس نے تاریک ترین حالات میں بھی اپنے پیروکاروں کو روشنی فراہم کی۔ اگر آج اسلام اپنے آپ کو پورے طریقے سے تعبیر نہیں کر رہا تو اس کی ایک وجہ تو اس کے شدید دشمنوں کی صدیوں سے جاری مسلسل ریشہ دوانیاں، بغض وعداوت، بُری تصور کشی اور مقابلہ بازی ہے اور دوسری وجہ اپنے پیروکاروں کی جہالت وغفلت، بوکھلاہٹ اور بے وفائی ہے، لیکن یہ صورتحال ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی۔ جب وقت آئے گا اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں اپنی پوری نمائندگی دوبارہ حاصل کرے گا، اپنے مخصوص انداز میں گفتگو کرے گا، اپنی رنگینی اور ذاتی حُسن کے ذریعے آنکھوں کو خیرہ کرے گا اور ''الاسلام یعلو ولا یعلیٰ علیہ'' (اسلام ہمیشہ غالب آتا ہے کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔) کی رُو سے اور اپنے ان حامیوں کی بدولت جو اس سے دل سے محبت کرتے، اپنے انجام کو اس سے جوڑتے اور اپنا مقصدِ تخلیق اس کی اتباع کو قرار دیتے ہیں، اپنی حقیقت کو آسمانی ہم آہنگی اور اعتدال کے ساتھ ہر جگہ محسوس کرائے گا۔

Marfat.com

بلاشبہ جب اس امت میں یہ احساس پیدا ہو گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی منتخب امت ہے اور ﴿هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِينَ﴾ (سورۃ الحج:۷۸) "اسی اللہ نے تمہارا نام مسلم رکھا تھا۔" کی رُو سے خود اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے "مسلم" کا نام پسند کیا ہے تو وہ ﴿فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيرُ﴾ (سورۃ الحج:۷۸) "سو وہ کیا خوب دوست ہے اور کیا خوب مدد گار ہے۔" پکارتے ہوئے اپنے رب کریم کی طرف متوجہ ہو گی، اپنے آپ کو اس کی حکمت کے مطابق منظّم کرے گی اور آخر کار یقیناً وہ مقام حاصل کرے گی، جہاں وہ منشائے خداوندی کے مطابق اپنے آپ کو دنیا کے سامنے پیش کرے گی۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی یہ مخفی صلاحیت کسی بھی وقت حقیقت کا روپ دھار سکتی ہے۔ اسلام وہ آخری اور کامل دین ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو شرف بخشنے کے لیے پسند فرمایا ہے۔ وہ اپنی خاتمیت اور کمال کی بدولت آخری زمانے کے تقاضوں کے مطابق تمام آسمانی مذاہب کی ایک مکمل اور مفصل تصویر ہے، لیکن بد قسمتی سے آج یہ مکمل نظام اپنے ابتدائی پیروکاروں جیسے پیروکاروں سے محروم ہے اور اپنے اوپر مسلط بے وفا لوگوں کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہے۔ آج اس پر زمین تنگ کر دی گئی ہے اور اسے اپنے مخصوص انداز میں گفتگو کرنے سے روک دیا گیا ہے، لیکن یہ صورتحال صرف اسلام کے لیے ہی نہیں، بلکہ تمام آسمانی مذاہب کے لیے باعثِ تشویش ہے، کیونکہ یہ بالکل بدیہی امر ہے کہ اسلام انسانی فہم وادراک کے اعلیٰ ترین معیار کے مطابق تمام انبیائے کرام اور ان کے پیغاماتِ رسالت کی تصدیق وتوثیق کرتا ہے، اس لحاظ سے اس کی آواز میں ان سب کی آواز شامل ہے۔ آج کے شیطانی، سرکش ظالم اور مادی و طبیعی خیالات کی وجہ سے بے لگام دور میں اِس آسمانی صدا کی آواز کو دبانا نہ صرف تمام مذاہب کے لیے نقصان اور زوال کا بلکہ ان کے مکمل طور پر فنا ہو جانے کا باعث بنے گا۔ اسلام دین حق کا محافظ ہے، نیز چونکہ تمام انبیائے کرام کی دعوت ایک ہی تھی، اس لیے وہ تمام آسمانی مذاہب کی بنیاد و اساس اور ان کے حق میں گواہ ہے، لہٰذا اسلام کا احیائے نو ایک خاص مفہوم میں ان کا بھی احیائے نو ہے، کیونکہ یہ ان کے واجب الاصلاح پہلوؤں کی اصلاح کرتا ہے، تجدید اور تعمیرِ نو کے متقاضی پہلوؤں کی تجدید و تعمیرِ نو کرتا ہے، گو جزوی ہی کیوں نہ ہو اور بنیادی اہمیت کے حامل اصول متعارف کرا کے ان کے پیروکاروں کے سامنے نئے آفاق کھولتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب کچھ ممکن ہے اور اصل سرچشمے کی وحدت اِس سلسلے میں معاون اور اس کی مضبوط دلیل ہے۔

Marfat.com

تمام (آسمانی) مذاہب ایک ہی جیسے متعین اصول ومبادی پر قائم ہوتے ہیں اور ایک ہی طرح کے حقائق پر زور دیتے ہیں۔ اصولی ضوابط اور اپنے اپنے زمانے کے حالات اور تقاضوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہر نبی اپنے سے پہلے انبیائے کرام کا تسلسل، امتداد اور مکمِل و متمم ہوتا ہے۔ وہ اپنے سے پہلے نبی یا انبیاء کے پیغامِ رسالت کی تصدیق کرتا ہے، اسے حالات کے تقاضوں کے مطابق مکمل کرتا ہے، تفصیل طلب امور کی وضاحت کرتا ہے اور تجدید کے متقاضی امور کی تجدید کرتا ہے، لیکن تمام حالات میں متعین بنیادی امور کا سختی سے اثبات کرتا ہے، چنانچہ توحید، نبوت، حشر ونشر اور عبادت ہر نبی کا ترجیحی اور بنیادی ہدف اور اسلوب، تعبیر، بیان اور ادائیگی میں تنوّع کے باوجود سب کی دعوت کا لبِ لُباب ہے۔ باقی شرائع، اجمال و تفصیل، اطلاق و تقیید اور وضوح وخفا جیسے مختلف مسائل کے اختلاف کا تعلق انسانیت کے ادراک کے اُفق اور اس کے تمدّن اور ارتقا کے ساتھ ہے، چنانچہ حق تعالیٰ نے ہر امت کے دائرہ علم، مشکلات اور ضروریات کے مطابق تکوینی قوانین اور تشریعی اصولوں کی وضاحت فرمائی اور اپنی کلامی وحی کو ہر مرحلے میں ایک مختلف تجلی کی صورت میں بیان کیا۔ اس طرح مجمل کی تفصیل، مقیّد کے اطلاق، خاص کی تعمیم اور مبہم کی توضیح جیسے مسائل میں تنوّع اور تجدید کا سلسلہ جاری رہا، لیکن سارے مضمون اور کلام کا محور ایک ہی رہا، کیونکہ بعض مسائل مبتدی اور دیہاتی کے لیے کافی، لیکن منتہی اور متمدّن شخص کے لیے تفصیل کے متقاضی ہوتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ پہلے نبی اور رسول سے لے کر آخری رسول تک کی رسالتوں کے ثانوی اور فرعی مسائل میں مسلسل تغیر ہوتا رہا ہے، لیکن یہ تغیر کبھی بھی رسالت کی اصل روح پر اثرانداز ہوا اور نہ ہی فروعات کے دائرے سے نکلا۔ باقی آسمانی مذاہب کے پیرکاروں کے درمیان اختلاف اور تفرقہ اور اس کے نتیجے میں ہونے والی جنگوں اور لڑائیوں کا دین اور تدین سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ ان کا سبب اصل خدائی رسالت پر صدقِ دل سے ایمان نہ رکھنے والے مفاد پرست، مصلحت پسند، حاسد وکینہ ور اور سطحی قسم کے پیرویانِ مذاہب کی غلط توجیہہ، انحراف اور حرص وہوس تھی اور آج بھی یہی صورتحال ہے۔ ماضی میں پیش آنے والے تفرقات اور تنازعات سے بچنے اور اگر آج کہیں ایسی صورتحال موجود ہے تو اس کے ازالے کے

Marfat.com

لیے ضروری ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اصول ومبادی کے مطابق ایمان اوراسلام کو قبول کرکے انہیں اپنے مزاج اور فطرت کا جزولاینفک بنائیں، لیکن ایمان کو مثمر بن کر اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لیے یادوسرے لفظوں میں مردہ ضمیروں کوزندہ کرنے کے لیے ''عمل صالح''کی اشد ضرورت ہوتی ہے، چنانچہ جس قدر مؤمن عبادت اور عمل صالح کے ذریعے ایمان کو مضبوط اور مستحکم کرتاہے،اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے اور اسے رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے، لیکن اس کے برعکس جس ایمان کی پشت پر عبادت کاسہارانہ ہووہ اپنی پوری قوّت کا کبھی بھی اظہار نہیں کرسکتا، اسی طرح جو مؤمن بندگی کی خوبی سے خالی ہووہ زیادہ عرصہ تک ثابت قدم نہیں رہ سکتا، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم ہمیشہ ایمان اور عمل صالح کوساتھ ساتھ ذکر کرتاہے، ''عمل بالارکان''جو ظاہر ہے کی ''تصدیق بالقلب''جواصل رکن اورباطن ہے، کے ساتھ یاددہانی کراتاہے اورہمیشہ داخلی اورخارجی (باطنی اور ظاہری) تعلقات کے بارے میں محتاط رہنے کی تلقین کرتاہے، کیونکہ جہاں ایمان عمل کی واحد اساس ہے،وہیں عمل ایمان کی فصیل، حفاظت، گواہ اور ضامن ہے۔

ایمان سے غیر مربوط نیک اعمال اتفاقی طور پر درست ثابت ہونے والے اعمال ہیں۔ان کے دوام واستمرار کا کوئی احتمال ہوتاہے اورنہ ہی وہ کسی خوش آئند مستقبل کی امید دلاتے ہیں۔ دوسری طرف عمل صالح کے بغیر ایمان اتناکمزورہوتاہے کہ وہ ہر وقت تباہی کے خطرے سے دوچار رہتاہے،اس میں وسعت اور گہرائی پیدانہیں ہوتی، بلکہ وہ چند مسلمہ نظریات کی اندھی تقلید تک محدود رہتاہے، لیکن اسلام جسے ہم دین حق سے تعبیر کرتے ہیں وہ قرآن کے لائے ہوئے احکام پر عمل پیرا ہونے اوردین حق کے تمام اصول وفروع پر صدقِ دل سے ایمان لانے سے عبارت ہے۔اس لحاظ سے اسلام انسان کی قلبی، روحانی، مادی اور معنوی سعادت کا واحد سرچشمہ ہے، تاہم اس سرچشمے سے پورے طریقے سے استفادہ کرناانسان کوپیدائشی طور پر عطا کردہ ظاہری وباطنی صلاحیتوں سے عمدہ طریقے سے کام لینے سے مربوط ہے۔جولوگ اپنی فطری صلاحیتوں کو کسبی صلاحیتوں کے حصول کے لیے استعمال کرتے ہیں،وہ اپنے کاموں کوالطاف ومحاسن سے شروع کرتے ہیں،اپنی زندگی صالح دائروں(27) کی رنگین فضاؤں میں الطاف ومحاسن

Marfat.com

سے لطف اندوز ہوتے ہوئے گزارتے ہیں اور ایسے کارنامے سر انجام دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، جو ان کی زندگی کی ہر آن اور ہر لمحے میں ابدیت کے درجات کا پتا دیتے ہیں۔

آج بھی اسلام اپنے ان پیروکاروں کے لیے عزت اور طاقت کا سرچشمہ ہے، جو اس پر ایمان رکھتے اور صدقِ دل سے اس کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ اس نے انہیں ان کے انتساب کی صداقت کی بقدر سعادت بخشی اور انہیں کبھی بھی دائمی یا طویل ناکامی میں مبتلا نہیں ہونے دیا۔ اسلام کی برکت سے ہم نے کئی سنہری دور گزارے اور صحابہ کرام کے دور سے لے کر دورِ حاضر تک کئی عظیم الشان تہذیبوں کی داغ بیل ڈالی۔ اس کے برعکس اپنی بد بختی کے ادوار میں ہم نے دین کو پس پشت ڈال دیا اور زندگی سے اس کا ناطہ توڑ دیا، جس کے نتیجے میں ہم پر پے در پے مصائب آئے، عوام شکستہ خاطر ہو کر واویلا کرنے لگی اور معاشرے کی کمر اتنی دہری ہو گئی کہ وہ سیدھا کھڑا ہونے سے قاصر ہو گیا، تاہم ایسے ادوار میں بھی بہت سے لوگ اپنے ایمان کو سلامت رکھنے میں کامیاب ہو گئے، لیکن وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر معجزاتی نصرت کے افق کی طرف دیکھتے رہے اور اٹھتے بیٹھتے کرامات کے منتظر رہے، لیکن خدائی قوانین سے صرفِ نظر کرتے رہے۔ یہ درست ہے کہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے نازل ہونے والی خصوصی مہربانیوں پر بدیہی طور پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن وہ اس بات کو ہرگز نہیں بھولتے کہ اس عنایتِ الٰہیہ کے حصول کا وسیلہ ہمت اور مجاہدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت مبارکہ: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (سورۃ العنکبوت:٦٩) "اور جن لوگوں نے ہمارے راستے میں محنت کی ہم ان کو ضرور اپنے راستوں پر چلا دیں گے۔" میں ہمیں اس بات کی یاددہانی کرائی ہے کہ خدا کی عطا کردہ مہربانیاں انسان کے عزم وارادے کے ساتھ مشروط ہوتی ہیں، نیز اللہ تعالیٰ نے تجلّیٔ لطف کے اُس لمحے کے بارے میں کوشش اور ہمت کی اہمیت کی طرف بھی ہماری توجہ مبذول کرائی ہے، جو شرک کو چھوڑنے اور اس کے راستے مسدود کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے اہلِ ایمان کی طرف متوجہ ہونے کے لطف کو اجاگر کرتا ہے۔

یہاں میں اس طرف توجہ دلانا بھی ضروری خیال کرتا ہوں کہ ہم نے وجود اور کائنات میں جاری خدائی نظام کے کسی نہ کسی سبب کے ساتھ اقتران کی طرف جو اشارہ کیا ہے، اسے واقعات میں قوتِ تعیین(28) کے مشاہدے پر مبنی رائے پر قطعاً محمول نہ کیا جائے۔ ہمارے پیشِ نظر تو صرف اس

Marfat.com

بات کی یاددہانی کرانا ہے کہ انسانی تصرفات میں کارفرما کلی اور جزئی ارادہ مشیتِ الٰہیہ کے مختلف رنگوں میں سے کسی نہ کسی کے ساتھ مربوط ہوتا ہے، نیز عادی شرط کے درجے میں ان کی اہمیت کو اجاگر کرنا بھی مقصود ہے۔ یہاں مجھے فوری طور پر ایک اور بات بھی یاد آرہی ہے، وہ یہ کہ مؤمن کو اپنے وجدان میں محسوس ہونے والی ترجیحی صلاحیت کو حق تعالیٰ کے ارادے و مشیت کی تکمیل کی خاطر ضرور استعمال کرنا چاہیے اور اس دوران پُرعزم اور ثابت قدم رہنا چاہیے، لہٰذا مؤمن کے لیے ضروری ہے کہ شریعت کی نظر میں ناپسندیدہ امور سے بچے، نیکی کے لیے جدوجہد کرے، اسلام کی اطاعت میں اس قدر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرے کہ اس کی زندگی کا ہر لمحہ اسلام کے کسی نہ کسی پہلو کا نمونہ پیش کرے۔ وہ اپنی شخصیت سے اسلام کی منظر کشی کرے، اپنی زبان سے اس کے گن گائے، اس کا سچے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اپنی صورت میں اسے مجسّم کرے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تمام صلاحیتوں کو اسلام کے ذریعے زندگی کے احیاء کے لیے صرف کرے، جس کے نتیجے میں اس کے تمام کام اللہ کی رضا اور خوشنودی کے مطابق ہو جائیں گے، جیسا کہ حضرت بدیع الزمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "کلام اللہ کے لیے ہو، ابتدا اللہ کے لیے ہو، ملاقات اللہ کے لیے ہو، گفتگو اللہ کے لیے ہو اور دائرے میں دائمی حرکت اللہ کے لیے، لوجہ اللہ اور اللہ کی خاطر ہو۔" اور اِس فانی عمر کے تمام لمحات، منٹ اور گھنٹے بقا کے راستے کا زمانہ اور اس کی ابدی سعادت کا وسیلہ بن جائیں گے۔

مؤمن پر لازم ہے کہ وہ اپنے ایمان کو نیت، تصور، ارادے اور منصوبہ بندی کے ذریعے غذا فراہم کرے، اسلام کے حق کی ادائیگی میں کبھی نہ تھکے اور اپنے نفس کو ایک لمحے کے لیے بھی غفلت کا شکار نہ ہونے دے کہ کہیں وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہ ہو جائے۔ اسے چاہیے کہ شعور، احساس اور ارادے کی مکوک (Shuttle) کو ہمیشہ ایمان سے حرکتِ عمل اور حرکتِ عمل سے ایمان کی طرف گردش میں رکھے اور اپنی زندگی پر (اعمالِ صالحہ کے) نقش و نگار ایسے شرح صدر سے بنائے جیسے وہ اسے اللہ تعالیٰ کے گواہوں کے سامنے پیش کر رہا ہو۔

مایوسی دل کے لیے جہنم ہے اور کام سے دستبرداری اجنبیت، تذبذب اور وحشت کا باعث ہے۔ ایسے لوگوں کی شخصیت میں کسی نہ کسی مرحلے میں بگاڑ ضرور پیدا ہوتا ہے۔ ان کے عزائم پست، افکار متروک اور ارادے مفلوج ہوتے ہیں۔ دوسری طرف ارادے کی مضبوطی

Marfat.com

دعا اور عبادت اور بُرے خیالات اور احساسات کی بیخ کنی حق تعالیٰ کی طرف توجہ اور انابت کے مترادف ہے۔ اسی معیار کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے والا کوئی بھی شخص راستے سے گمراہ نہیں ہو سکتا۔ اگر کچھ لوگوں کے قدم اپنی کمزوری کی وجہ سے ڈگمگائے بھی ہیں تو بھی ان میں سے کوئی بھی مکمل طور پر چارزانوں چت نہیں ہوا۔ جن لوگوں نے اپنی زندگی کو خدا کے حیات افروز قرب سے مستحکم کر لیا ہو ان کی تو بات ہی اور ہے۔

یہ ہمارا ہمیشہ کا مشاہدہ ہے کہ جب تک انسان اپنی خودی کو نہ پہچانے اور دوسروں کو نئی زندگی عطا کرنے کے جذبے سے نہ جیئے اس وقت تک وہ اپنے موقف پر ڈٹ سکتا ہے اور نہ زمین پر سر اٹھا کر جی سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عمومی مشیت کی عادتِ سبحانیہ ہے، جس کا ہر کسی کے حق میں تبدیل ہونا محال ہے۔ بلاشبہ اس استقامت کے ساتھ زندگی بسر کرنے والوں کے خلاف ایسے سخت ترین دشمن ہمیشہ اٹھتے رہے ہیں، جن کے سینے ان کے خلاف غیظ و غضب سے بھرے ہوتے ہیں۔ وہ انہیں مٹانے کے لیے ہر حیلہ اختیار کرتے ہیں۔ ان پر مصائب کے آنے کے منتظر رہتے ہیں اور ہر روز اُن کے لیے ایک نیا خطرہ پیدا کرتے ہیں، لیکن حقیقی اہل ایمان ان آزمائشوں کی بھٹی سے ہمیشہ کندن بن کر نکلتے ہیں، اُخرویین، ربیین اور ربانیین کے مقام پر فائز ہو جاتے ہیں اور تسلیم و رضا کے جذبے سے مشکلات کو رحمت میں اور مصائب کی بارش کو صفائی ستھرائی کے لیے کیے جانے والے چھڑکاؤ کے عمل میں تبدیل کر دیتے ہیں، لیکن اپنی فکر اور طرزِ عمل سے ہرگز دستبردار نہیں ہوتے۔

بحیثیت مسلمان ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی خودی اور اقدار کی طرف لوٹیں، اپنی شخصیت کے مطابق جینے کا عزم کریں اور حتیٰ المقدور اپنے سرچشموں سے استفادہ کریں۔ دین اسلام کا سرچشمہ قرآن و سنت ہے۔ ملت (امت) اسلامیہ قابلِ رشک مقام کی حامل ہے اور جب تک وہ اس خدائی نظام کو تھام رکھے گی، اقوام عالم کے لیے اسوہ بنی رہے گی، لیکن اس کے برعکس جب اپنی ذاتی اقدار سے دور ہو جائے گی، غیروں کی تقلید کرنے لگے گی اور اپنی حرص و ہوس کی اسیر بن جائے گی تو ایک بدحالی سے دوسری بدحالی اور ایک رسوائی سے دوسری رسوائی میں مبتلا ہو کر منہ کے بل جا گرے گی۔

Marfat.com

مسلمان پر لازم ہے کہ اپنی ذاتی اقدار کو کسی صورت میں نظر انداز نہ کرے اور اجنبی مآخذ سے استفادہ اسلامی اصول وضوابط سے اس کی اجازت ملنے اور انہیں ان کی چھانٹی سے گزار کر صاف کرنے کے بعد کرے۔ اپنے مقصود کے بارے میں قارئین کو غلط فہمی کا شکار ہونے سے بچانے کے لیے ہم کہتے ہیں کہ "اسلام مسلمانوں کو طبیعیات، کیمیا، ریاضیات، فلکیات، طب، ہیئت، نظم عمومی، نظم اعمال اور زراعت وغیرہ جیسے علوم کی تحصیل سے منع نہیں کرتا، بلکہ انہیں ان علوم کے حصول میں آخری حد تک مسابقت کرنے کی ترغیت دیتا ہے اور انہیں یہ بتاتا ہے کہ یہ ان کی گمشدہ میراث ہے، اس لیے یہ انہیں جہاں سے بھی ملے وہ اس کے سب سے زیادہ حقدار ہیں، تاہم اسلام یہ نہیں چاہتا کہ مسلمان ہمیشہ دوسروں کے مرہونِ منت رہیں، بلکہ ان کے لیے یہ پسند کرتا ہے کہ وہ دوسروں کے پاس موجود علوم سے استفادہ کرنے کے بعد جلد ہی ان کی راہنمائی سے نجات حاصل کرلیں اور تشریعی امور کی طرح تکوینی امور میں بھی اپنا منفرد جہاں آباد کریں۔

سنہری ادوار میں ہمارے آباءواجداد زمین پر اللہ کے خلیفہ ہونے کی اپنی حیثیت کو دن میں کئی بار یاد کرتے تھے، اپنی ہر دنیوی واُخروی نقل وحرکت میں اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی تلاش کرتے تھے، اپنے اعمال کو شریعت کے ترازو پر پرکھتے تھے، اپنے رب کے ساتھ اپنے تعلقات پر نظر رکھتے تھے، حقیقت اور تحقیق کے حقیقی عشق کے ساتھ قوانین فطرت کو جاننے کی کوشش کرتے تھے، کائنات اور واقعات کو جاننے کے لیے اپنی نظر میں وسعت پیدا کرتے تھے اور اپنے علم اور فہم اور خاندان، معاشرے اور کائنات کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے راستے پر گامزن رہتے تھے، جس کے نتیجے میں وہ علم سے عرفان اور معرفت سے محبت کی طرف پرواز جاری رکھتے تھے۔ وہ ہر چیز، واقعے اور حکم خداوندی کو قربِ خداوندی کا ذریعہ سمجھتے اور اسے اپنے دنیوی کاموں اور تمام اُخروی خیالات میں سرفہرست رکھتے تھے۔

ان کی اس قدر بلند افق تک اس لیے رسائی ہوئی تھی کہ انہوں نے اسلام کے مطابق زندگی گزاری اور اسے ناقابلِ تقسیم کُل کی حیثیت سے اپنایا، اس سے دل کی گہرائیوں سے محبت کی اور اسلامی طرزِ حیات کو اپنا مقصدِ زیست بنایا۔ جب ان کے دلوں میں حرکت کا جذبہ اس قدر جاگزیں ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دنیا وآخرت کے درمیان توازن قائم کرکے انہیں ایک

Marfat.com

معتدل معاشرہ بنایا، جس کے نتیجے میں وہ سب کے سب ہر جگہ اورزندگی کے ہر شعبے میں اپنی ذات کو تعبیر کرنے کے اہل بن گئے۔اسی کی برکت سے اپنی ذاتی حرکیات(Dynamics)کے دائرے میں وہ آج تک تجدید و تغیر کے لیے سرگرم رہے، مسلسل غور و فکر کرتے رہے اوراپنے ایمان اور حرکی عمل (Dynamics) کی وجہ سے زمین کے وسیع خطے پر انسانیت کو تہذیب کا درس دینے والے استاد بن گئے۔ وہ اپنی حرکات و سکنات اور خاموشی اور گفتار میں حق تعالیٰ کے فیوض کا مظہر تھے۔ وہ اپنے تمام تصرفات اور طرزہائے عمل سے ہم آہنگ دکھی اور پُرترنم آواز سے اس کے گیت گاتے رہے اور دلّال کے مال کی طرف پکارنے کی طرح اسے اپنی صداؤں سے پکارتے رہے۔اپنے عرفان اور گہرائی کی وجہ سے وہ صحابہ کے معاشرے کی تصویر پیش کرتے اور نبی کریم ﷺ کے دیدار سے تعلق رکھنے والی بہت سے خوبیوں کے حامل رہے۔

جب یہ نورانی ہستیاں اللہ کے ساتھ اپنے تعلق یا اپنی آخرت کے بارے میں سوچتی ہیں تو گاہے بگاہے اپنے آپ کو معرفت کے وسیع میدانوں میں چھوڑ دیتی ہیں، خوف خدا سے کانپ اٹھتی ہیں، ان کے دل دھڑکنے لگتے ہیں، وہ اپنے محاسبے میں مشغول رہتی ہیں، اپنی ہر بات پر مسلسل نگاہ رکھتی ہیں، ہر بات دل کے معیاروں پر تولتی ہیں، اپنے کندھوں پر پڑنے والی ذمہ داری کو پہاڑوں کی طرح بوجھل سمجھتی ہیں اوران کا نفس اور جسم پگھل کر روحانی وجود کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اگر وہ قرآن کریم کی آوازِ بلند آہنگ کو اپنے دلوں میں مزید جاگزیں کرتے ہیں اوراُس سے اخذ ہونے والے حقائق کو مزید پرکھتے ہیں تو ان کے دل اللہ تعالیٰ کے گھر بن جاتے اور ہر قسم کے اجنبی افکار سے پاک ہو جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ صرف اسی کے بارے میں سوچتے، صرف اسی کو محسوس کرتے اور رات دن صرف اسی کی یاد میں محو رہتے ہیں۔

دراصل مؤمن کے دل میں اسلام اور دیگر تصورات و نظریات ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ جونہی ایمان اور اسلام دل میں داخل ہوتے ہیں وہ اس میں موجود غلط مسلمات کو باہر پھینک کر اسے صاف کر دیتے ہیں۔اس کی عبادت ہر پہلو سے ان کے رنگ میں رنگ جاتی ہے اوراحسان کا یہ احساس کہ وہ حق تعالیٰ کو یا کم از کم حق تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے، اس کی حفاظت کرتا ہے، جس کے نتیجے میں اس کے دل میں صرف اسلام کی بادِ نسیم کی رسائی ہی رہ جاتی ہے۔

Marfat.com

ایمان اوراسلام پر مبنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان تعلقات کی برکت سے عبادت انسان کے افکار اور طرزِ حیات میں غیر متذبذب استقامت، وسعت پذیر اخلاص، تعاونِ باہمی کے مسلسل احساس، روحانی اولوالعزمی اوراُخروی اخلاق کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے، چنانچہ انسان کی شخصیت میں اس قدر رچابسا ہوا ایمان اس کے تمام حالات میں خواہ ان کا تعلق ملازمت و تجارت سے ہو یا معاشی و معاشرتی سرگرمیوں سے، نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ اس کے تمام حالات پر اپنے اثرات چھوڑتا ہے اوراس کے روح پر اپنی صورت مرتسم کرتا ہے، جو وقت کے ساتھ ساتھ اس کے تمام تصرفات اور طرزہائے عمل کی عکاسی کرنے والے روحانی قصیدے میں بدل جاتی ہے۔ اس قدر مضبوط ایمان کے حامل مؤمن ہی کے بارے میں کہا گیا ہے: ''جب تم اسے دیکھتے ہو تو تمہیں خدا یاد آجاتا ہے۔''

ہماری رائے میں حقیقی مفہوم کے لحاظ سے ایمان اوراسلام یہی ہے، جس خدائی نظام کو ہم ''دین'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں وہ اسی کا ایک جامع عنوان ہے اور ''تدیّن'' (دینداری) اسی جلیل القدر حقیقت کے زندگی کی روح بن جانے سے عبارت ہے۔ اس کا آغاز سب سے خوبصورت اور حسین کلام کلمہ شہادت و توحید سے ہوتا ہے اوراس کی آخری منزل دیدارِ خداوندی ہے۔ جو شخص بھی اسلام کو پسند کرتا اوراس انداز سے اس کے مطابق زندگی گزارتا ہے، وہ کتاب وسنت کی نظر میں مؤمن، مسلم اور متدین ہے۔ اس کے سوا اسے کوئی اور نام دینا (جیسا کہ بعض اوقات ہوتا ہے) اس کی قدرومنزلت کو کم کرنے کے مترادف ہے۔

ہماری زبان میں بعض اسلامی اصطلاحات مثلاً ''اسلام''، ''مسلمان'' اور ''دیندار''[29] مسلمان کے لیے بطور عَلَم کے استعمال ہوتی ہیں، لیکن ان میں ''اسلامی'' اور ''دینی'' جیسے الفاظ قطعاً شامل نہیں، جنہیں اہل مغرب نے ہماری زبان میں قصداً داخل کیا اور ناواقف لوگوں نے انہیں استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ہم اپنے دین میں اس قسم کے الفاظ اوراوصاف قطعاً نہیں پاتے۔ ہمارے لیے یہ بات اہم نہیں کہ یہ الفاظ یا ان سے ملتی جلتی اصطلاحات ہمارے دین کے سوا دوسرے مذاہب یا مذہب کی طرح کے دیگر نظامہائے حیات میں پائی جاتی ہیں یا نہیں، لیکن اتنی

Marfat.com

بات کی وضاحت ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے دین کی رُو سے گناہوں کا ارتکاب کرنے والا یا کسی معصیت میں مبتلا ہونے والا مسلمان شخص گنہگار ضرور ہوتا ہے، لیکن وہ مؤمن ہی رہتا ہے، اسی طرح اسلام کے بنیادی احکام کو چھوڑنے والا شخص مسلمان ہی رہتا ہے، بشرطیکہ وہ ان کا انکار نہ کرے، لہذا مکمل طور پر دین کے مطابق زندگی گزارنے کے خواہش مند شخص کو "اسلامی" یا "دینی" کہنا، اسی قدر نامناسب ہے، جس قدر اسلامی احکام کو چھوڑنے یا ان میں کوتاہی کرنے والے شخص کو "کفری"، "ضلالی" یا "فسقی" کہنا ناروا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اپنی زبان کے استعمال میں بہت احتیاط برتنی چاہیے، انسانی عظمت کے مطابق سوچنا اور بولنا چاہیے اور ہر ایک کے احترام پر مبنی رویہ سیکھنا چاہیے۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

1. یہ مشہور مؤرخ اور سیاح اولیاء چلپی (۱۶۱۱ء-مابعد ۱۶۸۲ء) کے سفروں کی طرف اشارہ ہے۔انہوں نے لکھا ہے کہ ان کے مسلسل سفر میں رہنے کا سبب وہ خواب ہے، جس میں انہیں رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور انہوں نے آپ ﷺ سے شفاعت کی درخواست کرنے کے لیے "شفاعۃ یارسول اللہ" کہنے کا ارادہ کیا، لیکن ان کے منہ سے "سیاحۃ یارسول اللہ" کے الفاظ نکل گئے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے خواب ہی میں ان کے لیے سیاحت کی دعا فرمائی، جس کے نتیجے میں ان کے دل میں مختلف ممالک کی سیر وسیاحت کا شوق پیدا ہو گیا۔(عربی مترجم)

2. صالح دائرہ سے مصنف کی مراد ایسے ثمر آور دائرے سے ہے، جس میں مسلسل ایک بھلائی سے دوسری بھلائی جنم لیتی رہتی ہے۔یہ "دائرہ فاسدہ" کی ضد ہے، جس میں ایک برائی سے ہمیشہ دوسری برائی جنم لیتی رہتی ہے۔ (عربی مترجم)

3. ظاہر پرستی سے مؤلف کی مراد بنے بنائے ایسے قوالب اور شکلیات کو قبول کرنے کی استعداد ہے، جو جب ظاہر ہوتی ہیں تو ان کے سادہ پن کی وجہ سے انہیں جلد قبولیت حاصل ہو جاتی ہے اور انسان ان کی تحقیق و تمحیص کے بارے میں زیادہ کدوکاوش کیے بغیر ان کی پیروی کرنے لگتا ہے، جس کے نتیجے میں اصل حقائق اور حقیقی باطنی امور اس ظاہر پرستی کے پس پردہ چلے جاتے ہیں۔(عربی مترجم)

4. اس کا کلامی مفہوم مراد ہے، یعنی رضائے الٰہی کے سوا دیگر تمام اہداف اس ہدف کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ان کی حیثیت اعتباری ہوتی ہے اور اصلی ہدف کو پیشِ نظر رکھ کر ان کی قدر و منزلت کا تعین کیا جاتا ہے۔(عربی مترجم)

Marfat.com

5. فینومینلزم (Phenomenalism): یہ انسان اور کائنات کے درمیان پائے جانے والے ناگزیر تعلق کی توجیہات اور اس کے فہم وادراک سے متعلق علم ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ کائنات اور عقل کے اسرار کو بے نقاب کرتا ہے۔ یہاں اِس سے فلسفہ اور عقل انسانی کی رُو سے انسان، کائنات اور خدا کے باہمی تعلق کے مظاہر کی ایسی واضح اسلامی توجیہہ پیش کرنا مراد ہے، جس سے انفرادی طور پر مذکورہ بالا تعلقات میں پائے جانے والے تضادات ختم ہو جائیں۔ (عربی مترجم)

6. مفیستو-فاسٹس: مفیستوفیلس (Mephistopheles) کی اسطوری شخصیت سولہویں صدی عیسوی کے اواخر میں یورپ کی المیہ کہانیوں میں بعض ایسے شیطان صفت لوگوں کی صورت میں ظاہر ہوئی، جو شیطان کے قرب کے متلاشی تھے، مثلاً "مارلیو" نامی المیہ ڈرامے میں فاسٹس نامی کردار نے (تقریباً ۱۵۸۸ء میں) "مفیستوفیلس" کے نام سے ایسے شیطان کا کردار ادا کیا، جو جنت سے نکالے جانے کا انتقام لینے کے لیے انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ گوئٹے نے مفیستوفیلس کے ذریعے فاسٹس کو ایک نیا کردار دیا۔ چنانچہ اس نے ایک طرف اسے شیطان کے ایسے رمز کے طور پر پیش کیا ہے، جو نئے نئے واقعات کے ساتھ ساتھ چلتا اور انسان کے ذہن میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز پر قدرت رکھتا اور اس کے ہر راز کو سمجھتا ہے اور دوسری طرف اسے ہر چیز پر اعتراض کرنے اور اسے برباد کرنے والے رمز کے طور پر پیش کیا ہے۔ گوئٹے اپنی المیہ کہانی کو "مفیستوفیلس" کی شکست پر منتج کرتا ہے، جو فاسٹس کی تشنگی اور ہمیشہ رہنے کی نہ ختم ہونے والی خواہش کا مظہر ہے۔ فاسٹس کے اسطورہ (Myth) سے ماخوذ ہر کام "مفیستوفیلس" (Mephistopheles) کے کرداروں کا مرہونِ منت ہے۔ فاسٹس مغربی انسان کی باطنی شخصیت کا عکاس ہے۔ (عربی مترجم)

7. میں اس آیت مبارکہ میں جذبات اور معقولات اور عقل اور قلب کے امتزاج کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ مؤلف رحمہ اللہ نے اپنی تقریروں میں جابجا اس موضوع پر زور دیا

Marfat.com

ہے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ قرآن کریم کی اس طرح کی آیات مبارکہ کے تقاضوں پر تھوڑی دیر کے لیے ضرور غوروفکر کریں۔

8. آپ کو پورا نام ابو فضلی محمد بن سلیمان فضولی بغدادی بیاتی ترکمانی ہے۔ آپ عراق کے شہر ''حلہ'' یا ''کربلاء'' میں پیدا ہوئے اور آپ نے ۱۵۵۶ء میں وفات پائی اور نجف میں مدفون ہوئے۔ بظاہر آپ عراق سے باہر کبھی نہیں نکلے۔ آپ نے فلکیات، طبیعیات اور الجبرا جیسے عقلی اور حدیث، اصول فقہ، منطق اور علم الکلام جیسے نقلی و شرعی علوم حاصل کیے، نیز اپنی مادری زبان ترکی کے علاوہ آپ کو عربی و فارسی ادب پر بھی عبور حاصل تھا اور ان دونوں زبانوں میں آپ کے دیوان موجود ہیں۔ چونکہ آپ نے آلِ بیت اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی محبت میں دلچسپ قصیدے لکھے ہیں، اس لیے بعض لوگوں نے آپ کو شیعہ بھی قرار دیا ہے۔ آپ کے شعر اور فکر پر تصوّف کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ "لیلیٰ و مجنوں" کے نام سے آپ کی معروف و مشہور مثنوی دراصل تصوّف کے پس منظر میں لکھی گئی ہے۔ اس کی تائید ان کی اس رائے سے بھی ہوتی ہے کہ شعر کی اساس علم ہے، جس کے بغیر اس کی حیثیت خالی اور کھوکھلے مجسمے کی سی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی نعت پر مشتمل آپ کے قصیدے کی شہرت سارے مشرقی عالم اسلام میں پھیلی ہوئی ہے۔ آپ کا شمار ان عظیم شعراء میں ہوتا ہے، جنہوں نے ترکی ادب کے آذری یعنی ترکمانی و چغتائی لہجے پر گہرے اثرات ڈالے، مؤخر الذکر لہجے پر آپ کے اثرات تو علی شیر نوائی کے اثرات کے ہم پلہ ہیں۔ ترکی ادب کے عثمانی لہجے پر آپ کی تاثیر کا تو کوئی ہمسر ہی نہیں ہے۔ آپ نے نہ صرف خیالی اور یحییا طاشیلجہ لی جیسے اپنے عظیم عثمانی معاصرین کو متاثر کیا، بلکہ رومی بغدادی، باقی، نائلی، ندیم اور شیخ غالب جیسے بعد والی نسل کے بہت سے بڑے بڑے ناموں پر بھی اثرات ڈالے۔ (عربی مترجم)

Marfat.com

9. یہاں مفہوم میں فرق کیے بغیر انسان اور کائنات کے درمیان پایا جانے والا تعلق من حیث المجموع ایسے طور پر مراد ہے کہ وہ بداہۃً سارے مادی وجود کی طرف منسوب ہو سکے۔ (عربی مترجم)

10. بلاشبہ یہاں اجتہاد سے شرعی اجتہاد مراد ہے۔(عربی مترجم)

11. یہ درویش سے ماخوذ ہے،جو اصل میں فارسی زبان کا لفظ ہے، جس کا مطلب در کا سوالی ہے، لیکن تصوّف کی اصطلاح میں "طریقت" کی طرف منسوب شخص کو درویش کہتے ہیں۔(عربی مترجم)

12. رسائل نور کے پچیسویں کلمہ سے تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ماخوذ۔(مؤلف)

13. مقصود یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور چیز پر ایمان لانا یا اس کی تصدیق کرنا انسانی جبلت اور فطرت سلیمہ کے منافی ہے اور اللہ تعالیٰ کو گم کر کے کسی چیز کو پا لینے کا دعوی سوسطائیت اور مغالطہ آمیزی کے سوا کچھ نہیں، کیونکہ ایسا انسان کسی بھی چیز کی حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ (عربی مترجم)

14. شیریں کا فرہاد کے ساتھ وہی تعلق تھا جو لیلیٰ کا بنو عذرہ کے قیس بن ملوح مجنوں کے ساتھ ہے۔(عربی مترجم)

15. ان سے وہ عمومی احکام مراد ہیں، جن کے بارے میں انسانوں سے باز پرس ہو گی۔(عربی مترجم)

16. "صراف": زرگری کا ماہر شخص جو سونے، دراہم ودنانیر اور جواہرات میں سے سستے اور مہنگے، کھرے اور کھوٹے اور خالص اور ملاوٹ شدہ میں فرق کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔

17. زندگی اور موجودات کی حقیقت میں موجود صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحریک دینا مراد ہے۔

18. تمکین سے احتیاط اور استقامت مراد ہے۔(عربی مترجم)

Marfat.com

19. شیخ غالب: استنبول میں ۱۷۵۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹۹ء میں فوت ہوئے۔ آپ کا نام محمد بن مصطفیٰ راشد ہے اور "غالب" ترک شعراء کی عادت کے مطابق تخلص ہے۔ آپ نے فارسی اپنے والد سے پڑھی اور اپنے والد سے ہی تحفۃ الشاہدی کا درس لیا، جو "طریقت مولویہ" سے متعلق کتاب ہے۔ آپ اور آپ کے والد دونوں "طریقت مولویہ" سے وابستہ تھے۔ آپ دینی، تصوفی اور ادبی علوم میں بتدریج ترقی کرتے گئے یہاں تک کہ استنبول میں غلاطہ کے مقام پر قائم سلسلہ مولویہ کی خانقاہ کے سجادہ نشین بن گئے اور اپنی وفات تک اس منصب پر فائز رہے۔ تصوّف کے موضوع پر آپ کی تصنیفات ہیں۔ آپ نے مثنوی کی شروح لکھیں اور آپ کے شعری دیوان بھی ہیں۔ آپ نے ترکی اور فارسی شعراء کو متاثر کیا۔ آپ کے اسلوب میں عمدہ تعبیرات، خیالات کی بلندی اور روانی پائی جاتی ہے۔ آپ نے ترکی اشعار میں "سبک ہندی" کو متعارف کرایا۔ آپ اپنے دور کے معیار کے مطابق ترکی مفردات میں وسعت پیدا کرنے کی طرف رجحان رکھتے تھے۔ آپ کا شمار عظیم صوفی شعراء میں ہوتا ہے۔ (عربی مترجم)

20. حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف نسبت ہے، جو اپنی آواز کے حسن اور بلند آہنگی میں معروف تھے۔

21. یہ صوفیاء کے سلاسل میں سے "مولویہ" کی خاص اصطلاح ہے، جس میں عالم آخرت کی طرف منتقل ہونے کی خوشی کو شب زفاف کی مسرت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ (عربی مترجم)

22. شاید اس ادبی (Literary) خطاب سے مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکسیرِ حیات اور وہ حقیقت ہیں، جو ہر چیز کو حقیقی زندگی عطا کرتی ہے، لہٰذا آپ کا ہر ارشاد، ہر اشارہ بلکہ ہر سکوت کسی بھی عاشق سوختہ کے نزدیک اس کے محبوب کے نازوانداز سے زیادہ عزیز اور جان فدا کیے جانے کے لائق ہے۔ (عربی مترجم)

Marfat.com

23. یہ محمد لطفی الوارلی کے دو شعروں کا ترکی زبان سے ترجمہ ہے، محمد لطفی الوارلی موٴلف کے مشائخ میں سے ہیں۔(عربی مترجم)

24. قوسین میں موجود عبارت اصل تحریر میں بھی عربی زبان میں تھی۔(عربی مترجم)

25. دینی: یہ دین کی طرف نسبت ہے، جیسے اسلام کی طرف نسبت کرتے ہوئے "اسلامی" کہاجاتاہے۔ اس قسم کی اصطلاحات عالم اسلام میں بالعموم اور ترکی میں بالخصوص ثقافتی اصطلاحات کی جنگ میں شامل ہیں، جس کا حاصل عام مسلمان اور مبلغ، مرشد یا داعی کے درمیان فرق اور جدائی پیدا کرناہے۔ بعض حلقوں میں ایسی اصطلاحات کے استعمال سے مبلغ، مرشد یاداعی کواسلام سے جداکرنا مقصود ہوتا ہے، کیونکہ وہ عام طورپر عزلت اور گوشہ نشینی اختیار کیے ہوتاہے۔ ایک دوسرے پہلو سے دیکھیں تو بعض اوقات دعوت وتبلیغ سے وابستہ افراد ان اصطلاحات کو قبول کرکے مخالفین کے بچھائے ہوئے جال میں خود ہی پھنس جاتے ہیں، کیونکہ اس طرح وہ اسلام کو مخصوص معاشرتی یاسیاسی صورتحال میں محصور کردیتے ہیں، جس کے نتیجے میں دین میں تنگی پیدا ہوتی ہے اوراسلام کا میدان سمٹ جاتاہے۔ امید ہے کہ قارئین موٴلف کے ان اشاروں پر غوروفکر کریں گے۔(عربی مترجم)

26. میں قارئین کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتاہوں کہ یہاں کل اور جزو سے مادی تصور مراد نہیں، بلکہ یہاں کل اجزاء کے مجموعے سے عبارت نہیں۔ کل اور کلی اور اسی طرح جزء اور جزئی (عقل میں موجود) امر خارجی ہے، لیکن نظر آنے والی مادی اشیاء میں موجود نہیں، مثلاً جب ہم عقل کلی یاارادہ کلیہ کہتے ہیں توان کا خارج میں اشیاء اورمادہ سے غیر مربوط وجود ہوتاہے اور یہ جزئی ارادہ انسان کے کلی ارادے سے علیحدہ کوئی چیز نہیں ہے، چنانچہ انسان کا جزئی ارادہ اس کے کلی ارادے کے کسی متعین چیز کی طرف میلان، اس کی خواہش یاکسب کے تعلق سے عبارت ہے اور یہ تمام عقلی امور ہیں، جن کا خارج میں تووجود ہے، لیکن ان کا مادی اشیاء میں ظاہری وجود نہیں، چنانچہ جب کلی (معقولی) ارادہ میلان،

Marfat.com

خواہش اور کسب کے ذریعے کسی متعین چیز سے وابستہ ہوتا ہے تو وہ اس کا جزئی ارادہ کہلاتا ہے اور مشیّت ایزدی اسے پیدا کرنا چاہتی ہے تو وہ وجود میں آجاتا ہے۔ یہی ارادہ خیر و شر اور امتحان اور مکلّف بنائے جانے کا مدار ہے۔ اس نکتے پر غور کیجئے اور اپنی نظر کو تیز کیجئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے۔ (عربی مترجم)

27. جیسا کہ پہلے گزر چکا "صالح دائرے" "فاسد دائروں" کی ضد ہیں۔

28. مقصود یہ ہے کہ مولف کی تحریر سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ اسباب کی طرف نتائج کے لیے اسباب کے تعین کے نظریئے پر یقین رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں مولف کی کتاب "تعمیرِ شخصیت" (ونحن نقیم صرح الروح) کی فصل معینیت (Determination) کی طرف مراجعت کیجئے۔ (عربی مترجم)

29. یہ ترکی زبان کے الفاظ ہیں۔ بلاشبہ یہ الفاظ مسلمانوں کے ہاں زبانِ زدِ عام ہو گئے ہیں اور امّت کے ہاں قبولیت حاصل ہو چکے ہیں، لہٰذا ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ میں نے گذشتہ ایک نوٹ میں اس طرف توجہ دلائی ہے۔ یہاں میں یہ اضافہ کرنا چاہوں گا کہ ترکی زبان میں "اسلامی" اور "دینی" اصطلاحات نفس پر زیادہ گراں گزرتے ہیں، کیونکہ ترکی زبان میں یہ اصطلاحات جیم اور یا کے حروف نسبت کے اضافے کے ساتھ "اسلامی" اور "دینجی" بن جاتی ہیں اور مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والوں کے لیے بھی اسی طرح کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں، مثلاً کبابجی (کباب بنانے والا) اور حلوجی (مٹھائی بنانے والا)۔ اس میں ایک ستم یہ بھی ہے کہ اس سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ مبلغ وداعی بھی ایک طرح صاحبِ پیشہ ہے، جو اسلام کو بطور پیشے کے استعمال کرتا ہے۔ عربی زبان میں اس قسم کی اصطلاحات "اصولی" (بنیاد پرست) اور "متشدد" (شدت پسند) ہیں، لہٰذا عربی زبان میں بھی اس قسم کی اصطلاحات سے گریز ضروری ہے۔ اس پہلو کو زیادہ گہرائی و گیرائی سے دیکھنا چاہیے۔ (عربی مترجم)

Marfat.com

جادۂ منزل

محمد فتح اللہ گولن

Marfat.com